ناقابلِ بیاں خوش خبری

ڈیوڈ کلٹن

ناقابلِ بیاں خوش خبری

ڈیوڈ کلٹن

ناقابلِ بیاں خوش خبری

ڈیوڈ کلٹن

بلا معاوضہ

کتاب کا نام	ناقابلِ بیاں خوشخبری
مُصنف	ڈیوڈ کلٹن
پروجیکٹ مینیجر	سُنیل جوزف
مترجم	تنویر صدیق
نظرِ ثانی	سُنیل جوزف
لے آؤٹ کمپوزنگ	تنویر صدیق

ذیلی حصے

گناہ اور راستبازی کا ادراک.....10

عارضی نہیں، متبادل.....42

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسیح میں ہیں.....54

خدا کا مکاشفہ.....81

مسیح کی فطرت.....88

منصوبے کو سمجھنا.....105

شکست خوردہ لعنت.....130

مشابہ اور مشابہ.....156

ایمان کی اہمیت.....241

سپردگی کی اہمیت.....258

پاکیزگی.....286

فہرست

اظہارِ تشکر..... 8

تعارف..... 11

باب نمبر 1۔ گناہ کی فطرت..... 15

باب نمبر 2۔ راستبازی کی فطرت..... 31

باب نمبر 3۔ دو آدم..... 43

باب نمبر 4۔ انسانی رُوح..... 55

باب نمبر 5۔ خدا کا رُوح..... 62

باب نمبر 6۔ مسیح میں زندگی..... 69

باب نمبر 7۔ خندہ پیشانی سے..... 82

باب نمبر 8۔ کیوں یسوع نے کبھی بھی گناہ نہ کیا؟... 89

باب نمبر 9۔ کامل بشریت، کامل الوہیت..... 97

باب نمبر 10۔ گنہگار کو کیوں مرنا ہے؟..... 106

باب نمبر 11۔ یسوع کو کیوں مرنا پڑا؟..... 119

باب نمبر 12۔ لعنت کیا ہے؟..... 131

باب نمبر 13۔ شریعت کی لعنت..... 139

باب نمبر 14۔ مسیح لعنتی بنا..... 146

باب نمبر 15۔ مسیحی اور شریعت..... 157

باب نمبر 16۔ دو عہدو..... 163

باب نمبر 17۔ پرانا عہد کیوں؟.....176
باب نمبر 18۔ رُوح کی شریعت.....190
باب نمبر 19۔ نیک و بد کا علم.....197
باب نمبر 20۔ مشابہ بمقابلہ غیر مشابہ.....213
باب نمبر 21۔ معافی اور انصاف.....224
باب نمبر 22۔ راستبازی بذریعہ ایمان.....242
باب نمبر 23۔ پانی پر چلنے کا ہُنر.....252
باب نمبر 24۔ سپردگی.....259
باب نمبر 25۔ صلیب کا مطلب.....270
باب نمبر 26۔ کلامِ خدا کی اہمیت.....276
باب نمبر 27۔ زندگی بھر جاری رہنے والا کام.....287
باب نمبر 28۔ ابدی آرام.....291
اختتامیہ۔.....298

دسمبر 2015 میں شائع ہوئی

ریسٹوریشن منسٹریریز
پی او بکس 23
ناک پیٹرک،
مانچسٹر،
جمیکا، ویسٹ انڈیز

www.restorationministry.com

اظہارِ تشکر

جب میں اُن سب کے بارے میں سوچنا شروع کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کو حقیقت بنانے میں اپنا کردار ادا کیا تو میرے لیے رُکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس حد تک میری حوصلہ افزائی کی، مجھے مجبور کیا، میری مدد کی اور اس بارے میں مجھے متحرک کیا کہ بالآخر مجھے اس پر کام کرنا پڑا اور میں اپنے تمام دوست احباب کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی اہمیت کو سمجھا۔ مَیں فطری طور پر تاخیر پسند ہوں اور اگر آپ مدد نہ کرتے تو یقیناً یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچتا۔

مَیں خصوصاً اپنے رومانیہ کے دوست ولاؔڈ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کی اصلاح کی بدولت ہی مَیں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا سکا۔ اُس کی مدد کی بدولت میرے لیے اس کتاب پر کام کرنا آسان ہو گیا۔

مَیں آسٹریلیا کے وؔین اور پینسلوینیا سے تعلق رکھنے والے ڈؔینی کا بھی دلی طور پر شکر گزار ہوں، ان دونوں نے اس کتاب کو بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھا اور اس سے متعلق اپنی تجاویز پیش کیں اور ڈؔینی نے اس میں ایسی اصلاح کی جس سے پڑھنے میں آسانی پیدا ہوئی۔

میں کرسٹؔینا، جانوؔس، ولاؔڈ اور اروؔن کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، جنھوں نے اس کتاب کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھایا اور اب یہ کتاب ہسپانوی، رومانیہ اور ہنگری زبان میں بھی دستیاب ہے اور جلد ہی جرمن زبان میں بھی دستیاب ہوگی۔ مَیں اپنی اہلیہ کا بھی شکر گزار ہوں جس نے کسی قسم کی شکایت کیے بغیر تنہائی کو برداشت کیا کیونکہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھتی تھی۔

اور سب سے بڑھ کر مَیں اپنے آسمانی باپ اور اُس کی بیٹے کا شکر گزار ہوں۔ اس کتاب میں بیان کردہ باتوں کے بارے میں سیکھنا اور انہیں آگے پہنچانا میرے لیے کتنے اعزاز کی بات ہے! ہمیشہ اُس کے نام کی حمد و ثنا ہو!

یہ کسی اچھی کتاب سے بھی کہیں بڑھکر ہے۔ اب بھی جب میں اسے پڑھتا ہوں تو مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کاش میرے پاس مزید وقت ہوتا تا کہ مَیں کچھ باتوں کو دوبارہ لکھ سکوں۔ لیکن اپنے دوستوں کی مانند میں بھی اس کتاب میں بیان کردہ پیغام کی اہمیت کو سمجھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ یہ پیغام پہلے ہی کافی تاخیر کا شکار ہو چکا ہے۔ لہٰذا مَیں اس کتاب کو دُعا اور اس اُمید کے ساتھ بھیجتا ہوں کہ اگرچہ یہ کتاب نامکمل ہے یا ہو سکتی ہے مگر ہمارے خدا کے ہاتھ میں ایسے وسیلے کی مانند ہے جس کی مدد سے بہت سے لوگ اُس کی محبت کی عظمت کو سمجھ سکیں گے اور اُس کے نجات بخش منصوبے کی قدر کریں گے جس کے ذریعے اُس نے ہمیں نجات بخشی ہے۔

گناہ اور راستبازی کا ادراک

تعارف

جب ہم بنی نوع انسان کی حالت پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں بہت کچھ تباہ برباد دکھائی دیتا ہے۔تشدد، بدسلوکی، خودغرضی، گمراہی اور اس قسم کی دیگر برائیاں انسانیت میں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ یہاں ایک ایسی بیماری ہے جو پوری انسانیت کو متاثر کرتی ہے اور اس کا علاج ہونا چاہیے۔ہم اس بیماری کو ''گناہ'' کہتے ہیں اور اِس سے چھٹکارا چاہتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اس بیماری کا کوئی علاج ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ایسے بے شمار مذاہب ہیں جو اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ انسان ہمیشہ سے گناہ سے نجات پانا چاہتا ہے اور اس سے نجات پا کر خدا کے ساتھ اپنا رابطہ بحال کرنا چاہتا ہے۔تاہم سب سے زیادہ مذہبی لوگوں کی گواہی یہ ہے کہ گناہ اب بھی اُن کی زندگیوں میں بہت بڑی طاقت ہے اور یہ کہ ان کی تمام تر مذہبی کوششوں کے باوجود بھی وہ گناہ کی طاقت سے آزاد نہیں ہوئے۔

گناہ ایک گھمبیر مسئلہ ہے کیونکہ اس سے بہت سی بیماریاں، بے راہروی اور موت جنم لیتی ہے۔لیکن گناہ کی وجہ سے اس سے بھی بڑا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔گناہ ہمیں خدا سے دُور کر کے اُس مقام پر لے جاتا ہے جہاں ہمارے لیے بالکل بھی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی۔خدا ہمیشہ کی زندگی کا وعدہ کرتا ہے،لیکن صرف اُن لوگوں سے جو گناہ سے آزاد ہیں اور یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ ہم اس سے دُور بھاگتے ہیں۔ پولس رسول عبرانیوں کی کتاب کے باب نمبر 12 کی آیت نمبر 14 میں یوں بیان کرتا ہے،

''سب کے ساتھ میل مِلاپ رکھنے اور اُس پاکیزگی کے طالِب رہو جس کے بغیر کوئی خداوند کو نہ دیکھے گا'' (عِبرانیوں 14:12)

تمام مسیحی یہ جانتے ہیں کہ خدا راستباز ہے، وہ پاک ہے اور اس کی فطرت گناہ کے برعکس ہے۔حتیٰ کہ اگر ہم نے بائبل مقدس کو کبھی بھی نہ پڑھا ہو تو بھی ہم اس بات کو واضح طور پر جانتے ہیں کہ خدا کو دیکھنے کے لیے ہمیں راستباز بننا پڑے گا اور ابتدا سے ہی بنی نوع انسان ایسی راستبازی کی تلاش میں ہے جو انسان کو خدا کے ساتھ رفاقت رکھنے کی خاطر ابدی زندگی کے لیے درکار ہے۔

اِسے تلاش کرنے کی پہلی کوشش آدم اور حوا نے کی تھی۔جب اُنہیں اس بات کا علم ہوا کہ گناہ کی وجہ سے وہ خدا کی حضوری میں نہیں جا سکتے تو بائبل مقدس کے بقول اُنہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لیے لباس تیار کیا۔اُنہوں نے

انجیر کے پتوں سے تیار کردہ اس لباس کو زیب تن کر کے اُنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی حضوری میں جانے کے لائق بنانے کی کوشش کی۔ بے شک جب خدا وہاں آیا تو اُنہیں اس بات کا احساس ہوا کہ یہ تو ناکافی ہے اور اُنہوں نے خود کو خدا کی حضوری سے چھپالیا۔

تلاش کے انوکھے طریقے

تب سے لے کر لوگوں نے گناہ کے ڈنگ سے بچنے اور راستبازی حاصل کرنے کے لیے بہت سے طریقے آزمالیے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے زمانے میں شمعون نامی ایک کیتھولک پیشوا تھا۔ راستبازی کی تلاش کرتے ہوئے شمعون ایک کھمبے پر چڑھ گیا اور سنتیس (37) برس تک وہیں رہا۔ پہلے وہ تین میٹر اونچے کھمبے پر چڑھا پھر وہ چھ میٹر اونچے کھمبے پر چڑھ گیا پھر گیارہ میٹر اونچے کھمبے پر اور بالآخر وہ بیس میٹر اونچے کھمبے پر چڑھ گیا کیونکہ وہ اُس سارے ہجوم کی پہنچ سے دُور ہونا چاہتا تھا جو اُسے دیکھنے کو آئے تھے۔ وہ گرمی، سردی اور بارش کے دوران بھی وہیں رہا۔ ٹوکری میں ڈال کر اُس کے لیے کھانا پہنچادیا جاتا۔ اس شخص کے متعلق تاریخ میں کچھ یوں لکھا ہوا ہے:

''شمعون سٹیلائٹ نے اپنی زندگی کے سنتیس (37) برس کھمبے پر کھڑے ہو کر گزار دیئے۔ اُس نے بہت کم کھایا اور اپنی حتی الواسع کوشش کی کہ وہ نہ ہی بیٹھے اور نہ ہی لیٹے؛ اُس نے خود کو کھمبے کے ساتھ اس طریقے سے باندھ لیا تاکہ وہ سیدھا ہی سو سکے یا شدید تھکن کی صورت میں وہ اُس جنگلے پر اپنا سر رکھ کر سو جاتا جو اُسے طوفان کے دوران گرنے سے بچانے کے لیے لگایا گیا تھا۔ اُس کے بچاؤ کے لیے اُس کے اوپر کوئی چھت نہیں تھی اور اُس جنگلے کے علاوہ کسی قسم کی کوئی دیوار نہیں تھی محض چمڑے کا لباس، لمبے بال اور داڑھی ہی اُس کا ساز و سامان تھی...

''وہ اپنا سر اُٹھائے اور سر جھکائے ہوئے (صرف یہی اُس کی ورزش تھی) رات بھر مستعدی سے دُعا کرتا رہا: ایک عینی شاہد اُس کی 1244 دفعہ سر جھکانے اور اُٹھانے والی حرکات کو ہی گن سکا۔''

(http://gvanv.com/compass/arch/v1402/saint.html)

اُس شخص کا یہ ماننا تھا کہ جتنا زیادہ وہ خود کو دُکھ دے گا وہ راستبازی اور خدا کی نظر کے اُتنا ہی قریب ہوتا جائے گا۔

''اُس کے بدن پر رسی اِتنی سختی سے باندھی ہوئی تھی کہ وہ اُس کے جسم میں دھنس گئی۔ اُس کے معدے کے کیڑے نکل کر اُس کی ٹانگوں پر چلنے لگے۔ سال بھر وہ ایک پاؤں پر کھڑا رہا، وہ اپنے زخموں سے گرنے والے کیڑوں کو دوبارہ اُن پر رکھتا اور کہتا 'جو کچھ خدا نے تمہیں دیا ہے اُسے کھاؤ'۔'' (روم کی دوسری جانب، از قلم جان بی ویلڈر، صفحہ نمبر 60)

اس عجیب اور گمراہ شخص کو ''بزرگ'' کا خطاب دیا گیا اور آج اُسے ''بزرگ شمعون دی سٹیلائٹ'' کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو اتنے خوفناک طریقے سے دُکھ دیتے ہوئے وہ شخص کیا ڈھونڈ رہا تھا؟ وہ گناہ سے چھٹکارہ پانے، رُوحانی پاکیزگی، راستبازی کے حصول اور خدا کو خوش کرنے کی تلاش کر رہا تھا۔ اُسے یہ سب کچھ کر کے کیا ملا؟ کچھ بھی نہیں۔ ایسا کرنے سے اُس کی راستبازی میں مزید بالکل بھی اضافہ نہ ہوا۔

اس کائنات میں ہر مذہب کے لوگ ایسے طریقے کی تلاش میں ہیں جس کی بدولت اُنہیں راستبازی مل سکے، وہ خدا کے منظورِ نظر ہو سکیں اور ہمیشہ کی زندگی پا سکیں۔ کچھ مذاہب میں ہم لوگوں کو کانٹوں کے بستروں پر لیٹے ہوئے دیکھتے ہیں، وہ رُوحانی طور پر پاک ہونے کے لیے خود کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور یہ بات دیکھ کر ہمیں حیرانگی ہوتی ہے کہ وہ لوگ کتنی گمراہی میں ہیں۔ لیکن مسیحیوں کے طریقہ کار کے علاوہ بھی کوئی طریقہ کار موجود ہے؟ ہم میں سے زیادہ تر لوگوں کے خیال میں راستبازی کی تلاش میں ہمارا کھانا پینا بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ یوں ہم مہذب لباس پہنتے ہیں، مناسب خوراک کھاتے ہیں اور کلیسیائی قوانین کی پاسداری بھی کرتے ہیں تا کہ ہم راستباز بن سکیں اور خدا ہم سے خوش ہو اور ہم پر اپنی برکات نچھاور کرے۔

یہ ممکن ہے کہ یہ سب کچھ کرنے کا ہمیں کچھ فائدہ ہو لیکن کیا گناہ سے بچنے کا یہی طریقہ کار ہے؟ جب تک ہم گناہ کی نوعیت کو سمجھ نہ سکیں تب تک ہم گناہ کے مسئلے سے بہتر طور پر نبرد آزما نہیں ہو سکیں گے۔ ایک مرتبہ کسی عقلمند شخص نے یوں کہا تھا:

''ہزاروں کی تعداد میں لوگ گناہ کے درخت کی شاخوں پر حملہ آور ہیں مگر اُسکی کی جڑ پر حملہ کرنے والے لوگ بہت کم ہیں۔''

یہ بات بالکل درست ہے۔ دُنیا کے بیشتر مذاہب غلط انداز سے گناہ تک رسائی کر رہے ہیں کیونکہ وہ گناہ کے حوالے سے غلط فہمی کا شکار ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ گناہ کی فطرت کو سمجھا جائے۔ جب ہم گناہ کی فطرت کو سمجھ لیتے ہیں تو ہمیں اس بات کی سمجھ آ جاتی ہے کہ ہمارا کس سے واسطہ پڑا ہے اور ہم اِس مسئلے سے نپٹنے کا بہتر حل ڈھونڈ لیتے ہیں۔ اگلے باب میں ہم اِسی بنیادی سوال کا جائزہ لیں گے کہ ''گناہ کیا ہے؟'' جب ہم اس بنیادی حقیقت کو جان لیں گے تو پھر ہم گناہ کے بارے میں کتابِ مقدس کے اہم جواب کو سمجھنے اور اپنانے کو تیار ہو جائیں گے۔

باب نمبر 1

گناہ کی فطرت

گناہ کیا ہے؟ اگر آپ یہ سوال پوچھیں تو بہت سے مسیحی لوگ آپ کو فوری طور پر 1 یوحنا 3:4 کے حوالے کی طرف لے جائیں گے:

''جو کوئی گُناہ کرتا ہے وہ شرع کی مُخالفت کرتا ہے اور گُناہ شرع کی مُخالفت ہی ہے'' (1 یُوحنا 3:4)

یہاں پر واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ گناہ شرع کی مخالفت ہے۔ اس تعریف کے مطابق، اگر کوئی شخص گناہ کرنا چاہتا ہے تو اُسے شریعت کو توڑنا پڑے گا۔ بے شک، اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ آیت حقیقی طور پر گناہ کی تعریف بیان کرتی ہے۔ 1 یوحنا 3:4 کے حوالے کو قبول کرنے سے ہم خدا کی نظر میں نا قابلِ قبول رویے کو سمجھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ بہر حال، آیئے اس بات پر بھی غور کریں کہ گناہ کے بارے میں بائبل مقدس کی صرف یہی واحد تعلیم نہیں ہے۔ خدا کے کلام میں گناہ کے بارے میں ہمیں صرف یہی تعلیم نہیں ملتی۔ اگر ہم گناہ کی تعریف کے حوالے سے صرف اِسی آیت کو مانیں تو پھر ہم صرف یہی اندازہ لگا سکیں گے کہ گناہ کا انحصار ہمارے اپنے اعمال پر ہے۔ پھر ہم یہ ماننا شروع کر دیں گے کہ گناہ محض ہمارے رویے تک ہی محدود ہے مگر بائبل مقدس کے دیگر بے شمار حوالے ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

غلط اعمال سے بڑھ کر

گناہ کا تعلق ہمارے عمومی اعمال سے کہیں گہرا ہوتا ہے۔ کچھ مسیحی ایسے ہیں جو اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ اگر انسان شریعت کو نہ توڑے تو وہ گناہ نہیں ہوتا لہٰذا اگر کوئی شریعت کو نہیں توڑتا تو وہ گناہ نہیں کر سکتا۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ ایسے لوگوں کا یہ ایمان ہے کہ گناہ کے مسئلے کا حل صرف یہی ہے کہ انسان شریعت کی پاسداری کرے۔ مگر ہر ایماندار انسان اس بات کو جانتا ہے کہ یہ طریقہ کار کارگر ثابت نہیں ہوتا!

مرقس 7:18-23 میں یسوع نے ایک بڑی دلچسپ بات کہی ہے:

''اُس نے اُن سے کہا کیا تُم بھی ایسے بے سمجھ ہو؟ کیا تُم نہیں سمجھتے کہ کوئی چیز جو باہر سے آدمی کے اندر جاتی

ہے اُسے ناپاک نہیں کرسکتی۔ اِس لئے کہ وہ اُس کے دِل میں نہیں بلکہ پیٹ میں جاتی ہے اور مزبلہ میں نِکل جاتی ہے؟ یہ کہہ کر اُس نے تمام کھانے کی چیزوں کو پاک ٹھہرایا۔ پھر اُس نے کہا جو کُچھ آدمی میں سے نِکلتا ہے وہی اُس کو ناپاک کرتا ہے کیونکہ اندر سے یعنی آدمی کے دِل سے بُرے خیال نِکلتے ہیں۔ حرام کاریاں۔ چوریاں۔ خُون ریزیاں۔ زنا کاریاں۔ لالچ۔ بدیاں۔ مکر۔ شہوت پرستی۔ بدنظری۔ بدگوئی۔ شیخی۔ بیوقُوفی۔ یہ سب بُری باتیں اندر سے نِکل کر آدمی کو ناپاک کرتی ہیں''۔ (مرقس 7:18-23)

خصوصاً آیت نمبر 21 سے 22 بڑی دلچسپ ہیں۔ یہاں پر یسوع ہمیں بتاتا ہے کہ گنہگارانہ اعمال کی ابتدا ہمارے اندر سے ہی ہوتی ہے۔ کچھ کرنے سے پہلے ہمیں اُس کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے۔ (بے شک ہمارے کچھ ایسے ''اضطراری اعمال'' ہوتے ہیں جو غیر دانستہ ہوتے ہیں مگر اُن سب کا تعلق ہماری سوچ سے ہی ہوتا ہے اور اُن کا دارومدار ہمارے بدن کی عادات اور حرکات سے ہوتا ہے)۔ لہٰذا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہمارا ہاتھ گناہ کر رہا ہے تو کیا ہم اپنے ہاتھ کو کاٹ ڈالیں؟ یقیناً نہیں! گنہگارانہ سوچ ہمارے دماغ میں ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ بات تو واضح ہے کہ اہم مسئلہ ہمارے اعمال میں نہیں بلکہ اہم مسئلہ اُن خیالات میں ہے جن کی بدولت ایسے اعمال سرانجام پاتے ہیں۔ اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی کونسی بات ہے جس کی وجہ سے گنہگارانہ خیالات جنم لیتے ہیں؟

اصل مسئلہ

اگر مَیں یوگا، عبادت و ریاضیت، مارشل آرٹس وغیرہ کے ذریعے اپنے خیالات کی تربیت کرسکتا ہوں تو کیا مَیں گناہ پر بھی غلبہ پانے کی سکت رکھتا ہوں؟ آیت نمبر 21 میں یسوع نے کیا فرمایا ہے اُس پر غور کریں'' آدمی کے دِل سے بُرے خیال نِکلتے ہیں''۔ یہ بات سچ ہے کہ ہمارے اعمال ہمارے خیالات پر مبنی ہوتے ہیں مگر ہمارے خیالات کسی اور جگہ سے آتے ہیں یعنی یہ ہمارے دل سے آتے ہیں۔

یہاں دل سے مُراد ہمارا دماغ ہے نہ کہ شعوری سوچ، بلکہ یہ ہماری ایسی سوچ ہے جِسے ہم عموماً ''فطرت'' کا نام دیتے ہیں۔ اگر ہم اس بات پر غور کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو کچھ ہم کرتے یا کہتے ہیں وہ گناہ کی جڑ نہیں ہے۔ مسئلہ ہمارے دل یا ہماری فطرت میں ہے۔ یہی تو ہمارے گناہ کی اصل وجہ ہے۔

یسوع اور پولس دونوں نے ہمیں یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ مسئلہ ہماری فطرت میں ہے۔ یہ بات بالکل دُرست ہے۔ یوحنا 8:31-34 میں یوں مرقوم ہے:

''پس یسُوع نے اُن یہُودیوں سے کہا جنہوں نے اُس کا یقین کِیا تھا کہ اگر تُم میرے کلام پر قائم رہو گے تو حقیقت میں میرے شاگرد ٹھہرو گے۔ اور سچائی سے واقف ہو گے اور سچائی تُم کو آزاد کرے گی۔ اُنہوں نے اُسے جواب دِیا ہم تو ابرہام کی نسل سے ہیں اور کبھی کسی کی غُلامی میں نہیں رہے۔ تُو کیوں کر کہتا ہے کہ تُم آزاد کئے جاؤ گے؟ یسُوع نے اُنہیں جواب دیا میں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ جو کوئی گُناہ کرتا ہے گُناہ کا غلام ہے۔'' (یُوحنا8:31-34)

خدمت گزار مالک

یسوع نے فرمایا ہے کہ اگر تُم گناہ کرتے ہو تو تُم گناہ کے غلام ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر تمہارا مالک کون ہے؟ یسوع نے فرمایا کہ گناہ تمہارا مالک ہے۔ تُم گناہ کے غلام ہو۔ بے شک یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ یسوع جسمانی غلامی کی بات کر رہا ہے۔ اُنہوں نے کہا ''ہم ابرہام کی نسل سے ہیں اور ہم کبھی بھی کسی کے غلام نہیں بنے''۔ مگر یسوع نے کہا اگر تُم گناہ کرتے ہو تو کوئی تمہارا مالک ہے اور وہ مالک ''گناہ'' ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس حوالے میں بیان کردہ لفظ ''گناہ'' کا مطلب شریعت کی نافرمانی نہیں ہے۔ یسوع نے گناہ کو بادشاہ یعنی ایسے حاکم کے طور پر بیان کیا ہے جو فرمانبرداری کروانے کا مطالبہ کرتا ہے۔ ''خادم'' لفظ دراصل یونانی لفظ 'doulos' سے نکلا ہے جس کا لغوی مطلب ''نوکر'' ہے۔ یسوع فرماتا ہے کہ جو انسان گناہ کرتا ہے وہ گناہ کا غلام ہے اور غلام اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا۔ کوئی دوسرا اُسے کچھ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس لحاظ سے یسوع کہتا ہے کہ اُس مالک کا نام ''گناہ'' ہے۔

اگر ہم رومیوں 7 باب کا مطالعہ کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ پولس بھی یسوع کی بات پر مکمل طور پر متفق ہے۔ آیات 14-17 میں یوں مرقوم ہے:

''کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ شریعت تو رُوحانی ہے مگر میں جسمانی اور گُناہ کے ہاتھ بِکا ہُوا ہوں۔ اور جو میں کرتا ہُوں اُس کو نہیں جانتا کیونکہ جس کا میں اِرادہ کرتا ہُوں وہ نہیں کرتا بلکہ جس سے مُجھ کو نفرت ہے وہی کرتا ہُوں۔ اور اگر میں اُس پر عمل کرتا ہوں جس کا اِرادہ نہیں کرتا تو میں مانتا ہُوں کہ شریعت خُوب ہے۔ پس اِس صُورت میں اُس کا کرنے والا میں نہ رہا بلکہ گُناہ ہے جو مُجھ میں بسا ہُوا ہے''۔ (رومیوں7:14-17)

ہم سبھی جانتے ہیں کہ کسی غلام کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ صبح سویرے جب وہ اُٹھتا ہے تو کوئی اُسے بتاتا ہے کہ اُسے کس قسم کی کپڑے پہننے ہیں، کس قسم کا کھانا کھانا ہے، دِن بھر اُسے کیا اور کب تک کام کرنا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کے لیے یہ فیصلہ بھی کوئی کرتا ہے کہ اُسے کس سے شادی کرنی ہے اور کہاں رہنا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں

کرسکتا۔کوئی دوسرا ہی اُس کے لیے یہ سارے فیصلے کرتا ہے۔کسی غلام کی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے۔کوئی بھی غلام اپنی من مانی نہیں کرسکتا۔

پولس یوں کہتا ہے کہ مَیں ''گُناہ کے ہاتھ بِکا ہُوا ہوں''۔بکا ہوا انسان کیسا ہوتا ہے؟ یقیناً وہ غلام ہی ہوتا ہے! پولس ایسے انسان کی بات کر رہا ہے جو مسیح کے بغیر ہو۔اگر ایسا انسان غلام ہے تو کیا اُسے اپنی مرضی کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں! پولس کہتا ہے کہ ایسا انسان گناہ کا غلام ہے۔اُس کے مالک کا نام ''گناہ'' ہے۔ہر روز جب وہ صبح سویرے اُٹھتا ہے تو اُس کا مالک اُسے یہ کہتا ہے ''آج تُو نے میرے لیے یہ تمام کام کرنے ہیں۔آج تُو نے چوری کرنی ہے، جھوٹ بولنا ہے، زنا کاری کرنی ہے، کسی کو قتل کرنا'' یا اگر آپ قابلِ احترام غلام ہیں یعنی اگر آپ چرچ ممبر ہیں تو وہ آپ سے یوں کہتا ہے ''اپنی بیوی سے خفا ہو جاؤ، اپنے بچوں پر چلاؤ اور دل میں شدید بغض رکھو۔'' ہوسکتا ہے کہ مالک یعنی گناہ ہمیں کوئی اور قابلِ احترام گناہ کرنے کی ذمہ داری سونپ دے۔وہ دوسرے لوگوں جیسے بُرے محسوس نہیں ہوتے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اُن کی جڑ وہی ہوتی ہے۔ہم سبھی گناہ کے غلام ہیں، ہم اُسی مالک کے غلام ہیں۔

آیت نمبر 16 میں پولس یوں کہتا ہے ''میں مانتا ہُوں کہ شریعت خُوب ہے'' مگر آیت نمبر 17 میں وہ اپنی غلامی کے حوالے سے بات کرتا ہے اور یوں کہتا ہے ''پس اِس صُورت میں اُس کا کرنے والا میں نہ رہا بلکہ گُناہ ہے جو مُجھ میں بسا ہُوا ہے''۔کیا پولس اچھائی کرنا چاہتا تھا؟ بے شک اُس نے کی! کیا وہ ایسا کرنے کی کوشش کر رہا تھا؟ یقیناً وہ ایسا کر رہا تھا۔اُس نے بھرپور کوشش کی۔

پولس زیادہ تر مسیحیوں سے زیادہ مضبوط کردار کا مالک تھا۔پولس اچھی جدوجہد کرنے والا تھا، اُس نے بھرپور کوشش کی اور کُشتی لڑی مگر پھر بھی وہ یوں کہہ اُٹھا ''مَیں نہ کرسکا''۔یہ کمزوری صرف پولس میں نہ تھی بلکہ یہ کمزوری کائنات کے ہر مرد و زن میں پائی جاتی ہے۔جو لوگ زیادہ تعلیم یافتہ ہیں اور جن کا رہن سہن معاشرے کے اعلیٰ طبقے میں شمار ہوتا ہے وہ بہترین کپڑے پہنتے ہیں اور کھلے عام گناہ نہیں کرتے بلکہ وہ ظاہری طور پر گناہ کے خلاف مزاحمت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور اپنی راستبازی میں قاتلوں، کسبیوں اور چوروں کو بُرا کہتے ہیں مگر وہ خود بھی گناہ کرتے ہیں۔وہ یہ سوچ کر اچھا محسوس کرتے ہیں وہ دوسرے گنہگاروں کی مانند نہیں ہیں لیکن ان دونوں میں سب سے بڑھا گناہ کونسا ہے، کیا قتل کرنا یا ریا کاری کرنا؟ حقیقت یہ ہے کہ اِن دونوں کی جڑ ایک ہی ہے یعنی اِن دونوں گناہوں کا سبب ایک ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم فطری طور پر گناہ کے غلام ہیں!

فطرت تبدیل ہونی چاہیے

لہٰذا اب ہم گناہ کی نوعیت کو کافی حد تک سمجھ چکے ہیں۔ بنیادی طور پر ہمارے اعمال گناہ نہیں ہوتے اور نہ ہی ہمارے خیالات گناہ ہوتے ہیں۔ گناہ ایسی فطرت ہے جس میں ہم پیدا ہوئے ہیں۔ اپنے اعمال اور خیالات کو تبدیل کرنے سے ہماری فطرت تبدیل نہیں ہوسکتی بلکہ ہماری فطرت تبدیل ہونی چاہیے۔ اگرچہ ہمارے لیے اپنے خیالات اور اعمال پر مبنی عادات کو تبدیل کرنا مشکل بات ہے مگر اپنی فطرت کو تبدیل کرنا ہمارے لیے ناممکن بات ہے۔ ہمیں کوئی ایسی ہستی چاہیے جو ہماری فطرت کو تبدیل کر سکے۔ صرف یہی ہماری واحد اُمید ہے۔

ہمارے پاس یسوع اور پولس کی جانب سے یہ گواہی موجود ہے کہ انسان کا مسئلہ محض اعمال سے کہیں بڑا ہے۔ اِن دونوں نے ہمیں یہ بات سمجھائی ہے کہ ہماری فطرت تبدیل ہونی چاہیے۔ یسوع یوحنا 6:3 میں بڑی دلچسپ بات بتاتے ہیں:

''جو جسم سے پیدا ہُوا ہے جسم ہے اور جو رُوح سے پیدا ہُوا ہے رُوح ہے'' (یُوحنا 6:3)

اس کا کیا مطلب ہے؟ بلاشبہ یوں دکھائی دیتا ہے کہ جسمانی تو جسمانی ہی ہوتا ہے۔ تو پھر ایسا کیوں کہا گیا ہے؟ یسوع یوں کہہ رہا ہے ''اگر تُم جسمانی ہو تو پھر تُم صرف یہی کام کر سکو گے جو جسمانی ہیں! جسمانی روحانی کام نہیں کر سکتے اور جب وہ ''جسم'' کا لفظ بیان کرتا ہے تو اِس سے اُس کا مطلب جسمانی اور خونی بدن نہیں ہے۔ اِس سے اُس کا مطلب ہماری نفسانی گنہگارانہ فطرت یا ہماری گناہ آلودہ فطری سوچیں ہیں۔ جسم فطری طور پر نفسانی ہوتا ہے، رُوح فطری طور پر راستباز ہوتا ہے۔

ظاہری نہیں

انگریز مناد چارلس سپرجیؔن نے ایک مثال پیش کی جس میں اس مسئلے کو بہتر طور پر بیان کیا گیا ہے۔ ''قدرتی طور پر سور کو کیچڑ میں قلابازیاں لگانا اچھا لگتا ہے، میرا خیال ہے کہ ہر سور کو ایسا کرنا اچھا لگتا ہے۔ اگرچہ کچھ سوروں کو پیدا ہوتے ہی قید میں رکھا جاتا ہے اور وہ زندگی بھر قید میں ہی رہتے ہیں لیکن اگر اُن میں سے کسی ایک کو بھی آزاد کر دیا جائے اور اُسے کیچڑ دکھائی دے تو وہ جلدی سے اُس میں کودنا شروع کر دے گا۔''

کوئی شخص سور کو بطور پالتو جانور رکھنے کا فیصلہ کر لیتا ہے مگر اُسے پتہ چلتا ہے اِس میں یہ گندی عادت پائی جاتی ہے لہٰذا وہ شخص اِسے سکول میں بھیج دیتا ہے تاکہ پانچ سالوں تک وہاں اُس کی تربیت ہو سکے۔ سکول میں ہر روز اُس سور کو یہ بات سکھائی جاتی ہے کہ ''تُم کیچڑ میں نہیں کھیلو گے''۔

بالآخر پانچ سالہ تربیت کا وقت اختتام پذیر ہو جاتا ہے اور یہ گریجوایٹ سور سڑک پر چلتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ اپنا سرٹیفکیٹ پکڑے ہوئے، جیکٹ پہنے اور ٹائی لگائے ہوئے تھا تب وہ کیچڑ کے تالاب کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ پھر وہ کیا کرتا ہے؟ وہ اپنا سرٹیفکیٹ، اپنی جیکٹ اور ٹائی اُتار کر پھینک دیتا ہے اور کیچڑ میں کود پڑتا ہے اور اُس میں قلابازیاں لگانا شروع کر دیتا ہے۔ اُس نے ایسا کیوں کیا؟ وہ ایسا اس لیے کرتا ہے کیونکہ یہ اُس کی فطرت ہے! وہ پیدائشی طور پر سور تھا! جب سے وہ پیدا ہوا تھا تب سے لے کر اُس کے دل سے اُسے یہ آواز آ رہی تھی کہ ''کیچڑ ہی دُنیا کی سب سے بہترین چیز ہے'' اور تعلیم بھی سور میں سے اِس بات کو نکال نہ سکی!

تمام انسان گنہگارانہ فطرت میں پیدا ہوئے ہیں اور چاہے ہم کتنی ہی تعلیم حاصل کر لیں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا ہے اور ہماری اصل فطرت برقرار رہتی ہے۔ ''جو جسم سے پیدا ہُوا ہے جسم ہے''۔ ہم کسی انسان کی تربیت کر سکتے ہیں کہ وہ چوری نہ کرے، اپنے غصے پر قابو پائے، شراب نوشی نہ کرے مگر ایسی تعلیم اُس کی فطرت کے برعکس ہے۔ لوگوں کی عدم موجودگی میں وہ شخص شراب نوشی کرے گا، وہ غصہ کرے گا، وہ چوری کرے گا اور اپنی فطری من مرضی پوری کرے گا کیونکہ کسی انسان کی فطرت تعلیم کے ذریعے تبدیل نہیں ہوتی۔ اگر ہم کسی بات کو حقیقی طور پر تبدیل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اُس کا گہرائی سے جائزہ لینا پڑے گا۔

آیئے ایک مرتبہ پھر سے تعلیم یافتہ سور کی مثال پر غور کرتے ہیں۔ اُس کے لیے تعلیم مفید ثابت نہ ہوئی لیکن شاید موجودہ سائنسی تحقیق کی بدولت کسی نے یہ جانا کہ اُس کا دماغ تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا کسی بلی کا دماغ لیا گیا اور اِسے سور کے سر میں لگا دیا گیا۔ کسی بلی کو کیچڑ کیسا لگتا ہے؟ کیا آپ نے کبھی کسی بلی کو کیچڑ میں قلابازیاں لگاتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایسا صرف مر کر ہی ہو سکتا ہے! کیچڑ میں قلابازیاں لگوانے کے لیے آپ کو بلی کو جان سے مارنا پڑے گا۔ لہٰذا اِس سور میں بلی کا دماغ لگا دیا گیا اور وہ رستے پر چلتا ہوا جا رہا تھا۔ وہ سور کی مانند دکھائی دے رہا تھا اور سور کی مانند ہی چل رہا تھا لیکن جب وہ کیچڑ کے تالاب کے پاس پہنچا تو اُس نے کیا کیا؟ وہ وہاں سے دُور بھاگ گیا۔ اُس نے ایسا کیوں کیا؟ ایسا اس لیے ہوا کیونکہ اب اُس کا دماغ نیا یعنی اُس کی فطرت نئی ہو چکی تھی۔ اب کسی کو بھی اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہ پڑی کہ ''تُم ایسا نہ کرنا''۔ اُسے تعلیم نہیں دی گئی بلکہ اب اُس کا دماغ نیا ہو چکا تھا۔ جو کچھ پانچ سالہ تعلیم نہ کر سکی وہ محض تھوڑے سے وقت میں ہو گیا۔ اس مثال کے ذریعے ہمیں یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے اور ہمیں اِس مسئلے کو کیسے حل کرنا ہے۔

نُور اور تاریکی

اُس سے سُن کر جو پیغام ہم تمہیں دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا نُور ہے اور اُس میں ذرا بھی تاریکی نہیں۔ (1یوحنا1:5)

یہاں اور نئے عہد نامے کے دیگر حوالہ جات میں خدا کو نُور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ دلچسپ بات ہے کہ ''تاریکی'' کے لفظ کی وضاحت کرنے کے لیے ہمیں ''نُور'' کے لفظ کا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ تاریکی کی وضاحت کرنے کے لیے ہمیں ''نُور'' کا لفظ استعمال کرنے کی ضرورت کیوں پڑتی ہے؟ کیا ہمیں نور کی وضاحت کرنے کے لیے تاریکی کے لفظ کی ضرورت پڑتی ہے؟ بالکل نہیں! اس کی وجہ یہ ہے کہ نُور حقیقی چیز ہے اور یہ بے شمار قوت پر مبنی ہوتا ہے۔ سائنسدان اسے مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر ہیں مگر وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ حقیقی چیز ہے۔

مگر تاریکی کیا ہے؟ تاریکی کسی چیز کی عدم موجودگی ہے یعنی اس کا اپنا وجود نہیں ہوتا۔ تاریکی ایسی حالت ہے جہاں روشنی نہیں ہوتی اور اِسے صرف اُس روشنی کے ذریعے ہی بیان کیا جا سکتا ہے جو وہاں ہوتی نہیں۔ ہم روشنی سے تشبیہ دیتے ہوئے ہی تاریکی کو سمجھ سکتے ہیں۔ جب ہم اس حقیقت کو جان لیتے ہیں تو ہم گناہ کی حقیقی فطرت کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

بائبل مقدس ہمیں بتاتی ہے کہ صرف خدا ہی نیک ہے (متی19:17)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی بھی نیک نہیں ہے۔ فرض کریں کہ اگر بالکل بھی نیکی نہ ہو تو پھر باقی کیا بچتا ہے؟ باقی تو پھر بدی ہی بچتی ہے! جہاں نیکی ہوتی ہے وہاں بدی نہیں ہو سکتی لیکن جب نیکی ختم ہو جاتی ہے تو فوری طور پر بدی وہاں آ پہنچتی ہے۔ لہٰذا ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ خدا کو ''نُور'' سے تشبیہ کیوں دی گئی ہے۔ جب کہیں خدا کا رُوح موجود ہوتا ہے اور خدا کا اختیار قائم رہتا ہے تو وہاں پر گناہ نہیں رہ سکتا۔ جب کہیں سے خدا کا رُوح چلا جاتا ہے اور خدا کا اختیار ختم ہو جاتا ہے تو پھر وہاں گناہ آ موجود ہوتا ہے۔ گناہ عموماً اُس وقت آتا ہے جب خدا کی حضوری ختم ہو جاتی ہے۔ خدا کی حضوری کی دوسری جانب یہی ہوتا ہے یعنی جب خدا کی حضوری نہ ہو تو یہ آ موجود ہوتا ہے۔

اِسی وجہ سے انسان فطری طور پر بدکار ہیں کیونکہ ہم خدا کے رُوح کے بغیر ہی پیدا ہوئے ہیں! جب ہم اس بات کو سمجھ لیتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا اصل سوال یہ نہیں ہے کہ گناہ سے کیسے چھٹکارا پائیں بلکہ راستبازی کیسے حاصل کریں۔ ہم گناہ یا تاریکی پر حملہ آور ہو کر اِس سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ ایسا کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہم

اِس پر غلبہ پا کر اِسے ختم کر سکیں۔ بالکل بھی نہیں، ہمیں صرف خدا کو موقع دینا چاہیے کہ وہ ہم پر اپنا نُور چمکائے یعنی ہمیں اُس کی راستبازی کو حاصل کرنا چاہیے۔ جب ہم اُس کی راستبازی کو حاصل کر لیں گے تو پھر گناہ با آسانی چلا جائے گا۔

گناہ کی ابتدا

حزقی ایل 28 باب میں ہمیں اس بات کی وضاحت ملتی ہے کہ گناہ کائنات میں کیسے آیا۔ یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ شیطان کو صور کے بادشاہ سے تشبیہ دی گئی ہے:

''کہ اَے آدم زاد! صُور کے بادشاہ پر یہ نوحہ کر اور اُس سے کہہ خُداوند خُدا یُوں فرماتا ہے کہ تُو خاتم الکمال دانش سے معمُور اور حُسن میں کامِل ہے۔ تُو عدن میں باغِ خُدا میں رہا کرتا تھا۔ ہر ایک قیمتی پتھر تیری پوشش کے لئے تھا مثلاً یاقُوت سُرخ اور پُکھراج اور الماس اور فیروزہ اور سنگِ سُلیمانی اور زبرجد اور نیلم اور زمُرد اور گوہرِ شب چراغ اور سونے سے تُجھ میں خاتم سازی اور نگینہ بندی کی صنعت تیری پیدایش ہی کے روز سے جاری رہی'' (حزقی ایل 28:12-13)

لوسیفر خاتم الکمال دانش سے معمور اور حسن میں کامل تھا۔ اُسے تمام مخلوق سے بڑھ کر حکمت ملی تھی اور وہ بالکل کامل تھا۔ حوالے میں بیان ہے کہ ہر ایک قیمتی پتھر سے اُس کی پوشش کی گئی۔ وہ خدا کی سب سے کامل مخلوق تھی۔ وہ حکمت، فہم، سمجھ اور حسن میں کامل تھا۔ اُس نے گناہ سے پاک ماحول میں زندگی بسر کی یعنی اُس نے بُرے حالات کا سامنا نہ کیا۔ اُسے ہر قسم کا فائدہ حاصل ہوا۔ آیت نمبر 15 میں کہا گیا ہے کہ اُس کی روشیں کامل تھیں۔

''تُو اپنی پیدایش ہی کے روز سے اپنی راہ و رسم میں کامِل تھا جب تک کہ تُجھ میں ناراستی نہ پائی گئی'' (حزقی ایل 28:15)

وہ ہمیشہ سب کچھ کامل ہی کیا کرتا تھا۔ مگر ایک دن ایسا آیا جب اُس میں بدی آ گھُسی۔ جب تک اُس میں بدی نہ آئی اُس کے راہ و رسم تبدیل نہ ہوئے۔ اُس کے اپنے اندر سے ہی اِس سارے مسئلے کا آغاز ہوا۔ اس مسئلے کا آغاز بُرے اعمال سے نہ ہوا بلکہ اس کا آغاز اُس کے اندر یعنی اُس کے دل سے ہوا۔

لوسیفر کو کامل خلق کیا گیا تھا۔ یہ بات سمجھنی آسان نہیں ہے کہ گناہ اُس میں کیسے آ گیا اور یہ بات یقینی ہے کہ گناہ کرنے کے لیے کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ ایک ایسی کامل ہستی جسے ہر قسم کا فائدہ حاصل تھا، جو ہر عقیدے کو بہتر طور پر سمجھتا تھی اور جو خدا کے اُصولوں سے واقف تھی اُس میں کچھ تبدیلی ہونا شروع

ہوگئی۔اس مسئلے کا آغاز سب سے پہلے لوسیفر کے دل سے ہوااور جب یہ بُرا بیج اُگا اور قدآور درخت بن گیا تو یہ لوسیفر کو اُس مقام پر لے گیا جہاں وہ یہ کہنے کے لائق ہوگیا کہ مَیں خدا کے بغیر اپنے بل بوتے پر ہی رہ سکتا ہوں۔ یسعیاہ14:12-14 میں یوں لکھا ہے:

''اَے صُبح کے روشن سِتارے تُو کیونکر آسمان پر سے گر پڑا! اَے قوموں کو پست کرنے والے تُو کیونکر زمین پر پٹکا گیا! تُو تو اپنے دِل میں کہتا تھا میں آسمان پر چڑھ جاؤں گا۔ میں اپنے تخت کو خُدا کے سِتاروں سے بھی اُونچا کرُوں گا اور میں شمالی اِطراف میں جماعت کے پہاڑ پر بیٹھوں گا۔ میں بادلوں سے بھی اُوپر چڑھ جاؤں گا۔ میں خُدا تعالیٰ کی مانند ہُوں گا'' (یسعیاہ14:12-14)

مسئلہ۔خدا پر انحصار کرنا

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ لوسیفر نے یہ کہا کہ وہ اتنا نیک ہے کہ وہ خدا سے ہٹ کر کام کرسکتا اور زندگی گزار سکتا ہے۔وہ ایسی ہستیوں میں سے ایک تھا جنہوں نے یہ محسوس کیا کہ وہ بذاتِ خود نیک ہیں! اُس نے یہ جانے بغیر کہ اُس کی زندگی اور نیکی کا حقیقی منبع کون ہے، اپنی ساری زندگی مکمل طور پر خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے ہی گزاری تھی۔اُسے یہ احساس نہ ہوا کہ اُس میں پائی جانے والی ہر قسم کی نیکی اور تمام فوائد جن سے وہ ہر روز لطف اندوز ہو رہا ہے اُسے خدا کی طرف سے بطورِ تحفہ ملے ہوئے ہیں۔وہ اپنی خودی اور اپنی صلاحیتوں میں کھو گیا اور وہ اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ وہ خدا کے بغیر ہی سب کرسکتا ہے۔

یہ ممکن ہے کہ لوسفیر کو گناہ کی اصل کارکردگی اور کاموں کا علم ہی نہ ہو۔اُس نے صرف ایسی دُنیا میں زندگی گزاری تھی جہاں صرف اور صرف نُور ہی تھا اس لیے اُسے تاریکی کا کیسے پتہ چلتا؟ وہ تاریکی کے نظریے کو کیسے جان یا سمجھ سکتا تھا؟ جب ابتدائی طور پر لوسیفر نے اپنے دل میں بدی کو بڑھنے کا موقع دیا تو اُس کا مقصد قتل کرنا اور تباہ کرنا اور دھوکا دینا ہرگز نہیں تھا! اُس نے تو صرف یہی سوچا تھا ''مَیں نیک ہوں، عقلمند ہوں اور مجھ میں سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔مَیں ہمیشہ خدا کی مرضی کے مطابق ہی سب کچھ نہیں کرنا چاہتا'' اُس نے محض یہ فیصلہ کیا کہ وہ خدا پر انحصار کیے بغیر ہی رہنا چاہتا ہے کیونکہ اُس میں اتنی سمجھ بوجھ ہے کہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرسکتا ہے۔

مگر جس دل میں خدا کو قدر نہ ملے وہ وہاں بالکل نہیں رہتا۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ جونہی لوسیفر نے اپنا باس (Boss) خود بننے اور اپنی من مرضی کرنے والا بننے کا فیصلہ

کیا تو اُس کی حالت تبدیل ہوگئی۔ جوازل سے بہت اچھا تھا، جو نیکی سے معمور تھا وہ مکمل طور پر بُرا بن گیا۔ جونہی خدا نے اُسے چھوڑا تو وہ فوراً مکمل طور پر بُرا بن گیا۔ اُس نے ماضی کی طرح اپنی کارکردگی کو جاری رکھنے کی کوشش کی ہوگی مگر اُس میں تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ وہ بیج بویا جا چکا تھا اور آج اُس بیج کی جڑیں ہر چیز میں پھیل چکی ہیں۔ جب لوسیفر نے خود کو خدا سے جدا کیا تو تب سے لے کر آج کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اُس وقت اُس کے دل میں موجود تھا۔ خدا کے سوا کوئی بھی نیک نہیں ہے۔ جب ہم خود کو خدا کے نُور سے جُدا کر لیتے ہیں تو ہمارے دل میں تاریکی کے سوا کچھ نہیں رہتا۔

گناہ کا دروازہ

آیئے اب ایسی بات پر غور کرتے ہیں جس کی مدد سے ہم اِسے مزید بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ جب خدا نے کائنات کو خلق کیا تو وہ ہر سمت ربورٹس ہی تخلیق کر سکتا تھا۔ یوں کہنے سے میری مُراد یہ ہے کہ وہ ایسی مخلوق بنا سکتا تھا جس کے پاس چناؤ کا حق بالکل نہ ہوتا، یعنی ایسی مخلوق جو صرف اُسی کی مرضی پر چل سکتی اور اِس مخلوق کے پاس ایسا کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ وہ ربورٹس خلق کر سکتا تھا یا وہ ایسی مخلوق خلق کر سکتا تھا جس کے پاس اپنی مرضی اور چناؤ کا حق ہو۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ خدا نے ایسی مخلوق تخلیق کی جنہیں مرضی کا حق حاصل ہے۔

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ چناؤ کا یہ حق ایسی چیز ہے جسے کبھی بھی چھینا نہیں جا سکتا۔ آزاد مرضی ہمیشہ برقرار رہتی ہے اور کائنات میں اِسی کی وجہ سے گناہ متعارف ہوا۔ آزاد مرضی خلق کرتے ہوئے خدا نے بہت بڑا خطرہ مول لے لیا۔ خدا نے ایسا خطرہ مول لیا جسے کسی دن کوئی استعمال کرتے ہوئے اُس کے خلاف یا خدا کے مرضی سے خود کو آزاد کرنے کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ مگر خدا کی یہ خواہش تھی کہ جو آزاد مرضی خدا نے اپنی مخلوق کو عطا کی ہے اُسے اُسکی مخلوق رضا کارانہ اور اپنی مرضی سے خدا کے ماتحت کرے۔ مخلوقات میں سے جو بھی خدا سے محبت کرنے کا انتخاب کرتا ہے وہ خدا کی مرضی کو بجالانے اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے کوشش کرے گا۔ یہ سلسلہ سینکڑوں یا ہزاروں یا لاکھوں سالوں تک چلتا رہا۔ ہمیں نہیں پتہ کہ یہ سلسلہ کب تک جاری وساری رہا اور پھر بالآخر ایک ہستی نے اس آزاد مرضی کو استعمال کرتے ہوئے خود کو خدا کی مرضی سے آزاد کرنا چاہا۔ یہی تو ایسا گمراہ کُن انتخاب تھا جس کے ذریعے گناہ کا آغاز ہوا۔

جب ہم اس بات پر مزید غور کرتے ہیں تو ہمارے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیا کبھی گناہ کا خاتمہ

ہوگا؟ کیا ہم کسی ایسی چیز کا خاتمہ کر سکتے ہیں جس کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے؟ اگر گناہ کا اپنا کوئی وجود ہوتا یعنی اگر یہ کسی ٹھوس چیز سے بنا ہوتا تو پھر اِسے اُکھاڑا اور تباہ کیا جا سکتا۔ لیکن چونکہ گناہ کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا اور اِسے چھوا نہیں جا سکتا اس لیے اِسے تباہ نہیں کیا جا سکتا۔ گناہ کی موت بھڑ کے چھتے کو آگ سے جلانے کے مترادف نہیں ہے؛ یہ انسانی بدن سے کینسر کو اُکھاڑ پھینکنے جیسی نہیں ہے۔ گناہ ایسی چیز نہیں ہے جِسے آپ پکڑیں اور اِس کا گلا گھونٹ سکیں۔ اس کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا۔

کیا ایسی کائنات ہو سکتی ہے جہاں گناہ کا نام و نشان ہی نہ ہوگا؟ اس کا جواب ہے، بے شک ایسا ہوگا۔ ایسی کائنات ہوگی جہاں کائنات کی ہر مخلوق کی آزاد مرضی کی بدولت گناہ دوبارہ ظاہر نہ ہوگا۔ ایسا کائنات کی مخلوق کی مرضی کی بدولت ہوگا۔ بے شک چناؤ کا حق ہمیشہ موجود رہے گا لیکن کوئی بھی اپنے اس حق کو منفی طریقے سے استعمال نہیں کرے گا۔ بلکہ آزاد مرضی ہمیشہ سے موجود رہے گی کیونکہ آزاد مرضی ہمیشہ رہے گی۔ لیکن بائبل مقدس میں ناحوم 9:1 میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کی کوئی مخلوق پھر کبھی گناہ نہیں کرے گی۔

''تُم خُداوند کے خِلاف کیا منصُوبہ باندھتے ہو؟ وہ بالکُل نابُود کر ڈالے گا۔ عذاب دوبارہ نہ آئے گا۔'' (ناحُوم 9:1)

گناہ نہیں بلکہ خدا کا سبب

گناہ کے مسئلے کو سمجھنے اور اِس کا حل تلاش کرنے کے لیے ہمیں گناہ کو کوئی چیز نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اس کے اسباب کیا ہیں۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اپنے گناہ سے کیسے چھٹکارا پایا جائے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ راستبازی کیسے حاصل کی جائے۔ ہم ایسی کسی چیز سے چھٹکارا نہیں پا سکتے جس کا شخصی وجود ہی نہ ہو۔ ہم صرف گناہ سے نبرد آزما نہیں ہو سکتے کیونکہ اصل مسئلہ یہ نہیں ہے۔ نُور اور راستبازی کی عدم موجودگی اصل مسئلہ ہے۔ جہاں نیکی ہوتی ہے وہاں بدی نہیں ٹھہر سکتی۔

خدا کا اختیار رد کر دیا گیا

جب ہم آدم کی کہانی پر غور کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ جب اُس نے گناہ کیا تو اُس کے ساتھ کیا ہوا تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مسئلہ اُس کے دماغ سے شروع ہوا۔ بعض اوقات ہم یہ کہتے ہیں کہ جب آدم اور حوا نے گناہ کیا تو اُنہوں نے شیطان کی فرمانبرداری کی۔ لیکن آیئے اس سارے منظر کا قریب سے جائزہ لیتے ہیں۔ خدا نے فرمایا ''پھل

نہ کھانا''۔شیطان نے کہا''پھل کھاؤ''۔مگر کس نے فیصلہ کیا؟ پہلے حوا نے فیصلے کیا۔اس سے پہلے کہ وہ یہ فیصلہ کرتی اُس نے خدا اور شیطان دونوں کی باتوں کا جائزہ لیا تب اُس نے فیصلہ کیا۔ بالآخر اُس نے اپنی سوچ پر بھروسہ کیا۔ایسا پہلی مرتبہ ہوا کہ اُس کی زندگی میں سے خدا کا اختیار ختم ہوگیا۔ بلکہ جب حوا نے خدا پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی سوچ پر بھروسہ کیا تو اُس نے خود کو بااختیار بنالیا۔

یہی وہ لمحہ تھا جب یہ سارا معاملہ وقوع پذیر ہوا۔ جب آدم اور حوا نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ خدا کی بجائے اپنی من مرضی کریں گے تو وہ فوری طور پر خدا سے جُدا اور رُوحانی طور پر مردہ ہوگئے۔تب وہ بدی کرنے کے لائق ہوگئے۔اُن میں فوری طور پر تبدیلی کے نشانات ظاہر ہونے شروع ہوگئے۔ وہ خدا سے خوفزدہ ہوگئے اور خود کو ننگے محسوس کرنے لگے۔ جب خدا ظاہر ہوا تو آدم جو کہ حوا سے محبت کرتا تھا اور اُس کی خوشی چاہتا تھا اُس نے اِس پر الزام تراشی شروع کردی۔ جو حوا کے بارے میں ہمیشہ اچھا ہی سوچا کرتا تھا وہ اچانک سے اتنا خوفزدہ ہوگیا کہ وہ صرف اپنے بارے میں ہی سوچنا شروع کردیتا ہے۔اُسے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ حوا پر اپنے ہی گناہ کی وجہ سے موت آنے والی ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ اُس پر الزام تراشی کرتا رہا! جب کہ یہ موت اُس پر فوراً آ گئی!

ہم اپنے طور پر کبھی بھی اچھے نہیں ہوتے! ہم اچھا ہونا نہیں سیکھتے، اچھا بننے کے لیے ہماری تربیت نہیں کی جاتی، ہم اچھی مخلوق میں تبدیل نہیں ہوتے۔نیکی خدا کی طرف سے تحفہ ہوتی ہے اور اگر ہم اِسے خدا کی طرف سے حاصل نہیں کرتے تو یہ ہمیں بالکل بھی حاصل نہیں ہوتی۔اگر ہم اچھا ہونا سیکھ سکتے تو ہم خدا بننا بھی سیکھ سکتے! لیکن چونکہ صرف خدا ہی اچھا ہے اس لیے ہم کیسے اچھا بننا سیکھ سکتے ہیں؟

خودغرضی کی دُنیا

جب آدم نے پھل لیا تو وہ فوری طور پر خودغرض بن گیا۔خودغرضی گنہگارانہ زندگی کی رُوحِ رواں ہوتی ہے۔یہی تو گنہگار دُنیا اور گنہگاروں کی رُوحِ رواں ہوتی ہے۔ہم خودغرضی کی دُنیا میں رہنا شروع کردیتے ہیں۔اس قسم کی خودغرضانہ زندگی میں ہم صرف گناہ ہی کرسکتے ہیں۔ایسی خودغرضانہ زندگی میں ہم خدا کی مرضی کے خلاف ہی کچھ کرسکتے ہیں۔ جب آدم اور حوا خدا سے دُور ہوگئے تو وہ اس دنیا کے ہر انسان کی مانند زندگی گزارنے لگے جب تک کہ وہ خدا کے ساتھ اپنا رابطہ قائم نہیں کرلیتے۔

لہٰذا جب ہم گناہ کے مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں اور اس کو گہرائی سے جانچتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ گناہ کے چار

مراحل ہیں۔ گناہ کی ترتیب ایسی ہوتی ہے اور ان چاروں مراحل میں سے ہر ایک مرحلہ ''گناہ'' کہلاتا ہے۔

1۔ پہلی بات خدا پر شک یا بے ایمانی۔

2۔ اس سے خدا کے ساتھ قائم شدہ تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔

3۔ اس کے ذریعے خودغرض، نفسانی فطرت جنم لیتی ہے۔

4۔ اور اس کے نتیجے میں شریعت کو توڑنے والا رویہ پیدا ہوتا ہے۔

جب لوگ ''گناہ'' کی بات کرتے ہیں تو زیادہ تر وہ اس کے چوتھے مرحلے پر ہی توجہ دیتے ہیں جو کہ شریعت کو توڑنا ہے۔ عموماً اسے ہی گناہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ بہرحال ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت کو توڑنے سے کافی دیر پہلے ہی گناہ کا آغاز ہو چکا ہوتا ہے۔ اس کا آغاز خدا پر شک کرنے سے ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں خدا سے جدائی اور بُرے کاموں کی وجہ سے ہمارا خدا کے ساتھ رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم گناہ سے نبرد آزما ہونا چاہتے ہیں تو ہمیں اِس کی جڑ، آغاز پر غور کرنا پڑے گا یعنی یہ کہاں سے شروع ہوا۔ شریعت کو توڑنے والے رویے سے اِسے جاننے کی کوشش کرنا بے وقوفی ہے اور ہم دیکھ سکتے ہیں کہ اِس طریقہ کار سے مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

کام یا فطرت؟

بے شمار لوگ ایسے بھی ہیں جو محض دس احکام پر مبنی زندگی کو ہی راستباز سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص مسیحی بنتا ہے اور یوں سوچتا ہے ''اب مَیں مسیحی ہوں اس لیے مجھے باقاعدگی سے چرچ جانا چاہیے۔ مجھے سگریٹ نوشی اور شراب نوشی کو ترک کر دینا چاہیے، جھوٹ نہیں بولنا چاہیے، اور زنا کاری یا فحاشی نہیں کرنی چاہیے۔'' مگر اس کے علاوہ وہ اپنی زندگی کے تمام امور یعنی وہ اپنا روپیہ پیسہ کیسے استعمال کرتا ہے، ایسے تمام معاملات میں وہ اپنی ہی من مرضی کرتا ہے۔ ''یہ میرا پیسہ، میری کار، میرا گھر اور یہ تمام چیزیں میری ہیں۔ مَیں خدا کے احکام مان رہا ہوں اس لیے مَیں اپنا فرض پورا کر رہا ہوں۔'' بے شمار لوگوں میں اس قسم کی راستباز زندگی دکھائی دیتی ہے مگر یہ غلط قسم کی سوچ ہے۔

راستبازی محض اچھے اعمال سرانجام دینے تک ہی محدود نہیں ہوتی۔ راستباز زندگی میں محض اعمال ہی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ اس میں مکمل تبدیلی اہم ہوتی ہے یعنی اس کا تعلق مکمل طور پر اندرونی زندگی سے ہوتا ہے۔ اس کا تعلق محض شریعت کا احترام کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ ہماری زندگی کی ہر چیز سے اس کا تعلق بنتا ہے۔ ہم خود کو مکمل طور پر خدا کی ملکیت بنانے کا انتخاب کرتے ہیں۔

جب ہم حقیقی طور پر راستباز ہوتے ہیں تو ہم مکمل طور پر خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔ جیسے کہ رومیوں 10:3 میں مسیح کے متعلق یوں بیان ہوا ہے:

''کیونکہ مسیح جو مُوا گُناہ کے اِختیار سے ایک بار مُوا مگر اب جو جیتا ہے تو خُدا کے اعتبار سے جیتا ہے'' (رُومیوں 10:6)

ہمیں مسیح کی جیتی جاگتی زندگی گزارنی ہے اور ہمیں ایسی زندگی بسر کرنی ہے جو محض احکام ماننے سے بڑھ کر ہو۔ اس میں سب کچھ شامل ہوتا ہے، ہمارا کھانا پینا، ہمارا ہیئر سٹائل، ہمارا لباس، دوستوں کے ساتھ ہمارا رویہ، لوگوں کی پیٹھ پیچھے کی گئی بات چیت، اس میں یہ تمام باتیں شامل ہوتی ہیں کیونکہ ہماری زندگی مسیح کی زندگی بننی چاہیے۔

عالمِ بالا کی چیزوں کے خیال میں رہو نہ کہ زمین پر کی چیزوں کے۔ کیونکہ تُم مر گئے اور تُمہاری زِندگی مسیح کے ساتھ خُدا میں پوشیدہ ہے۔ جب مسیح جو ہماری زندگی ہے ظاہر کِیا جائے گا تو تُم بھی اُس کے ساتھ جلال میں ظاہر کئے جاؤ گے'' (کُلسیوں 3:2-4)

''اور وہ گواہی یہ ہے کہ خُدا نے ہمیں ہمیشہ کی زِندگی بخشی اور یہ زِندگی اُس کے بیٹے میں ہے'' (1 یُوحنا 11:5)

ہمیں ایسی ہی زندگی ملی ہے۔ یسوع اس لیے آیا تا کہ ہم زندگی پائیں اور کثرت کی زندگی پائیں۔ اُس نے محض ہماری زندگی کے کچھ معاملات میں تبدیلی پیدا نہیں کی بلکہ وہ ہماری زندگی کے تمام معاملات میں تبدیلی پیدا کرتا ہے۔

''اِس لئے اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نیا مخلُوق ہے۔ پُرانی چیزیں جاتی رہیں۔ دیکھو وہ نئی ہوگئیں'' (2 کرنتھیوں 17:5)

مسیح کی راستبازی حاصل کرنے کا یہی مطلب ہے۔ اور خدا ہمیں یہی دینا چاہتا ہے۔

باب نمبر2

راستبازی کی فطرت

بائبل مقدس میں پائی جانے والی سخت ترین باتوں میں سے کچھ یسوع کی طرف ہیں اور اُن میں سے چند ایک متی 5 باب میں موجود ہیں۔ متی 20:5 میں یوں مرقوم ہے،

''کیونکہ میں تُم سے کہتا ہُوں کہ اگر تُمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تُم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخِل نہ ہوگے'' (متی 20:5)

اتنی اچھائی کافی نہیں ہے

آیئے غور کرتے ہیں کہ فریسی لوگ کس قسم کی زندگی گزارتے تھے۔ وہ دھنیے، پودینے اور سونف پر دہ یکی دیتے تھے، وہ ہفتے میں دو مرتبہ روزہ رکھتے تھے، وہ باقاعدگی سے دُعا کیا کرتے تھے، اور غریبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ اگر آپ ظاہری راستبازی والی زندگیوں پر مبنی لوگوں کو دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ فریسیوں کی زندگیوں کا جائزہ لیں۔ جب یسوع آیا تو اُس نے یوں کہا ''اگر تُمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں کی راستبازی سے زیادہ نہ ہوگی تو تُم آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخِل نہ ہوگے۔'' وہاں پر موجود لوگ شاید یوں سوچ رہے ہوں گے کہ ''یہ تو بڑی سخت بات ہے، مگر ہم اور کیا کریں؟ کیا ہمیں اور بھی زیادہ محنت کرنی پڑے گی!''

یسوع مزید یوں فرماتا ہے کہ قاتل صرف وہی شخص نہیں ہوتا جو کسی کی زندگی کو ختم کرتا ہے بلکہ جو شخص بلاوجہ اپنے بھائی سے عداوت رکھتا ہے وہ بھی قاتل ہوتا ہے۔ زنا کار صرف وہی شخص نہیں ہوتا جو کسی نامحرم عورت کے ساتھ ہم بستری کرتا ہے بلکہ جو شخص غلط سوچ یا بُری نیت سے کسی عورت کو دیکھتا ہے وہ بھی زنا کار ہوتا ہے۔ بہت سی کلیسیاؤں میں اِس قسم کی سوچ والے لوگ موجود ہوتے ہیں اور اُنہیں سمجھا جاتا ہے کہ یہ آسمان کی بادشاہی کے لائق نہیں ہیں مگر اِن کے بارے میں اُمید کی جاتی ہے کہ اُن پر سخت محنت اور اچھی تربیت کرنے اور اُن کی سوچوں کی اصلاح کرتے ہوئے کسی نہ کسی دن اُن کی سوچیں ٹھیک ہو جائیں گی اور یوں وہ آسمان کی بادشاہی کے لائق ٹھہریں گے۔

مگر غور کریں کہ یسوع نے اس باب کے اختتام میں کیا فرمایا ہے، وہ تو مزید سخت باتیں کرتا ہے۔ آیت

نمبر48میں وہ یوں فرماتا ہے،

''پس چاہئے کہ تُم کامِل ہوجیسا تُمہارا آسمانی باپ کامِل ہے''(متی48:5)

جب آپ کواس قسم کی بات سُننے کو ملے تو آپ کیا کریں گے؟ کچھ لوگ اپنے ہاتھ کھڑے کردیتے ہیں اور پس ہمت ہوجاتے ہیں۔مگراوسطاً مسیحی لوگ یوں کہتے ہیں''ہمیں مزید کوشش کرنی چاہیے۔خدا کی مانند کامل بننے کے لیے ہمیں اورزیادہ کوشش کرنی چاہیے۔''

حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے بے شمار لوگ اپنی اصلاح کرتے ہوئے خدا کوخوش کرنے والی ایسی بھرپور کوششیں کرتے ہیں وہ مکمل طور پرمخلص ہوتے ہیں۔اپنے خیال میں وہ حقیقی طور پروہی کچھ کررہے ہوتے ہیں جوخدا اُن سے چاہتا ہے۔ایسا ہرگزنہیں ہوتا ہے کہ اُنہیں اپنی اصلاح کرنے سے خوشی حاصل ہوتی ہے بلکہ وہ راستبازی کی فطرت اور اِس کے حصول کے بارے میں حقیقی طور پرلاعلم ہوتے ہیں۔ایسا سمجھنا ہمارے لیے بڑی اہم بات ہے کیونکہ اگرہم اِسے بہتر طور پر سمجھ نہ سکیں گےتو ہم اپنی بھرپور کوششیں جاری رکھیں گےاور بالآخرہمیں پتہ چلے گا کہ یہ ساری کاوشیں فضول تھیں۔

اس مسئلے کوسمجھنے کے لیے آیئے اس سوال پرغورکرتے ہیں''راستبازی کیا ہے؟''ہم اِس کی وضاحت کیسے کریں گے؟اس کی مشہورومعروف تعریف یہ ہے''راستبازی کا مطلب راست کام کرنا ہے۔''بہت سے مسیحی یہ محسوس کرتے ہیں کہ راستبازی کی یہ تعریف بالکل موزوں ہے کیونکہ بائبل مقدس میں 1یوحنا3:4میں بھی یوں مرقوم ہے،

''جوکوئی گُناہ کرتا ہے وہ شرع کی مُخالفت کرتا ہےاورگُناہ شرع کی مُخالفت ہی ہے''(1یُوحنا3:4)

یوں یہ مسئلہ بڑا آسان دکھائی دیتا ہے۔ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ اگرگناہ شرع کی مخالفت ہے تو بیشک راستبازی بھی گناہ کی مخالف ہی ہے،لہٰذا شریعت کی تعمیل کی جانی چاہیے۔ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گناہ سے باز رہنے کے لیے ہمیں شریعت کی پاسداری کرنی چاہیےاورراستبازی حاصل کرنے کے لیے بھی ہمیں شریعت کی پاسداری کرنی چاہیے۔

ظاہری طور پر یہ جواز تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ بالکل دُرست اورحقیقت دکھائی دیتا ہے، یہ ایسا بنیادی اُصول ہے جس پر ہرغیرمسیحی مذہب کی بنیاد قائم ہے(اگرچہ اُن میں مختلف اُصول اپنائے جاتے ہیں)۔افسوسناک بات یہ ہے کہ مسیحی اس قدرغلط فہمی کا شکار ہوچکے ہیں اورانجیل کے اُصولوں کواس قدر بھلا چکے ہیں کہ وہ بھی نجات حاصل کرنے کے لیے غیرمذاہب کےلوگوں کی فلاسفی کواپنائے ہوئے ہیں۔اس فلاسفی کے پیچھے بنیادی بات یہ ہے کہ نجات پانے یانجات نہ پانے کا انحصار ہمارے اعمال پر ہےیعنی اس کا انحصار ہماری وفاداری پر ہوتا ہے۔

شریعت میں راستبازی

بیشک جب ہم گناہ اور راستبازی کی وضاحت اپنے اعمال کے حوالے سے کرتے ہیں تو پھر ہمارا بنیادی نقطہ یہ ہونا چاہیے کہ شریعت خدا کا ایسا معیار ہے جس کے ذریعے وہ ہم پر اچھائی اور بُرائی میں فرق واضح کرتا ہے۔ لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ بائبل مقدس میں گلتیوں 3:11، 12 میں کیا فرمایا گیا ہے:

''اور یہ بات ظاہر ہے کہ شریعت کے وسیلہ سے کوئی شخص خُدا کے نزدیک راست باز نہیں ٹھہرتا کیونکہ لِکھا ہے کہ راست باز ایمان سے جیتا رہے گا۔ اور شریعت کو ایمان سے کُچھ واسطہ نہیں بلکہ لِکھا ہے کہ جس نے اِن پر عمل کیا وہ ان کے سبب سے جیتا رہے گا'' (گلتیوں 3:11-12)

راستباز کیسے جیتا رہے گا؟ اوپر کے حوالے میں بیان ہوا کہ راستباز ایمان سے جیتا رہے گا، مگر شریعت کو ایمان سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ بے شک راستباز شریعت کے وسیلے جیتا نہیں رہ سکتا۔ اگر ہم شریعت کی تابعداری کی بنا پر راستبازی کی تلاش کر رہے ہیں تو ہم اِسے کبھی بھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ آیت نمبر 21 میں یوں مرقوم ہے،

''پس کیا شریعت خُدا کے وعدوں کے خلاف ہے؟ ہرگز نہیں! کیونکہ اگر کوئی ایسی شریعت دی جاتی جو زندگی بخش سکتی تو البتہ راست بازی شریعت کے سبب سے ہوتی'' (گلتیوں 3:21)

ان آیات میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو خدا شریعت کے ذریعے راستبازی کو یقینی بناتا۔ مگر ایسا ناممکن ہے اور یوں ہم شریعت کے ذریعے راستبازی حاصل نہیں کر سکتے۔ بہت سے مسیحی لوگ اپنے مذہبی تجربے اور خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو شریعت کی روشنی سے دیکھتے ہیں۔ اگر وہ شریعت کے اُصولوں پر پورا اُترنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم خدا کی نگاہ میں اچھے ہیں لیکن اگر وہ اِن اُصولوں پر پورا اُترنے میں ناکام ہو جاتے ہیں تو وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم خدا سے دُور ہیں اور خدا کی نگاہ میں مقبول ٹھہرنے کے لیے ہمیں اِن اُصولوں کی تابعداری کرنی پڑے گی۔ ایسی بنیاد پر بھروسہ کرنے سے اُنہیں کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ شریعت کے اعمال کی بدولت کوئی بھی انسان راستباز نہیں ٹھہر سکتا۔ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے ہم راستبازی حاصل نہیں کر سکتے۔

شریعت کے بغیر

رومیوں 3:21 کے حوالے میں اس بات پر مزید زور دیا گیا ہے:

''مگر اب شریعت کے بغیر خُدا کی ایک راست بازی ظاہر ہوئی ہے جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے

ہوتی ہے‘‘(رومیوں21:3)

غور کریں کہ اس حوالے میں کیا کہا گیا ہے۔اس میں خدا کی راستبازی کی بات ہو رہی ہے اور اس میں یوں کہا گیا ہے کہ ’شریعت کے بغیر‘۔ یہ بڑا حیران کُن جملہ ہے۔ جب پولس رسول ’شریعت کے بغیر‘ کہتا ہے تو اس سے اُس کا کیا مطلب ہے؟ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ راستبازی کا وجود ہے لیکن اِسے حاصل کرنے کا تعلق شریعت سے بالکل نہیں ہے۔ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ اِس راستبازی کو خدا کی راستبازی کہا گیا ہے۔لیکن اگر یہ ’شریعت کے بغیر‘ ہے تو پھر اِس کا حصول شریعت کی پاسداری کرنے یا شریعت سے تعلق رکھنے سے بالکل نہیں بنتا۔اس کا انحصار ہمارے اچھے یا بُرے اعمال پر نہیں ہوسکتا۔یہی خیال آیت نمبر22 میں مزید بیان کیا جاتا ہے۔

’’یعنی خُدا کی وہ راست بازی جو یسُوع مسیح پر ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصِل ہوتی ہے کیونکہ کُچھ فرق نہیں‘‘(رُومیوں22:3)

دوطرح کی راستبازی

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ بائبل مقدس دوطرح کی راستبازی کا آپس میں موازنہ کرتی ہے۔شریعت کی راستبازی اور خدا کی راستبازی جو کہ شریعت کے بغیر ہے۔یہ بات ہمارے لیے غور طلب ہے کہ ایسی راستبازی بھی ہے جس کا شریعت سے بالکل تعلق نہیں ہے۔ایسی راستبازی کو خدا کی راستبازی کہا گیا ہے۔اب شریعت کی راستبازی یوں کہتی ہے کہ ’’جس نے اِن پر عمل کیا وہ اِن کے سبب سے جیتا رہے گا‘‘(گلتیوں12:3)۔مگر خدا کی راستبازی کیا کہتی ہے؟ آیت نمبر22 میں یوں کہا گیا ہے کہ یہ ’’یسُوع مسیح پر اِیمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصِل ہوتی ہے‘‘۔غور کریں کہ ایک قسم کی راستبازی اعمال کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ شریعت کی راستبازی ہے۔ جبکہ دوسری راستبازی ایمان لانے کا مطالبہ کرتی ہے یہ خدا کی راستبازی ہے۔

ابرہام کے تجربے سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے۔رومیوں3:4 میں ہم یوں پڑھتے ہیں،

’’کِتابِ مُقدس کیا کہتی ہے؟ یہ کہ ابرہام خُدا پر ایمان لایا اور یہ اُس کے لئے راستبازی گِنا گیا‘‘

(رومیوں3:4)

کیا ہی حیران کُن بات ہے! ہر کسی کی مانند ابرہام بھی راستبازی کا طلبگار تھا۔بائبل مقدس میں بیان ہوا ہے کہ وہ خدا پر ایمان لایا۔اُس نے کیا کیا؟ اُس کے دماغ میں تبدیلی ہوئی، خدا کے بارے میں اُس کا رویہ تبدیل ہوا اور

جب ایسا ہوا تو فوری طور پر خدا نے اِسے اُس کے لیے راستبازی گِنا۔ جس کے لیے لوگ انتہائی تگ و دو کر رہے ہیں اُسے فوری طور پر حاصل ہوگئی اور اُس نے اِسے صرف ایمان رکھنے کے سبب سے ہی حاصل کیا۔

پولس رسول راستبازی کے طریقہ کار کو مکمل طور پر سمجھ گیا اور اُس نے فلپیوں 3:6-9 میں اپنی گواہی کو بیان کیا۔ اُس نے یوں لکھا،

''جوش کے اِعتبار سے کلیسیا کا ستانے والا۔ شریعت کی راست بازی کے اِعتبار سے بے عیب تھا۔ لیکن جتنی چیزیں میرے نفع کی تھیں اُن ہی کو میں نے مسیح کی خاطِر نُقصان سمجھ لیا ہے۔ بلکہ میں اپنے خُداوند مسیح یسُوع کی پہچان کی بڑی خُوبی کے سبب سے سب چیزوں کو نُقصان سمجھتا ہُوں۔ جس کی خاطر میں نے سب چیزوں کا نُقصان اُٹھایا اور اُن کو کُوڑا سمجھتا ہُوں تا کہ مسیح کو حاصِل کرُوں۔ اور اُس میں پایا جاؤں۔ نہ اپنی اُس راست بازی کے ساتھ جو شریعت کی طرف سے ہے بلکہ اُس راست بازی کے ساتھ جو مسیح پر ایمان لانے کے سبب سے ہے اور خُدا کی طرف سے ایمان پر مِلتی ہے'' (فلپیوں 3:6-9)

یہاں پر اُس نے اپنے تمام کاموں، شریعت کو وفاداری سے ماننے اور اپنی اُس نسل کا ذکر کیا ہے جس کی بدولت وہ بنی اسرائیل میں شریعت کی بہتر طور پر پیروی کرنے والا بن سکا۔ اُس کے اردگرد کے لوگ اُسے یہودیوں میں سے سب سے زیادہ راستباز سمجھتے تھے۔ وہ ان باتوں کو ''شریعت کی راست بازی'' کہتا ہے۔ لیکن پھر وہ یوں کہتا ہے کہ مَیں نے ان سب چیزوں کو نقصان بلکہ کوڑا سمجھا تا کہ ''مسیح کی راستبازی کو حاصل'' کرسکوں اور وہ اپنی بات کا اختتام یہ بیان کرتے ہوئے کرتا ہے کہ اُس نے اِسے ''ایمان'' کے ذریعے حاصل کیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ایسی راستبازی بھی ہے جس کا انحصار شریعت کی پاسداری کرنے پر نہیں ہے اور یہی ایسی راستبازی ہے جو فائدہ مند ہے۔

آیئے اب غور کرتے ہیں کہ چونکہ خود خدا کامل اور راستباز ہے اس لیے وہ صرف ایسی ہی راستبازی تسلیم کرتا ہے جو کامل راستبازی ہو۔ اس سے کمتر کسی بات کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے سمجھوتہ کرلیا ہے اور چونکہ وہ کامل ہے اس لیے وہ سمجھوتہ نہیں کرسکتا ہے۔ وہ صرف کامل راستبازی ہی تسلیم کرسکتا ہے۔

چونکہ وہ کامل راستبازی چاہتا ہے اس لیے یہ بات تو واضح ہے کہ راستبازی صرف خدا سے ہی صادر ہوسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے کاموں کے ذریعے راستبازی کے حصول کی کوشش کر رہے ہیں وہ اپنی کوششوں کے ذریعے خدا کی مانند بننا چاہتے ہیں! ایسے رویے کو محض ''بے وقوفانہ'' رویہ ہی کہا جاسکتا ہے۔ یہ اُس بیچارے گنہگار کا بے

وقوفانہ رویہ ہے جو اپنی کاوشوں سے قادرِ مطلق کی مانند زندگی تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اسی طریقے سے ہم میں سے زیادہ تر لوگ اُلجھن کا شکار ہو جاتے ہیں۔

غلط راستے میں خطرہ

جو کوئی بھی راستبازی حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے اِس کے حصول کے لیے خدا سے دُعا مانگنی چاہیے۔ ہم اِسے خدا سے بطورِ تحفہ ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی اِسے کسی اور طریقے سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو ایسا کرتے ہوئے وہ اُکتاہٹ کا شکار ہو جائے گا اور اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ یہودی قوم نے بھی یہی کچھ کیا تھا۔ رومیوں 9:30-32 میں یوں درج ہے،

''پس ہم کیا کہیں؟ یہ کہ غیر قوموں نے جو راست بازی کی تلاش نہ کرتی تھیں راست بازی حاصِل کی یعنی وہ راست بازی جو ایمان سے ہے۔ مگر اِسرائیل جو راستبازی کی شریعت کی تلاش کرتا تھا اُس شریعت تک نہ پہنچا۔ کِس لئے؟ اِس لئے کہ اُنہوں نے ایمان سے نہیں بلکہ گویا اَعمال سے اُس کی تلاش کی۔ اُنہوں نے اُس ٹھوکر کھانے کے پتھر سے ٹھوکر کھائی'' (رومیوں 9:30-32)

بنی اسرائیل سے بڑھ کر اور کس قوم نے جستجو کی تھی؟ بائبل مقدس میں یوں مرقوم ہے کہ اُنہوں نے ''راستبازی کی شریعت کی تلاش'' کی۔ اِسی کے لیے وہ دِن اور رات کوشش کر رہے تھے مگر اِسے کبھی بھی حاصل نہ کر سکے۔

مگر اب یہاں پر غیر اقوام کی بات کرتے ہیں۔ کیا اُنہوں نے راست بازی کی تلاش کی؟ بالکل بھی نہیں، بلکہ اُنہوں نے خوشخبری سُنی اور پھر اُنہوں نے کیا کیا؟ وہ اِس پر ایمان لائے اور جس چیز کے حصول کے لیے یہودی اپنی بھرپور کوشش کر رہے تھے اِنہیں فوری طور پر مِل گئی۔ ایمان بلکہ ایمان ہی کی بدولت راست بازی کی برکت حاصل ہوتی ہے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ اگر ہم راستبازی کو غلط طریقے سے ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے تو اپنے تمام اچھے مقاصد کے ذریعے بھی ہم راستبازی کی تلاش نہیں کر سکیں گے اور یہودیوں کے تجربے سے ہمیں یہی بات سیکھنے کو ملتی ہے۔

تو پھر ہم کیا کہہ رہے ہیں؟ کیا شریعت خدا کی راستبازی کی مخالف ہے؟ کیا خدا کی راست بازی شریعت کے خلاف ہے؟ اگر شریعت مجھے راستباز بنانے سے قاصر ہے تو پھر یہ اہم کیوں ہے؟ اگر راست باز ٹھہرنے کے لیے مجھے اس کی ضرورت ہی نہیں ہے تو پھر یہ اتنی اہم کیوں ہے؟

خدا کا کردار ظاہر ہوا

خدا کے کردار کی عکاسی کرنے کے لیے دس احکام کو بیان کیا جاتا ہے۔ شاید یوں کہنا زیادہ بہتر ہوگا کہ وہ خدا کے کردار کا اظہار کرتے ہیں۔ باالفاظِ دیگر دس احکام ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ خدا کیسا ہے اور یہ انسان کے لیے خدا کی مرضی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن بے شک اگر خدا ہم سے یہی کچھ چاہتا ہے تو پھر یہ اس بات کا تاثر ہے کہ خدا کے دل میں کیا ہے۔ کوئی باوقار شخص ایسے اُصول ہی تجویز کرے گا جو اُس کی نظر میں اچھے اور بہتر ہوں گے۔ یہ بات تو سچ ہے کہ شریعت کبھی بھی خدا کی راست بازی کے خلاف نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر تو یہ حقیقی طور پر خدا کی خوبی، اُس کے کردار کی عکاسی کرتی ہے تو پھر یہ لازمی طور پر حقیقی راستبازی کی عکاسی یا خوبی کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ لہٰذا پولس ہمیں رومیوں 12:7 میں یوں کہتا ہے،

''پس شریعت پاک ہے اور حُکم بھی پاک اور راست اور اچھا ہے'' (رُومیوں 12:7)

مگر احکام اپنے طور پر راستبازی نہیں ہیں۔ اِن کے ذریعے راستبازی نہیں آتی یا پیدا نہیں ہوتی، یہ محض راستبازی کو بیان کرتے ہیں۔ جب خدا کوہ سینا پر اُترا اور اُس نے وہاں پر موسیٰ کو دس احکام عطا فرمائے تو اُس وقت فوری طور پر راستبازی معرضِ وجود میں نہ آئی بلکہ یہ تو محض ایسی چیز کا ایک تاثر تھی جو ازل سے موجود تھی۔ خدا نے صرف اپنا کردار ظاہر کیا اور اُس نے دس احکام کی صورت میں اِسے الفاظ کا روپ دے دیا۔

اگر ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں تو پھر ہم اس بات کو سمجھ پائیں گے کہ شریعت کیا ہے۔ ہم یہ سمجھ جائیں گے کہ دس احکام راست بازی کی وضاحت ہے۔ کیا وضاحت میں ہمیں راستبازی ملتی ہے؟ بالکل بھی نہیں! اگر ہم راست بازی چاہتے ہیں تو پھر ہمیں وضاحت سے کہیں آگے جانا پڑتا ہے۔

بے شمار مسیحی اسی نقطے پر اُلجھ جاتے ہیں۔ وہ ایسی شریعت کا سہارا لیتے ہیں جو محض راستبازی کی وضاحت کرتی ہے اور وہ اِسی شریعت میں راستبازی کو تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہم راستبازی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں راستبازی کے منبع کی طرف جانا چاہیے اور اِس پوری کائنات میں صرف ایک ہی ایسا منبع ہے۔

آیئے ایک مثال پر غور کرتے ہیں۔ میرے پاس میری بیوی کی تصویر ہے۔ اگر آپ اِس تصویر کو دیکھیں تو آپکو پتہ چلے گا کہ اُس کے بال کیسے ہیں، آپ اُس کی مسکراہٹ کے متعلق اپنی رائے دے سکیں گے، آپ اُس کے رنگ وروپ کو دیکھ سکیں گے اور محض اِس تصویر کی مدد سے آپ اُس کے بارے میں دیگر بہت ساری معلومات جان سکیں

گے۔آپ اِس تصویر کو دیکھ کر اُس کے بارے میں لوگوں کو بتا سکیں گے۔فرض کریں کہ مَیں جہاں بھی جاؤں اِس تصویر کو اپنے ساتھ لے جاؤں اور اِسے اپنے ساتھ رکھوں۔کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ میری بیوی میرے ساتھ ہے؟ بالکل بھی نہیں! یوں تو مَیں لوگوں کی نظر میں دیوانہ لگوں گا! یہ تصویر تو محض وضاحت کرتی ہے اور یہ محض یاددہانی کرواتی ہے۔مگر یہ محض ایک تصویر ہے اس سے میری ضرورت پوری نہیں ہوسکتی۔مجھے شخصی طور پر اپنی بیوی کی ضرورت پڑے گی۔

اس طرح سے اگر آپ راستبازی کے متلاشی ہیں تو پھر آپ کو شریعت یا کسی اور چیز میں پائی جانے والی اس وضاحت سے کہیں آگے بڑھنے کی ضرورت ہوگی، ورنہ آپ کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

صرف خدا ہی راستباز ہے

متی 19:16-17 میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے۔اس میں یوں مرقوم ہے،

''اور دیکھو ایک شخص نے پاس آ کر اُس سے کہا اَے اُستاد میں کون سی نیکی کرُوں تا کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں ؟ اُس نے اُس سے کہا کہ تُو مُجھ سے نیکی کی بابت کیوں پُوچھتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے لیکن اگر تُو زندگی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حُکموں پر عمل کر'' (متی 19:16-17)

آیت نمبر 17 میں بیان ہوا ہے کہ صرف خدا ہی نیک ہے۔یہ بات بالکل سچ ہے۔یہ بات بہت اہم ہے کہ ہم ایمان لائیں۔یسوع نے بذاتِ خود یہی کہا ہے۔چونکہ یہ بات سچ ہے تو پھر ایسے چند حقائق کونسے ہیں جو اس حقیقت پر مبنی ہیں؟ ایک بات یہ ہے کہ اس پوری کائنات میں اگر ہمیں کوئی نیک انسان ملتا ہے تو ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ خدا اس انسان میں موجود ہے۔ہمیں جہاں کہیں بھی کوئی نیک انسان ملتا ہے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اِس میں خدا کی زندگی موجود ہے۔جب ہم اس بات کو سمجھ جاتے ہیں تو پھر فوری طور پر ہمیں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ راستبازی کی تلاش میں ہمیں اپنا طریقہ کار تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مجھے راستباز بننا چاہیے بلکہ مَیں خدا کی زندگی کو کیسے پیدا کرسکتا ہوں؟ میرے لیے مسئلہ یہ ہے کہ مَیں خدا کی زندگی کو کیسے حاصل کرسکتا ہوں کیونکہ صرف خدا ہی نیک ہے۔لہٰذا ہم یہ دیکھتے ہیں کہ راستبازی ایک ہستی ہے اور یہ ہستی خدا ہی ہے۔بے شک ''اچھے اعمال'' بھی راستبازی ہی ہیں کیونکہ خدا ہمیشہ وہی کچھ کرتا ہے جو راست ہوتا ہے۔لیکن کیا ہم اپنے اعمال کی بدولت خدا کا کردار پیدا کرسکتے ہیں؟ کیا ہم اپنی کوششوں سے خدا جیسی راستبازی پیدا کرسکتے ہیں؟ ایسا ناممکن ہے۔صرف خدا ہی خدا ہوسکتا ہے! اُس کے نام کی تمجید کریں۔

سوال یہ ہے کہ خدا کیوں اچھائی کرتا ہے؟ وہ اپنی کائنات کی مخلوقات کے لیے بہترین کرنے میں ہی ہمیشہ سرگرم کیوں رہتا ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اُصول پسند ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اُسے ایسا کرنے کا کہیں سے حکم ملا ہوا ہے؟ ایسا سوچنا بڑا عجیب سا محسوس ہوتا ہے کہ چونکہ خدا کی شریعت میں یوں مرقوم ہے کہ ''تُو چوری نہ کرنا'' اس لیے خدا چوری نہیں کرتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اچھے کام کرنے کے لیے خدا کو کسی قسم کی شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اس لیے اچھے کام کرتا ہے کیونکہ اُس کی فطرت ہی اچھی ہے۔ وہ ایسا ہی ہے اور چونکہ وہ اچھا ہے اس لیے وہ بُرائی نہیں کرسکتا۔ بُرائی کرنے کا تصور بھی اُس کی فطرت کے مکمل طور پر برعکس ہے۔ اس لیے اگر خدا اچھا ہے اور خدا ہمارے اندر بسیرا کیے ہوئے ہے تو پھر اِس کے نتائج کیسے ہوں گے؟ تو ہم بھی اچھا رویہ ہی اپنائیں گے اور ہم ایسا اس لیے کریں گے کیونکہ خدا اپنی اچھی زندگی سمیت ہمارے اندر بسیرا کیے ہوئے ہے۔

کیا واقعی ایسا ہوتا ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی میرے اندر اس انداز سے رہ سکے کہ اُس کی فطرت میرے رویے میں ظاہر ہو؟ کیا میرے لیے ایسا ممکن ہے کہ مَیں اس طریقے سے زندگی گزار سکوں کہ مجھے اچھائی کرنے کے لیے کسی قسم کے اُصول درکار نہ ہوں؟ اس کا مطلب بالکل یہی ہے جب بائبل مقدس ہمیں یوں کہتی ہے کہ ہم بغیر شریعت خدا کی راستبازی حاصل کرسکتے ہیں۔ ہم خدا کی فطرت کو حاصل کرکے راستباز بن سکتے ہیں یعنی ایسی راستبازی جس کا انحصار راستبازی حاصل کرنے کی بجائے ایسی زندگی حاصل کرنے پر ہے جو شریعت کے ذریعے دیئے گئے قواعد وضوابط کی فرمانبرداری کرنے سے ملتی ہے۔

عارضی نہیں، متبادل

باب نمبر3

دو آدم

پولس رسول اکثر ایسا جملہ استعمال کرتا ہے جسے ہم اکثر غیر معمولی تصور کرتے ہیں یا جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے۔ وہ جملہ یہ ہے ''مسیح میں''۔ یہ جملہ پولس کی تحریروں میں کئی مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ بڑا اہم ہے۔ یہ جملہ زیادہ تر افسیوں اور کلسیوں کے نام لکھے گئے خطوط میں ملتا ہے۔ اس جملے کا کیا مطلب ہے اور یہ اتنا اہم کیوں ہے کہ ہمیں اِس کو سمجھنا چاہیے؟ افسیوں 1:3 میں یوں مرقوم ہے،

''ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کے خُدا اور باپ کی حمد ہو جس نے ہم کو مسیح میں آسمانی مقاموں پر ہر طرح کی رُوحانی برکت بخشی'' (اِفسیوں 1:3)

خدا نے ہمیں تمام رُوحانی برکات عطا کر دیں ہیں لیکن اس کی ایک شرط ہے۔ یہ برکات کہاں ہیں؟ یہ مسیح میں ہیں۔ یہ برکات صرف ایک ہی طریقے سے حاصل کی جاسکتی ہیں، جہاں یہ ہیں ہمیں بھی وہیں جانا پڑے گا۔ افسیوں 2:6 میں یوں لکھا ہے،

''اور مسیح یسُوع میں شامل کر کے اُس کے ساتھ جِلایا اور آسمانی مقاموں پر اُس کے ساتھ بٹھایا'' اِفسیوں 2:6

غور فرمائیں کہ پولس کا یہ جملہ کتنا اہم ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ دراصل ہم آسمانی مقاموں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم اپنے آپ پر نظر کرتے ہیں اور یوں کہتے ہیں ''یہ بات سچ نہیں ہے کیونکہ مَیں تو اس زمین پر بیٹھے ہوئے یہ کتاب پڑھ رہا ہوں۔'' لہٰذا یوں کہنے سے پولس کا کیا مطلب ہے؟ وہ اس حقیقت پر زور دے رہا ہے کہ مسیحیوں کی زندگیاں مسیح کی زندگی کے ساتھ ہی پیوست ہیں۔ جو زندگی میرے پاؤں کی انگلیوں میں ہے وہی زندگی میرے ہاتھوں کی اُنگلیوں میں بھی ہے اس لیے میرے پاؤں جہاں کہیں بھی جاتے ہیں میرے ہاتھ کی اُنگلیوں میں پائی جانے والی زندگی بھی وہیں جاتی ہے۔ یہی کچھ تو پولس بھی کہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ ''اگر مسیح تمہاری زندگی ہے تو جہاں مسیح ہے تُم بھی وہیں ہو۔'' 1 کرنتھیوں 15:45 میں ہمیں بڑا دلچسپ جملہ پڑھنے کو ملتا ہے:

''چُنانچہ لِکھا بھی ہے کہ پہلا آدمی یعنی آدم زِندہ نفس بنا۔ پچھلا آدمی زندگی بخشنے والی رُوح بنا'' (1 کرنتھیوں 15:45)

''مسیح میں'' ہونے کے مطلب کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیے پہلے نمبر پر ہمیں یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آدم میں ہونے کا کیا مطلب ہے۔ غور فرمائیں کہ مذکورہ آیت میں دو آدموں کا ذکر کیا گیا ہے، اس میں پہلے آدم اور پچھلے آدم کا ذکر ہوا ہے۔ بیشک پچھلا آدم مسیح ہے مگر سوال یہ ہے کہ یسوع کو پچھلا آدم کیوں کہا گیا ہے؟ اب ہم جانتے ہیں کہ آدم پہلا آدمی تھا، اُسے باغ میں رکھا گیا اور اُسے خوبصورت بیوی ملی۔ اِن میں سے کوئی بات بھی یسوع پر سچ ثابت نہیں ہوتی، اِسی وجہ سے اُسے ''پچھلا آدم'' کہا گیا ہے۔ اس میں خدا ہمیں کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہے۔ جب ہم آدم پر غور کرتے ہیں تو ہمیں آدم کے بارے میں کچھ ایسی بات جاننے کو ملتی ہے جس کے ذریعے ہم مسیح کے متعلق کچھ جان سکتے ہیں۔ رومیوں 5:14 میں پولس یوں فرماتا ہے:

''تو بھی آدم سے لے کر مُوسیٰ تک موت نے اُن پر بھی بادشاہی کی جنہوں نے اُس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آنے والے کا مثیل تھا گُناہ نہ کیا تھا'' (رُومیوں 5:14)

یہاں پر بیان ہوا ہے کہ آدم ''مسیح کا مثیل'' تھا۔ کسی طرح سے آدم اور مسیح میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ رومیوں 5:19 کے ذریعے ہمیں اس اہم بات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ کیوں یسوع کو پچھلے آدم کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یوں مرقوم ہے،

'' کیونکہ جس طرح ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گُنہگار ٹھہرے اُسی طرح ایک کی فرمانبرداری سے بہت سے لوگ راست باز ٹھہریں گے'' (رُومیوں 5:19)

اس آیت دوبارہ سے غور کریں یوں کہا گیا ہے کہ ''ایک ہی شخص کی نافرمانی سے بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے''۔ اس آیت میں یوں مرقوم نہیں کہ محض چند لوگ ہی گنہگار ٹھہرے، اس میں دو طرح کے لوگوں کا موازنہ کیا گیا ہے، ایک جانب تنہا شخص ہے اور دوسری جانب بہت سے لوگ ہیں۔ وہ تنہا شخص کون ہے؟ وہ تنہا شخص آدم ہے! اور وہ ''بہت سے لوگ'' کون ہیں؟ اس میں بقیہ تمام انسانیت شامل ہے۔

جب ایک شخص نے نافرمانی کی تو بہت سے لوگوں کے ساتھ کیا ہوا؟ وہ گنہگار ٹھہرے۔ وہ اپنے اعمال اور رویوں کی بدولت گنہگار نہیں ٹھہرے۔ بالکل بھی نہیں! بلکہ صرف ایک شخص کی نافرمانی کی بدولت بہت سے لوگ گنہگار ٹھہرے۔ بے شک یہ بات مُنصفانہ اور دُرست دکھائی نہیں دیتی مگر اس میں کسی طرح سے بھی انصاف کا کوئی معاملہ نہیں ہے، اس کائنات میں نتیجے کا یہی اُصول کارفرما ہے۔ ایک انسان کے چناؤ نے اُس کی پوری نسل کو متاثر کر دیا۔

سبھی آدم کے گناہ میں پیدا ہوئے۔

جب مَیں اور آپ پیدا ہوئے تو ہم اپنے گناہ کی وجہ سے گنہگار نہیں تھے بلکہ گناہ ہمیں ورثے میں ملا ہے اور ہمیں اِس سے نبرد آزما ہونا ہے۔ اگر کوئی بچہ ایڈز کے مرض میں پیدا ہوتا ہے تو اس میں اُس کی اپنی کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ یہ تو اُس کے والدین کی غلطی ہے۔ اب سوال یہ نہیں کہ کس پر الزام لگایا جائے بلکہ یہ بیماری واقعی ہے اور بچے کو اِسی کے ساتھ زندگی بسر کرنی پڑے گی۔

خدا نے ایک ہی انسان کو خلق کیا اور جب اُس نے اِس ایک انسان کو خلق کیا تو ساری انسانی زندگی اِسی ایک انسان میں تھی۔ خدا نے فرداً فرداً ہر کسی کو خلق نہ کیا بلکہ اُس نے ایک ہی انسانی زندگی کو خلق کیا اور اِسی ایک زندگی میں تمام انسانوں کی زندگی خلق ہوگئی۔ وہ زندگی ترقی کرتی گئی اور یہ سلسلہ صدیوں تک جاری وساری رہا۔ ہم سبھی آدم کی زندگی کے حصے دار ہیں اور اس لحاظ سے ہم سبھی آدم میں ہیں۔ باالفاظِ دیگر چونکہ ہم اُس کی زندگی کے حصے دار ہیں اس لیے ہم سبھی آدم کے وجود کے بھی حصے دار ہیں۔

لیکن اگر ہم سبھی آدم کی زندگی میں حصہ دار ہیں تو پھر ہماری زندگی کیسی ہوسکتی ہے؟ بکری سے پیدا ہونے والے بچے سے کیا ہم یہ توقع رکھیں گے کہ وہ بلی ہو؟ آدم کے ذریعے اُس جیسی نسل ہی پیدا ہوئی۔ اگرچہ وہ خدا کی شبیہ پر خلق ہوا تھا مگر اُس نے اِس شبیہ کو مسخ کر دیا اور وہ اِسی مسخ شدہ شبیہ کو اپنے بچوں میں منتقل کر سکا۔

آدم کے گناہ کی وجہ سے اب ہم سبھی قانونی طور پر شیطان کا شکار بن چکے ہیں۔ اب ہمارے پاس خدا کی زندگی میں پیدا ہونے کا کوئی حق نہیں رہا، اب ہم سبھی خدا کے رُوح کے بغیر ہی پیدا ہوئے ہیں۔ ہمیں آدم کے ذریعے یہ وراثت ملی ہے اور اِسے سمجھنا ہمارے لیے اہم بات ہے۔ بنی نوع انسان فطری طور پر اس لیے بدی نہیں کرتا کہ وہ نیکی کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان آدم کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ہمارے اندر گنہگار زندگی ہے اور ہم اِس زندگی کے علاوہ کسی قسم کی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اِس لیے بائبل مقدس کے مطابق ہم آدم کی وجہ سے ہی گنہگار بنے ہیں۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہم کسی دوسرے انسان کے گناہوں کی وجہ سے گنہگار بنے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم گنہگار اور بے یار و مددگار پیدا ہوئے ہیں اور ہم اچھائی کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم ''گنہگار'' انسان کے طور پر پیدا ہوئے ہیں۔

کافی سالوں پہلے مَیں نے ایک گریجوایشن کے پروگرام میں شرکت کی۔ سپیکر یہی الفاظ بار بار کہہ رہا تھا

کہ ''جو آپ ہیں آپ وہی بن رہے ہیں۔'' یہ الفاظ سُن کر مَیں نے یہ سوچا کہ ''یہ بندہ کیا کہہ رہا ہے؟ اگر آپ پہلے ہی کچھ ہیں تو پھر آپ دوبارہ سے وہ کیسے بن سکتے ہیں؟'' اُس وقت یہ بات میری سمجھ سے بالاتر تھی مگر اب چونکہ مَیں دو طرح کے آدم کے متعلق سمجھ چکا ہوں تو مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ سپیکر ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اگر ہم سب کو آدم کی گنہگار اور غیر موزوں زندگی وراثتی طور پر ملی ہوئی ہے تو پھر یہ سچائی حقیقت بن جاتی ہے: اگر ہم میں آدم کی زندگی ہے اور ہم ''آدم میں'' زندگی گزارتے رہتے ہیں تو ہم اُسی زندگی کو ظاہر کرنے کے لیے ساری زندگی زیادہ سے زیادہ کوششیں کرتے رہتے ہیں جو ہمیں پہلے سے ہی حاصل ہے۔ جو ہم پہلے ہیں ہم صرف وہی بن سکتے ہیں۔ اپنی فطرت کو تبدیل کرنے کے حوالے سے انسان کچھ بھی نہیں کر سکتا یا کچھ بھی نہیں کر سکا۔ انسانی کاوشوں سے کبھی بھی نئی زندگی معرضِ وجود میں نہ آسکی۔ اعمال 26:17 میں یوں مرقوم ہے،

''اور اُس نے ایک ہی اصل سے آدمیوں کی ہر ایک قوم تمام رُوئے زمین پر رہنے کے لئے پیدا کی اور اُن کی میعادیں اور سکُونت کی حدیں مُقرر کیں'' (اَعمال 26:17)

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ بات بالکل دُرست ہے۔ نہ صرف رُوحانی بلکہ جسمانی طور پر بھی ہم آپس میں ایک دوسرے کے بھائی اور بہنیں ہیں۔ اگر ہم ابتدائی زمانے کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ہمارے آباؤ اجداد ایک ہی ہیں مگر اس خونی رشتے کے باوجود بھی ہم اکثر ایک دوسرے کے ساتھ لڑتے رہتے ہیں کیونکہ آدم کی زندگی کی یہی فطرت ہے۔ اس زندگی میں کسی قسم کا امن سکون اور یگانگت نہیں ہے۔ بدن کے کینسر کی مانند آدم کی زندگی بھی آپس میں ہی لڑتی رہتی ہے۔

ایک مرتبہ مَیں نے ایک ویڈیو دیکھی جس میں ایک کتا ہڈی چبا رہا تھا اور وہ بے وقوف سا دکھائی دے رہا تھا۔ جب وہ کتا ہڈی چبا رہا تھا تو اُس کی پچھلی ٹانگ منہ کی طرف اس انداز سے حرکت کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی جیسے کہ یہ ٹانگ اُس کے منہ کی رہنمائی کر رہی ہو۔ اُس کتے نے اپنی ٹانگ پر بھونکنا شروع کر دیا لیکن جونہی اُس کی پچھلی ٹانگ ہڈی کے نزدیک پہنچی تو اُس نے اپنی ہی ٹانگ کو کاٹ لیا۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا۔ مَیں نے اس کتے کی طرف دیکھا اور یوں سوچا ''انسانی رویہ بھی ایسا ہے''۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم یہ تو بتا سکتے ہیں کہ اُس کتے کا رویہ بے وقوفانہ ہے مگر اکثر اوقات انسان یہ محسوس نہیں کرتا کہ جن میں آدم کی زندگی موجود ہے وہ بھی ایسا ہی رویہ اپناتے ہیں یعنی وہ اپنی ہی زندگی کے خلاف لڑتے ہیں۔ آدم کی گناہ میں گِری ہوئی زندگی کا یہی فطری رویہ ہے۔

اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہم ایسے کیوں ہیں؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ایسا بننے کی کوشش کرتے ہیں؟ اس کا جواب ہے، نہیں! یہ ہماری اپنی کاوشوں یا ہمارے اپنے انتخاب کا نتیجہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم تو اِسی فطرت میں پیدا ہوئے ہیں! صرف ایک آدمی کی وجہ سے ہم ایسے ہیں! ہم اس لیے گناہ کرتے ہیں کیونکہ ہم آدم کی نسل ہیں اور صرف ایک آدمی کے گناہ کی سزا پوری انسانیت پر عائد ہوتی ہے۔ ہم پر کس لیے گناہ کی سزا عائد ہوتی ہے؟ کیونکہ ہم اُس میں پیدا ہوئے ہیں!

جب مَیں ''سزا'' کا لفظ استعمال کرتا ہوں تو میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا ہم پر سزا عائد کرتا ہے، میرے کہنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ ہم آدم کے گناہ کے قصوروار ہیں۔ گنہگار بننے کے لیے کسی شخص کو شریعت توڑنی پڑتی ہے۔ خدا ہمیں کسی اور شخص کے گناہوں کا قصوروار نہیں ٹھہراتا بلکہ ہم اپنی حالت کی وجہ سے ہی قصوروار ٹھہرتے ہیں۔ جو بچہ ایڈز کے مرض میں پیدا ہوتا ہے اُسے موت کی سزا ملتی ہے۔ اُس بچے کی بیماری ہی اُسے سزاوار ٹھہراتی ہے۔ اِسی طرح سے ہماری حالت ہی ہمیں سزاوار ٹھہراتی ہے۔ اس بارے میں بائبل مقدس یوں فرماتی ہے،

''غرض جیسا ایک گُناہ کے سبب سے وہ فیصلہ ہُوا جس کا نتیجہ سب آدمیوں کی سزا کا حُکم تھا...'' رومیوں 18:

ایسے حالت میں یہ بات ہمارے لیے ناممکن دکھائی دیتی ہے کہ ہم راستباز زندگی بسر کرسکیں اور جب تک ہمیں نئی زندگی کے لیے کچھ نہ کچھ ہو نہ جائے تو جلد یا بدیر ہم اِسی حالت میں مر جائیں گے۔ جو زندگی ہمیں حاصل ہے یہی ہمیں سزاوار ٹھہراتی ہے۔

اگر مسیح کے ذریعے خدا کا فضل نہ ہوتا تو جس وقت آدم نے وہ ممنوعہ پھل کھایا تھا تو وہ اُسی وقت مر جاتا۔ اگر خدا کی رُوحانی زندگی ختم ہو جاتی تو جسمانی زندگی بھی فوری طور پر ختم ہو جاتی ہے اور آدم کی وجہ سے پوری انسانیت بھی فوری طور پر ختم ہو جاتی۔ مگر یسوع انسان اور ابدی ہلاکت کے درمیان آ کھڑا ہوا، اُس نے اِس لعنت کو اپنے اوپر لے لیا اور اُس نے ہم سب کے لیے توبہ کی مہلت دلائی۔ اپنی قربانی کی بدولت اُس نے ہم سے یوں کہا ''اگرچہ تُم رُوحانی طور پر مردہ ہو، مگر تمہیں اُس وقت تک جسمانی طور پر زندہ رکھا اور یہ موقع دیا کہ تُم دوبارہ سے رُوحانی زندگی حاصل کرسکو۔'' اِسی وجہ سے خدا نے ہمیں یہ وقت مہیا کیا ہے، عموماً ہم ستر یا اسی برس تک زندہ رہتے ہیں۔ ہماری زمینی زندگی کے ایام ہمیں موقع فراہم کرتے ہیں کہ ہم مسیح کے ذریعے دوبارہ سے زندگی پاسکیں کیونکہ ہم سبھی پیدائشی طور پر مردہ پیدا ہوئے ہیں۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ خدا نے آدم کی زندگی کی مرمت کرنے کا کبھی بھی وعدہ نہ کیا۔ مسیحی زندگی دوبارہ سے بنائی گئی زندگی نہیں ہوتی۔ بائبل مقدس اس بات کو واضح کرتی ہے کہ آدم کی زندگی کو مرنا پڑتا ہے۔

''اِس لئے اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نیا مخلُوق ہے۔ پُرانی چیزیں جاتی رہیں۔ دیکھو وہ نئی ہوگئیں'' (2 کرنتھیوں 17:5)

آدم میں پیدا ہونے کی وجہ سے نئی زندگی کا حصول ہی ہماری اشد ضرورت ہے! پرانی زندگی سزا یافتہ ہے اور اِسے دُرست نہیں کیا جا سکتا۔ اِسے مرنا پڑے گا! لیکن یہ نئی زندگی ہمیں کہاں سے حاصل ہوگی؟ اِس زندگی کے حصول کے لیے ہمیں اِس کے اصل منبع سے رابطہ کرنا پڑے گا۔ آدم وہ اصل منبع تھا جس کی بدولت تمام بنی نوع انسان کو وہ زندگی حاصل ہونی تھی مگر اُس کی زندگی گناہ کی وجہ سے موت کے تحت ہوگی۔ اب چونکہ ہمیں نئی زندگی درکار ہے تو خدا نے ہمیں کیا دیا ہے؟ خدا نے ہمیں دوسرا آدم عطا کیا ہے! اُس نے ہمیں ایسی ہستی عطا کی ہے جو نئی زندگی کا منبع ہے۔ اگر ہم اِس بات کو سمجھ سکیں تو پھر ہم اس بات کو بھی جان سکیں گے کہ یسوع کو پچھلا آدم کیوں کہا گیا ہے۔ اس لیے نہیں کہ اُسے خوبصورت عورت کے ساتھ باغ میں رکھا گیا تھا بلکہ اس لیے کہ وہی نئی زندگی کا منبع ہے، وہ نئی نسل کے لوگوں کا باپ ہے۔

صرف پیدائش کے ذریعے

اب چونکہ ہم اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ مسیح میں ہونے کا کیا مطلب ہے تو اس بارے میں ہمیں ایک اور اُصول سمجھنے کی ضرورت ہے یعنی صرف اور صرف پیدائش کے ذریعے ہی ایک سے دوسرے شخص تک زندگی منتقل ہوئی ہے۔ اس اُصول سے مستثنیٰ صرف ایک ہی انسان ہے جس کا نام حوا ہے کیونکہ وہ پیدا نہیں ہوئی۔ اُسے آدم کی پسلی سے زندگی حاصل ہوئی تھی۔

یسعیاہ 6:9 میں یسوع کو ''ابدیت کا باپ'' کہا گیا ہے،

''اِس لئے ہمارے لئے ایک لڑکا تولُد ہُوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اُس کے کندھے پر ہوگی اور اُس کا نام عجیب مُشیر خُدائے قادِر ابدیت کا باپ سلامتی کا شاہزادہ ہوگا'' (یسعیاہ 6:9)

تثلیث میں یسوع باپ نہیں ہے بلکہ وہ تو باپ کا بیٹا ہے۔ مگر دوآدم والا یہ نظریہ اس آیت کے حقیقی مطلب کو واضح کر دیتا ہے۔ یسوع ابدیت کا باپ ہے، مگر کس کا؟ وہ اُن سب کا باپ ہے جو نئی مخلوق، یعنی نئی انسانی نسل بن چکے

ہیں! یسوع پچھلا آدم ہے اور اُس کے ذریعے ایسی نئی انسانی نسل پیدا ہوتی ہے جو اُس کی زندگی کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ اُن کا باپ یعنی پچھلا آدم ہے۔

آیئے غور کرتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ دونوں آدموں میں ایک مطابقت پائی جاتی ہے۔ ایک ہمیں گناہ کی طرف لے گیا اور دوسرا ہمیں راستبازی کی طرف لے گیا۔ جب آدم نے ممنوعہ پھل کھایا تو اُس وقت ہم میں کوئی بھی پیدا نہیں ہوا تھا اس لیے ہمیں تو اُس بارے میں کچھ علم نہیں ہے مگر ہماری زندگی وہاں موجود تھی اور جب ہزاروں سال بعد ہم پیدا ہوئے تو فطری طور پر ہم نے بھی آدم کی گناہ میں گری ہوئی زندگی گزارنا شروع کر دی۔ کیا ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ تھا؟ نہیں، ہم نے صرف وہی کچھ کیا جو ہماری فطرت کے مطابق ہمیں کرنا چاہیے تھا۔

آیئے اب دوسرے آدم پر غور کرتے ہیں: کیا اُس کی زندگی بھی اِسی طریقے سے کام کرتی ہے؟ اگر آپ دوسرے آدم میں پیدا ہوئے ہیں تو پھر آپ کیسی زندگی گزاریں گے؟ اُس جیسی زندگی! آپ اپنی کوشش سے ایسی زندگی نہیں گزار سکتے! جب آپ پہلے آدم میں تھے تو آپ اپنی کوشش سے اپنی زندگی کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ جو کچھ آپ پہلے تھے وہ آپ کی فطرت تھی۔ اِسی طرح سے جب ہم دوسرے آدم کا حصہ بن جاتے ہیں تو پھر بھی ہم اپنی کوشش سے اپنی زندگی کو تبدیل نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارا رویہ فطری طور پر ہمارے نئی پیدائش کا نتیجہ ہوتا ہے۔

مسیح میں زندگی

یسوع میں پائی جانے والی تمام خوبیاں اُس کی زندگی کا حصہ ہیں۔ اُس میں گناہ اور سزا بالکل نہیں ہے۔ ایسی زندگی صرف مسیح میں ہی پائی جاتی ہے، وہ خدا کی دہنی طرف بیٹھا ہے، وہ ابدی قوت اور استحقاق کا مالک ہے اور وہ تمام حکمرانوں اور بادشاہوں سے افضل ہے۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں جو صرف یسوع کی زندگی میں ہی پائی جاتی ہیں۔ ہمیں اِن شاندار خوبیوں کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اگر ہم مسیح میں ہیں تو پھر وہ خوبیاں ہماری ہی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ہمارے اندر کس کی زندگی ہے؟ یہ بڑا اہم سوال ہے۔ ہماری نجات اور کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہرگز نہیں ہے کہ ہم نے ماضی میں کیا کچھ کیا ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ ہمارے اندر کس کی زندگی ہے۔

غور کریں کہ جب آدم نے کچھ کیا تھا تو اُس وقت کوئی بھی انسان پیدا نہیں ہوا تھا۔ اِسی طرح سے جب

یسوع نے کچھ کیا تھا تب بھی ہم میں سے کوئی موجود نہیں تھا۔ لیکن جب ہم آدم میں پیدا ہوئے تو ہماری زندگیوں میں فطری طور پر وہی رویہ ظاہر ہوا جو ہزاروں سال قبل آدم کے گناہ کی وجہ سے اُس کا رویہ تھا۔ اِسی طرح سے جب ہم مسیح میں پیدا ہوتے ہیں تو ہماری زندگیوں میں فطری طور پر وہی کچھ ظاہر ہوتا ہے جو ہزاروں سال قبل مسیح نے ہماری خاطر کیا ہے۔ یوں پولس یہ کہہ سکا کہ ''مَیں مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا'' اور ہر مسیحی یہی بات کہہ سکتا ہے۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے ''تُم کب مصلوب ہوئے اور تمہاری آدم میں پائی جانے والی پرانی زندگی کب ختم ہوئی؟'' تو مَیں یہ جواب دُوں گا ''دو ہزار سال پہلے'' کیونکہ میری پرانی زندگی دو ہزار سال پہلے مصلوب ہوگئی۔ اگر کوئی مجھ سے یہ پوچھے کہ ''تمہارا خدا کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟'' تو مَیں یہ جواب دُوں گا ''ہم آپس میں ایک ہیں۔'' مجھ میں خدا جیسی زندگی ہے کیونکہ مجھ میں مسیح کی زندگی موجود ہے۔

جب مَیں خدا کے پاس آیا تو مَیں نے خود کو آدم کے بیٹے کے طور پر محسوس کیا اور اُس وقت میرا سوال یہ تھا ''میری کیا اوقات ہے کہ مَیں خدا تک رسائی کر سکوں؟'' اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مَیں نے کس حد تک کوشش کی ہے مگر یہ بات میرے لیے ناقابلِ یقین تھی کہ میری دُعا سُن لی گئی ہے کیونکہ مَیں تو اس لائق ہی نہیں تھا۔ مَیں بمشکل ہی اس بات کو مان سکا کہ میری دُعا کو سُن لیا گیا ہے اور مجھے جواب مل چکا ہے۔ لیکن جب یسوع دُعا کرتا ہے تو اُس کی دُعا مکمل طور پر مقبولِ نظر ٹھہرتی ہے۔ خدا کی طرف سے اُس کی دُعا کا جواب ملنے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔ جب ہم مسیح کے وسیلے دُعا کرتے ہیں تو اُس دُعا میں بڑی قدرت پائی جاتی ہے۔ خدا جس طرح سے مسیح کے ساتھ پیش آتا ہے اُسی طرح وہ ہمارے ساتھ بھی پیش آتا ہے کیونکہ ہم میں بھی وہی زندگی پائی جاتی ہے۔ ہم حقیقی طور پر ایک ہیں۔ اس بات پر غور کرنا اچھی بات ہے بلکہ اِس پر ایمان رکھنا اس سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

ان دونوں آدموں میں ہوتے ہوئے ہماری زندگیاں ہماری پیدائش سے قبل ہی طے شدہ ہیں۔ اِسی وجہ سے بائبل مقدس یوں فرماتی ہے کہ ایک آدم نے ہم سب کو گنہگار بنا دیا (رومیوں 19:5)۔ جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو گنہگاروں کی مانند زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ یہی ہماری اصلیت ہے۔ اس سلسلے میں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

جبکہ دوسری جانب مسیح کی زندگی میں شامل ہونے کے لیے ہمیں نئے سرے سے پیدا ہونا پڑتا ہے۔ ہم نئے سرے سے کیسے پیدا ہوتے ہیں؟ پہلے آدم کے حوالے سے ہماری زندگی جنسی تعلق کی بدولت مزید ترقی کرتی ہے۔ مگر دوسرے آدم کے حوالے سے زندگی کیسے مزید ترقی کرتی ہے؟ ایسا ایمان کی بدولت ہوتا ہے۔ رُوح القدس کی بدولت

ہی مسیح کی زندگی مزید ترقی کرتی ہے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ سب کچھ مسیح نے پہلے ہی کر دیا ہے لیکن اگر ہم بھی اس کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں نئے سرے سے پیدا ہونے کی ضرورت ہے اور یہ تجربہ ہمیں ایمان کی بدولت ہی حاصل ہوتا ہے۔

آدم تمام لوگوں پر سزا لایا۔ ہمارے لیے اُس نے یہی کچھ کیا مگر اسے حاصل کرنے کے لیے ہر کسی کو پیدا ہونا پڑتا ہے۔ اِسی طرح سے یسوع ہمارے لیے نجات لایا اور مسیح میں نئے سرے سے پیدا ہوئے بغیر کوئی بھی اِسے حاصل نہیں کر سکتا۔ لہٰذا یسوع نے یوں فرمایا،

''کیونکہ خُدا نے بیٹے کو دُنیا میں اِس لئے نہیں بھیجا کہ دُنیا پر سزا کا حکم کرے بلکہ اِس لئے کہ دُنیا اُس کے وسیلہ سے نجات پائے۔ جو اُس پر ایمان لاتا ہے اُس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا۔ جو اُس پر ایمان نہیں لاتا اُس پر سزا کا حکم ہو چُکا۔ اِس لئے کہ وہ خُدا کے اِکلوتے بیٹے کے نام پر ایمان نہیں لایا'' (یوحنا 3:17-18)

سزا پانے کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنا پڑے گا؟ کچھ بھی نہیں! ہم جیسے ہیں ویسے ہی رہنا پڑے گا۔ ہم بے اعتقادی میں ہی پیدا ہوئے ہیں، ہمیں صرف بے ایمانی کا مظاہرہ کرنا اور یوں ہم اُس سزا کو حاصل کر پائیں گے جو آدم پوری انسانیت پر لایا ہے۔

اس دُنیا میں رہتے ہوئے بغیر کسی سمت کا انتخاب کیے ہوئے ہم درمیانی جگہ پر کھڑے نہیں رہ سکتے۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم درمیانی جگہ پر کھڑے ہوئے ہیں اور ہم بآسانی کسی ایک سمت کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ یہ غلط نظریہ ہے۔ یہ بات آدم پر تو سچ ثابت ہو سکتی ہے مگر ہم کسی بھی درمیانی مقام پر کھڑے نہیں ہیں۔ ہم پیدا ہوئے ہیں، اپنی زندگیاں گزار رہے ہیں اور ہم شیطان کی سمت میں کھڑے ہیں۔ ہم اس سمت سے چھٹکارا پانے کا انتخاب کر سکتے ہیں اور اس سمت سے چھٹکارا پانے کا واحد حل صرف یہی ہے کہ ہم مسیح کی زندگی کو حاصل کر لیں۔ اگر ہم ایمان نہیں لاتے تو پھر ہم اپنی اُسی سزا کے تحت زندگی گزارتے رہتے ہیں لیکن اگر ہم ایمان لائیں اور ایمان کی بدولت مسیح کی زندگی کو حاصل کریں تب ہم سزا یافتہ زندگی سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔ خوشخبری کا پیغام واقعی بہت آسان ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے:

''اور کِتابِ مُقدس نے پیشتر سے یہ جان کر کہ خُدا غیر قوموں کو ایمان سے راست باز ٹھہرائے گا پہلے ہی سے ابرہام کو یہ خُوشخبری سُنا دی کہ تیرے باعث سب قومیں برکت پائیں گی'' (گلتیوں 3:8)

انجیل کا پیغام ابرہام کو بھی سُنایا گیا اور وہ انجیل کا پیغام کیا تھا؟ غور کریں کہ مذکورہ آیت میں کیا لکھا ہے'' صرف ایک ہی فرد کے باعث سب قومیں برکت پائیں گی''۔ یہی تو خوشخبری کا پیغام ہے۔ ہماری زندگیاں، ہماری برکات اور ہمارا سب کچھ صرف ایک ہی فرد یعنی مسیح کے باعث ہے!

جب مَیں بائبل مقدس کا مطالعہ کرتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ ایک طرح سے خدا صرف ایک ہی آدمی کو بچائے گا۔ ہم سبھی اُس نجات کے حصے دار بن جائیں گے مگر خدا کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ ہم سب کو ایک آدمی کے طور پر بچائے۔ صرف ایک ہی ایسا راستباز انسان ہے جو خدا کی نظر میں مقبول ہے اور جس نے گناہ پر فتح پائی۔ اِس زندگی میں شامل ہونا ہی ہماری واحد اُمید ہے۔

''اور وہ گواہی یہ ہے کہ خُدا نے ہمیں ہمیشہ کی زندگی بخشی اور یہ زندگی اُس کے بیٹے میں ہے'' (1 یوحنا 11:5)

حقیقت یہ ہے کہ
ہم میں مسیح کی زندگی ہے

باب نمبر 4

انسانی رُوح

جب سے انسان موجود ہے تب سے ہمیشہ ایک بڑا اہم سوال پوچھا جاتا رہا ہے، وہ سوال یہ ہے کہ ''انسان کیا ہے؟'' اس کی حقیقی فطرت کیا ہے۔ بیشک یہ بات سچ ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ اِسے سوچنے سمجھنے، احساسات اور جذبات کی ایسی صلاحیت حاصل ہے جس کی بنا پر وہ کائنات کی دوسری تمام مخلوقات سے اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے۔

جب انسان اپنے بدن کا جائزہ لیتا ہے اور اپنے جسمانی خدوخال پر غور کرتا ہے تو اِسے محسوس ہوتا ہے کہ اس میں اور دیگر جانداروں میں اتنا خاص فرق نہیں ہے۔ درحقیقت کچھ جانور تو انسان کی مانند ہی دکھائی دیتے ہیں۔ تاہم، عقل رکھنے کی وجہ سے انسان دوسرے جانداروں سے افضل ہے۔ انسان میں ایسی اہلیت اور قابلیت پائی جاتی ہے کہ جس کے بارے میں اُسے بہت کم علم ہے اور جس کی وضاحت کرنا اِس کے لیے بڑا مشکل ہے مگر اِسی کی وجہ سے یہ دیگر جانداروں سے اعلیٰ مرتبہ رکھتا ہے۔

ہم سبھی جانتے ہیں کہ ہمارے پاس دماغ ہے اور ہم اس کی مدد سے ایسے کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جنہیں حیاتیات کے علم کے ذریعے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اِسی دماغی صلاحیت نے انسان کو حیران و پریشان کر کے رکھ دیا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اِسی کی مدد سے اُسے اس سیارے کو کنٹرول کرنے کی صلاحیت بھی عطا کی گئی ہے۔

یہ خوبی کونسی ہے جِسے ہم سوچ کہتے ہیں اور یہ کہاں سے آئی ہے؟

جہاں تک مجھے یاد ہے کہ مَیں تو اِسی نظریے میں بڑا ہوا ہوں کہ انسان دو اجزا کا مجموعہ ہے، زمین کی مٹی اور زندگی کا دم۔ مجھے بتایا گیا کہ اس عقیدے کی بنیاد پیدایش 2:7 کے حوالے پر مبنی ہے۔

''اور خُداوند خُدا نے زمین کی مِٹی سے اِنسان کو بنایا اور اُس کے نتھنوں میں زندگی کا دَم پھُونکا تو اِنسان جیتی جان ہُوا'' (پیدایش 2:7)

یہ نظریہ بالکل درست دکھائی دیتا ہے۔ جب انسان خلق کیا گیا تب کیا ہوا اُس سارے منظر کی تصویر کشی کرنا بڑا آسان دکھائی دیتا ہے: سب سے پہلے مٹی سے بنا ہوا بے جان ڈھانچہ پڑا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پھر خدا نے اُس میں دم پھونکنے کا مرحلہ شروع کیا اور جب انسان نے سانس لینا شروع کر دیا تب وہ جیتی جان بنا۔ یوں مجھے یہ بات سمجھ آئی

کہ انسان مٹی کا ایسا ٹکڑا ہے جو سانس لے رہا ہے۔

شاید ہر کسی کو تو اس طرح سے نہ سکھایا گیا ہو مگر جس طرح کے مذہبی ماحول میں مَیں نے پرورش پائی ہے وہاں پر مجھے تو ایسے ہی سیکھایا گیا ہے۔ ہم ہمیشہ یہی سوچتے ہیں کہ لوگوں کو اس بارے میں سمجھنا چاہیے۔

جب مَیں نے 22 سال کی عمر میں توبہ کی تو میرے دماغ میں ایک ایسا سوال آیا جس کا مجھے کوئی جواب نہ ملا۔ وہ سوال یہ تھا: جب مَیں مر جاؤں گا تو کیا قیامت کے روز مَیں اِسی بدن میں جی اُٹھوں گا؟ جب مَیں مر جاؤں گا تو یہ بات تو حقیقت ہے کہ میرا بدن مٹی میں مل جائے گا اور یہ پھر وہیں چلا جائے گا جہاں سے لیا گیا تھا۔ لیکن کیا مَیں واقعی سانس لیتا ہوا مٹی کا ٹکڑا ہی ہوں، روزِ قیامت خدا اِسی بدن کو دوبارہ کیسے واپس لائے گا؟ کیا وہ دوبارہ سے اُن مالیکیولز اور ایٹمز کو جوڑ کر میرا بدن بنائے گا اور اُسے زندہ کرے گا؟

میرے خیال میں اس کا جواب ہے، نہیں۔ ہمارے بدن کا ہر خلیہ ہر سال تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ میرا اس وقت جو بدن ہے وہ اُنہی ایٹمز کے اجزا پر مشتمل نہیں ہے جو دس سال قبل میرے بدن کے اجزا تھے۔ دراصل انسان کی زندگی جن اجزا سے مل کر بنی ہے وہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ آج جن مالیکیولز اور ایٹمز پر مشتمل کسی کا بدن ہے وہ ماضی میں کسی اور انسان کے بدن کے اجزا رہ چکے ہوں۔

پس جو سوال میرے دماغ میں موجود ہے اور مجھے ستاتا رہتا ہے کہ مَیں کیسے بنا ہوں؟

مَیں نے یہ سوال اُن سب سے پوچھا جن کے بارے میں مَیں نے یہ سوچا کہ اِنہیں اس کا جواب معلوم ہوگا لیکن اُن کی طرف سے مجھے یہ جواب ملا ''خدا تمہارے جیسے کسی دوسرے کو بھی زندہ کر سکتا ہے۔'' بے شک جب مَیں نے یہ جواب سُنا تو مَیں بہت پریشان ہو گیا کیونکہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے میری بجائے میرا کوئی جڑواں بھائی روزِ قیامت کو جی اُٹھے گا۔ کچھ لوگوں نے مجھے یہ کہا ''ضروری نہیں کہ تُم اس بات کو جانو کہ ایسا کیسے ہوگا۔ خدا ایسا کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور تمہیں اس بات کی بالکل فکر نہیں کرنی چاہیے۔'' مَیں اس جواب سے بھی مطمئن نہ ہو سکا۔ میرا یہ ماننا ہے کہ اس کے متعلق جاننے میں کسی قسم کی کوئی قباحت نہیں ہے۔

بیشک مَیں نے اس بارے میں مطالعہ کرنا شروع کر دیا اور بائبل مقدس میں سے مجھے میرے سوال کا واضح جواب مل گیا۔ اس میں واضح طور پر سکھایا گیا ہے کہ انسان سانس لیتے ہوئے بدن سے کہیں بڑھ کر ہے۔ مَیں نے جانا کہ انسان کا ایک ایسا حصہ بھی ہے جسے رُوح کہتے ہیں اور یہ بڑا اہم انسانی حصہ ہے۔ جب بائبل مقدس میں یوں بیان

ہوا ہے کہ خدا نے انسان میں زندگی کا دم پھونکا تو اس میں محض سانس یا ہوا کی بات نہیں ہو رہی۔ ہم محض سانس لیتا ہوا مٹی کا ٹکڑا نہیں ہیں ہم اس سے بھی کہیں بڑھ کر ہیں۔

پیدایش 2:7 میں بیان کردہ لفظ ''دم'' عبرانی لفظ neshamah کا ترجمہ ہے اور اس کا ترجمہ چند مختلف طریقوں سے کیا جا سکتا ہے۔ اس ایک لفظ کے چند مختلف ترجمے ہیں۔ سٹرونگز ہیبرو ڈکشنری کے مطابق اس کے چند ترجمے یہ ہیں، ہوا، سانس، رُوح، جان۔ لہٰذا اس لفظ کا ترجمہ ''رُوح'' بھی کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس آیت کو یوں پڑھا جا سکتا ہے ''خُدا نے اُس کے نتھنوں میں زندگی کا رُوح پھُونکا''۔ میرا یہ ماننا ہے کہ اس آیت کا یہی حقیقی مطلب بنتا ہے۔ خدا ہمیں یہ نہیں بتا رہا تھا کہ مٹی کے ٹکڑے کی حیثیت سے انسان نے سانس لینا شروع کر دیا ہے۔ بالکل بھی نہیں۔ وہ ہمیں یہ بتا رہا تھا کہ اُس نے خود انسان میں دماغ یا رُوح ڈالی ہے، یہ انسان کا اندرونی حصہ ہے جو اُس کے وجود کا نہایت ہی اہم حصہ ہے۔

یہ سچائی ہمیں نئے عہد نامے میں بھی ملتی ہے۔ آیئے مزید ایسی چند آیات پر غور کرتے ہیں جو اس تعلیم کی تصدیق کرتی ہیں۔ یعقوب 2:26 میں یوں مرقوم ہے،

''غرض جیسے بدن بغیر رُوح کے مُردہ ہے ویسے ہی ایمان بھی بغیر اَعمال کے مُردہ ہے'' (یعقوب 2:26)

اس حوالے میں یہ کہا جا رہا ہے کہ بدن بغیر رُوح کے مردہ ہے۔ یونانی لفظ 'pneuma' جس کا ترجمہ ''رُوح'' کیا گیا ہے، اس کا ترجمہ ''سانس'' اور ''رُوح'' بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایک مرتبہ مجھے کسی خادم نے یہ بتایا'' بائبل مقدس میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ انسان دو حصوں کا مجموعہ ہے۔ بائبل مقدس میں جہاں بھی انسان کی رُوح کا حوالہ آیا ہے تو اِس کا مطلب دم ہی ہے۔'' حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خادم مندرجہ ذیل آیات سے بالکل ہی ناواقف تھا۔ واعظ 12:7 میں یوں مرقوم ہے،

''اور خاک خاک سے جا مِلے جس طرح آگے مِلی ہُوئی تھی اور رُوح خُدا کے پاس جس نے اُسے دِیا تھا واپس جائے'' (واعِظ 12:7)

اس آیت میں یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اُس کے ساتھ کیا ہوتا ہے اور اِس میں انسان کے دو حصوں کا ذکر ہوا ہے۔ یہ دو حصے خاک اور رُوح ہیں۔ خاک خاک سے جا ملتی ہے مگر رُوح کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ یہ خدا کے پاس واپس چلی جاتی ہے۔ کیا اس میں محض اُس ہوا کی بات ہو رہی ہے جس میں ہم سانس لے

رہے ہیں؟ کیا اس میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ جس ہوا میں ہم سانس لے رہے ہیں وہ واپس خدا کے پاس چلی جاتی ہے؟ کچھ لوگوں کا یہی ایمان ہے مگر بائبل مقدس میں ایسے بے شمار ثبوت موجود ہیں جو اِس کے برعکس بات کرتے ہیں۔ 1 کرنتھیوں 5 باب 3-5 آیات میں یوں مرقوم ہے:

''لیکن میں گو جسم کے اعتبار سے موجُود نہ تھا مگر رُوح کے اِعتبار سے حاضر ہو کر گویا بحالتِ موجُودگی ایسا کرنے والے پر یہ حُکم دے چُکا ہُوں۔ کہ جب تُم اور میری رُوح ہمارے خُداوند یسُوع کی قُدرت کے ساتھ جمع ہو تو ایسا شخص ہمارے خُداوند یسُوع کے نام سے جسم کی ہلاکت کے لئے شیطان کے حوالہ کیا جائے تا کہ اُس کی رُوح خُداوند یسُوع کے دِن نجات پائے'' (1 کرنتھیوں 5:3-5)

کرنتھس کی کلیسیا میں ایک ایسا شخص تھا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے شادی کر لی تھی اور پولس اِس بات سے بہت خفا تھا۔ یہاں پر وہ کلیسیا کو اس حوالے سے نصیحت کر رہا تھا کہ اُنہیں کیا کرنا چاہیے اور اُن حالات میں اُس نے مذکورہ بات کہی۔ وہ اس میں تین مرتبہ رُوح کا ذکر کرتا ہے اور اِن تینوں میں سے ایک مرتبہ بھی وہ اِس میں نتھنوں سے نکلنے والی ہوا کی بات نہیں کر رہا تھا۔ پہلی مرتبہ وہ یوں کہتا ہے ''لیکن میں گو جسم کے اعتبار سے موجُود نہ تھا مگر رُوح کے اِعتبار سے حاضر'' تھا۔ پھر وہ یوں کہتا ہے ''جب تُم اور میری رُوح ہمارے خُداوند یسُوع کی قُدرت کے ساتھ جمع ہو''۔ وہ یہاں پر محض سانس کی بات نہیں کر رہا۔ آخر میں وہ یوں کہتا ہے ''تو ایسا شخص ہمارے خُداوند یسُوع کے نام سے جسم کی ہلاکت کے لئے شیطان کے حوالہ کیا جائے تا کہ اُس کی رُوح خُداوند یسُوع کے دِن نجات پائے''۔

یہاں پر رُوح کی بات ہو رہی ہے اور شاید ہم اِس کی مکمل وضاحت نہ کر سکیں مگر بائبل مقدس یہ فرماتی ہے کہ یہ موجود ہے اور یہ ہر انسان کا اہم حصہ ہے۔ پولس کہتا ہے کہ اگرچہ اُس کا بدن ختم ہو جائے گا مگر اُس کی رُوح بچائی جا سکے گی۔ جب یسوع صلیب پر مر رہا تھا تو اُس کے کہے گئے آخری الفاظ پر غور فرمائیں:

''پھر یسُوع نے بڑی آواز سے پُکار کر کہا اَے باپ! میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہُوں اور یہ کہہ کر دَم دے دیا'' (لُوقا 23:46)

وہ اپنے بدن کے بارے میں نہیں چاہے وہ جیسا بھی تھا بلکہ اپنی رُوح کے بارے میں فکرمند تھا۔ اِسی طرح سے جب ستفنس مر رہا تھا تو اُس کے آخری الفاظ یہ تھے ''اَے خُداوند یسُوع! میری رُوح کو قبُول کر'' اَعمال 7:59۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ ''جس ہوا میں مَیں سانس لے رہا ہوں وہ واپس لے لے''۔ اُس کے بدن کا ایک اور حصہ تھا جس

کے تحفظ کے لیے وہ یسوع سے دُعا مانگ رہا تھا۔

جب ہم پیدا ہوتے ہیں تو ہمارا بدن ہوتا ہے مگر ہمارے پاس ایسی اہلیت بھی ہوتی ہے جو ہمیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بخشتی ہے۔ ہمیں پیدائشی طور پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ملی ہوتی ہے اور جب ہم نشوونما پاتے جاتے ہیں تو ہمارا کردار بھی ترقی کرتا جاتا ہے۔ کیا اس کا تعلق محض ہمارے بدن یا کسی اور چیز سے بھی ہوتا ہے؟ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ایک خاص انداز سے اپنے رویے کا مظاہرہ کرتا ہے اور اِس کا تعلق محض اُس کے بدن سے نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ جڑواں بچوں کی بھی اپنی ایک علیحدہ شخصیت ہوتی ہے۔ ان میں محض بدن سے بڑھ کر بھی کچھ ہوتا ہے۔ بعض اوقات ہم اِسے ''دماغ'' کہتے ہیں، بعض اوقات ہم اِسے ''رُوح'' کہتے ہیں مگر ہم سبھی جانتے ہیں کہ ہمارے موجودہ بدن ہی ہماری حقیقی شناخت نہیں ہیں۔ ہمارا وجود محض اِنہی پر مشتمل نہیں ہوتا۔ ان کے علاوہ بھی ہم میں کچھ ہوتا ہے۔

ایک اہم مثال

کافی سال قبل مَیں نے ایک تمثیل پڑھی جس کی مدد سے مجھے رُوح اور بدن کے آپسی تعلق کی بہتر طور پر وضاحت ملی۔

ہم سبھی ٹیپ ریکارڈر کے متعلق جانتے ہیں۔ اِسے چلانے کے لیے دو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ ایک تو ٹیپ ریکارڈر خود ہے اور دوسری چیز کیسٹ ہے۔ سب سے پہلے ہم کوئی خالی کیسٹ اس میں ڈالتے ہیں تو پھر ''ریکارڈ'' کا بٹن دبا دیتے ہیں۔ پھر اِس میں ہر قسم کی آواز ریکارڈ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ ریکارڈنگ کرنے کے بعد ہم اِس میں سے کیسٹ نکال لیتے اور اِس ٹیپ ریکارڈر کو زمین میں چھ فٹ گہرا گھڑا کھود کر اُس میں دبا دیتے ہیں۔ لیکن جب تک ہمارے پاس ریکارڈ شدہ کیسٹ موجود ہے تب تک اُس میں موجود ہر قسم کی آواز بھی ہمارے پاس موجود رہتی ہے اور اِس کیسٹ کو اگر ہم کسی دوسرے ریکارڈر میں بھی ڈال کر چلائیں تو اس میں ریکارڈ شدہ آوازوں کو سُن سکیں گے۔

انسانی بدن اور رُوح کے بارے میں بھی یہ تمثیل دُرست ثابت ہوتی ہے۔ رُوح کو کیسٹ کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جبکہ بدن کو ریکارڈنگ مشین کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ کیا کوئی کیسٹ بغیر ریکارڈر چل سکتی ہے؟ ریکارڈر کے بغیر یہ چل نہیں سکتی لیکن جب آپ اِسے کسی ٹیپ میں ڈالتے ہیں تو فوری طور پر جو کچھ بھی اِس میں ریکارڈ ہوا ہوتا ہے وہ چلنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اِن دونوں کو جُدا کر دیں تو وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر ''مردہ'' ہو جاتے ہیں۔ ایک کے بغیر دوسرا کچھ نہیں کر سکتا۔

لہٰذا زندگی بھر ہماری شخصیت اور کردار ہماری رُوحوں میں ''ریکارڈ'' ہوتا رہتا ہے۔ ہر وہ بات جو کسی انسان کو انفرادی طور پر دوسروں سے منفرد کرتی ہے وہ اُس کی رُوح پر نقش ہو جاتی ہے۔ جب انسان مر جاتا ہے تو اُس کا بدن مٹی میں مل جاتا ہے مگر انسانی زندگی کا اہم حصہ جو کہ رُوح ہے، بے ہوشی کی حالت میں موجود رہتی ہے۔ خدا روزِ قیامت تک اِس رُوح کو محفوظ رکھتا ہے جب خدا اِس رُوح کو ایک نئے بدن میں ڈالے گا۔ انسان اپنی اُسی شخصیت، کردار اور یادوں وغیرہ کے ساتھ دوبارہ سے زندہ ہو جاتا ہے اگرچہ اُس کا بدن فرق ہوتا ہے۔

مَیں نے کبھی بھی کسی رُوح کو نہیں دیکھا۔ مَیں نہیں جانتا کہ میری رُوح کیسی ہے مگر بائبل مقدس بتاتی ہے کہ یہ واقعی ہے اور مَیں سمجھتا ہوں کہ یہ واقعی ہے۔ بیشک، جب کوئی شخص مردہ ہوتا ہے تو اُس کی رُوح اردگرد چل یا اُڑ نہیں سکتی اور کچھ لوگوں کو ڈرا نہیں سکتی جیسے کہ کچھ لوگوں کا ماننا ہے۔ کام کرنے کے لیے اِسے بدن کی ضرورت پڑتی ہے۔ مگر کسی روز خدا اِسے نئے بدن میں ڈالے گا۔ راستباز کے لیے وہ بدن کافی بہتر ہوگا مگر اُس میں انسان اپنی اُسی شخصیت کے ساتھ ظاہر ہوگا۔ بالکل وہی شخص زندہ ہوگا نہ کہ اُس کی مانند کوئی اور شخص زندہ ہوگا!

بڑی سادگی سے بیان کیا گیا ہے کہ انسانی ساخت کیسی ہے اور اگر ہم اِس بات کو سمجھ لیں تو پھر ہم اپنے مسائل کو بھی سمجھنا شروع کر دیں گے اور اُن کا بہتر حل جان سکیں گے۔ ہم اس بات کو سمجھنا شروع کر دیں گے کہ ہمارا اصل مسئلہ یہ نہیں کہ ہمارے بدن کی حالت کیسی ہے بلکہ ہماری رُوح یا ہمارے دماغ کی حالت کیسی ہے۔ ہمارے بدن کو ہماری رُوح کنٹرول کرتی ہے اور ہمارے بدن کے ذریعے ہی خود کو ظاہری کرتی ہے۔ اگر ہم گناہ کے مسئلے کو حل کرنا چاہتے ہیں تو اِسے رُوحانی سطح پر حل کرنے کی ضرورت ہے۔

ہم اپنے بدن کے خدوخال کو تبدیل کر سکتے ہیں، ہم اپنا ہیئر سٹائل بدل سکتے ہیں یا اپنے چہروں پر میک اپ کر سکتے ہیں۔ ہم ورزش کے ذریعے اپنے مسل بنا سکتے ہیں۔ ہم جسمانی طور پر اپنا بناؤ سنگھار کر سکتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی پیدائشی طور پر ملنے والی رُوحوں کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ اگر ہم اس بات کو شروع میں ہی سمجھ جائیں تو پھر ہم یہ جان لیں گے کہ ہماری رُوحوں میں خدا ہی تبدیلی پیدا کر سکتا ہے اور ایسا انسان اپنی قوت سے نہیں کر سکتا۔

اس حقیقت کو سمجھنا بڑی اہم بات ہے۔ اس کے ذریعے ہمیں نہ صرف اس بات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ خدا کی فطرت کیسی ہے بلکہ اس سے ہمیں اپنے اصل مسئلے کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

باب نمبر5

خدا کا رُوح

''پھر خُدا نے کہا کہ ہم اِنسان کو اپنی صُورت پر اپنی شبِیہ کی مانِند بنائیں اور وہ سمُندر کی مچھلیوں اور آسمان کے پرندوں اور چوپایوں اور تمام زمین اور سب جان داروں پر جو زمین پر رِینگتے ہیں اِختیار رکھیں۔ اور خُدا نے اِنسان کو اپنی صُورت پر پیدا کیا۔ خُدا کی صُورت پر اُس کو پیدا کِیا۔ نر و ناری اُن کو پیدا کِیا'' (پیدایش 1:26-27)

یہاں پر ہم دیکھ سکتے ہیں کہ انسان خدا کی شبیہ پر خلق ہوا۔ ہم جانتے ہیں کہ خدا ظاہری شبیہ رکھتا ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا ظاہری طور پر انسان کی مانند ہے۔ بائبل مقدس میں چند ایسے مقامات ہیں جہاں پر خدا رویا میں لوگوں پر ظاہر ہوا اور ہر بار وہ انسانی خدوخال میں ہی ظاہر ہوا۔ اُن میں سے ایک واقعہ دانی ایل 9:7 میں موجود ہے،

''میرے دیکھتے ہُوئے تخت لگائے گئے اور قدیم الایام بیٹھ گیا۔ اُس کا لِباس برف سا سفید تھا اور اُس کے سر کے بال خالِص اُون کی مانِند تھے۔ اُس کا تخت آگ کے شُعلہ کی مانِند تھا اور اُس کے پہیے جلتی آگ کی مانِند تھے'' (دانی ایل 9:7)

یہاں پر یہ بیان ہوا ہے کہ خدا کے سر کے بال سفید ہیں۔ مکاشفہ 1:5 میں بیان کیا گیا ہے کہ خدا کے ہاتھ ہیں۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری مانند ہی ہے یا شاید یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ہم ہمارا خدوخال اُس کی مانند ہے۔ لیکن کیا ہم صرف جسمانی طور پر ہی خدا کی شبیہ پر خلق ہوئے ہیں؟ جب ہم بائبل مقدس میں سے پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم دیگر معاملات میں بھی اُس کی مانند ہیں۔ خدا میں احساس ہے، ہم میں بھی احساس ہے؛ خدا محبت کرتا ہے، ہم بھی محبت کرتے ہیں؛ خدا کو دُکھ ہوتا ہے، ہمیں بھی دُکھ ہوتا ہے۔ ہماری طرح اُس کے بھی جذبات ہیں لیکن بائبل مقدس میں ہمیں یہ بھی سکھایا گیا ہے کہ ہم رُوحانی طور پر بھی خدا کی مانند ہیں۔ جب مَیں اُس کی مانند کہتا ہوں تو میری مراد یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم اُس کے برابر ہیں۔ بیشک ہم اُس سے کمتر، بلکہ اُس کے سامنے ہماری کوئی اوقات نہیں ہے مگر یہ بات تو ہے کہ ہم جسمانی، ذہنی اور رُوحانی طور پر کسی کی شبیہ پر ہیں۔ ہمیں اپنے خالق کی شبیہ پر خلق کیا گیا ہے۔

اس کا منطقی خلاصہ یہ ہے کہ انسان کے بارے میں جان کر ہمیں اس بات کا علم ہوتا ہے کہ خدا کیسا ہے۔ اہم بات جس کے بارے میں ہم پہلے ہی سیکھ چکے ہیں کہ انسان بدن اور رُوح کا مجموعہ ہے اور یہ دونوں مل کر انسان بنتا ہے، یہ کوئی دو مختلف لوگ نہیں ہیں۔ آیئے ایک اور آیت پڑھتے ہیں جس میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے:

''اور نبُوکدنضر نے اپنی سلطنت کے دُوسرے سال میں ایسے خواب دیکھے جن سے اُس کا دِل گھبرا گیا اور اُس کی نیند جاتی رہی'' (دانی ایل 2:1)

یہاں پر کہا گیا ہے کہ نبوکدنضر نے ایک خواب دیکھا جسے دیکھ کر وہ گھبرا گیا۔ ''اُس کا دل گھبرا گیا'' اس سے کیا مراد ہے؟ کیا یہ اُس کا سانس تھا جو گھبرا گیا؟ بیشک ایسا نہیں ہے! کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اُس کی ٹانگیں کانپنے لگیں؟ بالکل نہیں! کیا وہ پسینے میں شرابور ہو گیا؟ بالکل نہیں! کون گھبرا گیا؟ وہ ذہنی طور پر گھبرا گیا! وہ اندرونی طور پر گھبرا گیا۔ یہاں پر ہم دیکھتے ہیں کہ کیسے بائبل مقدس میں 'رُوح' کے لفظ کا استعمال ہوا ہے، یہ فرد کے حوالے سے بیان ہوا ہے۔ اِسے انسان کی اندرونی حالت یعنی اُس کی سوچ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت کو پڑھ کر کوئی بھی یہ نہیں سمجھے گا کہ نبوکدنضر کا دوست یا بھائی گھبرا گیا۔ ہمیں معلوم ہوگا کہ نبوکدنضر ہی اندرونی طور پر گھبرا گیا۔ اپنے خالق کی فطرت کے بارے میں جاننے کے لیے ہمارے لیے اس بات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ آیئے اب 1 کرنتھیوں 2:11 کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یوں مرقوم ہے،

''کیونکہ اِنسانوں میں سے کون کسی اِنسان کی باتیں جانتا ہے سِوا اِنسان کی اپنی رُوح کے جو اُس میں ہے؟ اِسی طرح خُدا کے رُوح کے سِوا کوئی خُدا کی باتیں نہیں جانتا'' (1 کرنتھیوں 2:11)

کوئی بھی یہ نہیں جانتا کہ انسان میں اُسکی رُوح کے سوا کیا ہے۔ کیا کوئی کسی دوسرے انسان کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ وہ کس کی مانند ہے؟ مَیں اندرونی طور پر کیسا انسان ہوں؟ کیا مَیں واقعی مسیحی ہوں؟ لوگوں کی عدم موجودگی میں مَیں کیسا دکھائی دیتا ہوں؟ خدا کے علاوہ صرف مَیں ہی ہوں جو خود کو اندرونی طور پر جانتا ہوں۔ لیکن کیا مَیں اپنے جسمانی بدن کے ذریعے اپنے آپ کو اندرونی طور پر جانتا ہوں؟ بالکل نہیں! اپنی سوچ، اپنی رُوح کے ذریعے مَیں اپنے آپ کو جانتا ہوں۔ کسی انسان کے بارے میں اُس کی اپنی رُوح کے علاوہ کوئی بھی انسان نہیں جانتا۔

اب ان آیات میں یوں کہا گیا ہے ''اِسی طرح خُدا کے رُوح کے سِوا کوئی خُدا کی باتیں نہیں جانتا''۔ اس آیت میں واضح طور پر دو چیزوں کا موازنہ کیا جا رہا ہے۔ اس میں بیان کیا جا رہا ہے کہ انسانی رُوح انسان کی باتیں

جانتی ہے اور خدا کی رُوح خدا کی باتیں جانتی ہے اور یہ بائبل مقدس کی سب سے واضح آیت ہے جس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ خدا کی رُوح کیسی ہے۔ اس کے علاوہ اس آیت کا کیا مطلب نکلتا ہے کہ انسانی رُوح کوئی الگ انسان نہیں ہوتی اور خدا کی رُوح خدا سے الگ نہیں ہوتی۔ پولس یوں کہہ رہا ہے کہ ''جیسے خدا کی رُوح کا خدا کے ساتھ تعلق ہے اُسی طرح انسان کی رُوح کا انسان سے تعلق بنتا ہے۔'' انسان کی رُوح کوئی الگ ہستی نہیں ہوتی اور اِسی طرح سے خدا کی رُوح بھی اُس سے الگ نہیں ہوتی۔ لہٰذا خدا کی رُوح اور انسان کی بھی رُوح ہے۔ خدا کی رُوح ہی خدا ہے مگر اُس کا بدن خدا نہیں ہے۔ انسان کی رُوح ہی انسان ہے مگر اُس کا بدن انسان نہیں ہے۔ اگر ہم اس سچائی کو سمجھ لیں تو ہم اُس اہم بٹن پر اُنگلی رکھ دیتے ہیں جس کی مدد سے ہم راستبازی بذریعہ ایمان کے موضوع کو سمجھ سکتے ہیں۔

آیئے ایسے چند مزید حقائق پر غور کرتے ہیں جن کی مدد سے ہم اس بات کو اور گہرائی سے جان سکیں گے کہ خدا کی رُوح کیا ہے۔ 1 سلاطین باب نمبر 8 میں ہمیں ایک ایسا واقعہ ملتا ہے جب سلیمان ہیکل کی مخصوصیت کر رہا ہے۔ آیت نمبر 27 میں سلیمان خدا کی ہر جگہ موجودگی کا ذکر کرتا ہے یعنی وہ بیک وقت ہر جگہ موجود ہوتا ہے۔

''لیکن کیا خدا فی الحقیقت زمین پر سکونت کرے گا؟ دیکھ آسمان بلکہ آسمانوں کے آسمان میں بھی تُو سما نہیں سکتا تو یہ گھر تو کچھ بھی نہیں جسے مَیں نے بنایا'' (1 سلاطین 8:27)

سلیمان جانتا تھا کہ خدا آسمان پر تخت نشین ہے مگر پھر بھی اُس نے یوں کہا ''دیکھ آسمان بلکہ آسمانوں کے آسمان میں بھی تُو سما نہیں سکتا''۔ اُس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ''جو ہستی تخت پر بیٹھی ہوئی ہے صرف وہی خدا نہیں ہے۔ خدا کا ایک اندیکھا حصہ بھی ہے، اُس میں ایسی قدرت ہے جس کے ذریعے وہ ہر جگہ موجود رہتا ہے اور کل کائنات میں اُس کی رسائی ہوتی ہے۔''

ایک مرتبہ میری کسی بھائی سے بات ہو رہی تھی تو اُس نے کہا ''خدا ہر جگہ موجود ہے مگر وہ شخصی طور پر ہر جگہ موجود نہیں۔ وہ اپنے اُن فرشتوں کے ذریعے ہر جگہ موجود رہتا ہے جنہیں وہ ہر جگہ بھیجتا ہے۔ فرشتے ہر جگہ موجود رہتے ہیں اور وہ سب کچھ دیکھ رہے ہوتے ہیں اور پھر وہ واپس جا کر یہ سارا ماجرا خدا کو سُناتے ہیں۔'' جب اُس نے ایسا کہا تو مَیں نے محسوس کیا کہ خدا کے بارے میں اُس کی سوچ بہت محدود ہے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ بے شمار مسیحیوں کا یہی نظریہ ہے۔ اگرچہ وہ ایمان رکھتے ہیں کہ خدا اپنے پاک رُوح کے ذریعے ہر جگہ موجود ہوتا ہے مگر وہ یہ سوچتے ہیں کہ رُوح القدس باپ سے علیحدہ ایک ہستی ہے! درحقیقت یوں تو باپ ہر جگہ موجود نہیں ہوتا، وہ تو رُوح القدس ہر جگہ موجود ہوتا ہے

جو باپ سے علیحدہ ہستی ہے۔ یوں اُن کے خیال میں باپ کی قدرت محدود ہے اور وہ صرف آسمان پر اپنے تخت پر ہی موجود رہتا ہے۔ یرمیاہ نبی بھی سلیمان کی مانند یہی کہتا ہے۔

''خداوند فرماتا ہے کیا مَیں نزدیک ہی کا خدا ہوں اور دُور کا خدا نہیں؟ کیا کوئی آدمی پوشیدہ جگہوں میں چھپ سکتا ہے کہ مَیں اُسے نہ دیکھوں؟ خداوند فرماتا ہے کیا زمین و آسمان مجھ سے معمور نہیں ہیں؟ خداوند فرماتا ہے۔'' یرمیاہ 23:23-24

اب غور فرمائیں کہ خدا یہ نہیں کہتا کہ وہ صرف آسمان اور زمین میں ہی رہتا ہے بلکہ آسمان و زمین اُس سے معمور ہیں اور وہ کائنات کے ہر حصہ میں موجود ہے۔ یہ کیسی ہستی ہے؟ جب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ ہم کتنے حقیر ہیں اور خدا کتنا عظیم ہے۔ خدا نے اس حقیقت کو بائبل مقدس میں کئی مقامات پر بیان کیا ہے۔ متی 10:29-30 میں یوں مرقوم ہے،

''کیا پیسے کی دو چڑیاں نہیں بکتیں؟ اور اُن میں سے ایک بھی تمہارے باپ کی مرضی بغیر زمین پر نہیں گر سکتی۔ بلکہ تمہارے سر کے بال بھی سب گِنے ہوئے ہیں'' (متی 10:29-30)

مَیں یہ نہیں جانتا کہ ہر روز کتنے پرندے مر جاتے ہیں۔ جب میں انجان لڑکا تھا تو مَیں نے بھی کئی پرندوں کو مارا تھا۔ خدا اُن سب پرندوں کے بارے میں جانتا ہے جنہیں مَیں نے مارا ہے۔ حتیٰ کہ بے شمار کیڑے مکوڑے تو چلتے پھرتے ہوئے ہمارے پاؤں کے نیچے آ کر مر جاتے ہیں۔ خدا اُن سب کو جانتا ہے۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ خدا نے ہمارے سر کے بال بھی گِنے ہوئے ہیں۔

میرے سر پر کتنے بال ہے؟ پوری کائنات کے لوگوں کے سر کے بالوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ کیا خدا واقعی جانتا ہے کہ ہر ایک انسان کے سر پر کتنے بال ہیں؟ یہ بڑا حیران کُن علم ہے۔ ہم اِس بات کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

لیکن سوال یہ ہے کہ خدا یہ سب کیسے جانتا ہے؟ وہ کیسے حساب کتاب رکھتا ہے؟ ایسا اس لیے ہے کیونکہ وہ اپنی ساری مخلوق کے ساتھ شخصی اور انفرادی طور پر رابطہ رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ہر جگہ موجود رہتا ہے! اپنی رُوح کے ذریعے ہی وہ ہر جگہ موجود رہتا ہے! اس بارے میں سوچنا بہت اچھا لگتا ہے۔ یہی تو ایسا خیال ہے جس کی مدد سے انسان موت اور خوف کے سایہ کی وادی میں سے گزرتے ہوئے بھی نہیں ڈرتا!

لیکن آیئے اس حقیقت پر غور کرتے ہیں: اگر خدا باپ سے اُس کی رُوح جُدا ہو جائے تو کیا اس کا مطلب

یہ ہوگا کہ خدا باپ ہم میں موجود نہیں رہا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں پر خدا کی بجائے وہ تیسری ہستی موجود ہے اور کیا اِس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ یہاں خدا باپ خود موجود نہیں ہے؟ یوں تو تثلیث کا سب سے طاقتور رُکن رُوح القدس ہی ہوگا۔ یوں یہ ہمیں خدا کے جلال سے محروم کر دیتا ہے مگر اس سے بڑی بات یہ ہے کہ عملی طور پر یہ خدا باپ کے ساتھ ہمارا رشتہ توڑ دیتا ہے۔

کافی سال پہلے تک مَیں بھی ایسی باتیں سوچتا تھا اور چونکہ مَیں رُوح القدس کو ایک ہستی کے طور پر مانتا ہوں اس لیے مَیں یہ جواز پیش کرتا تھا ''اگر مَیں باپ اور بیٹے سے دُعا مانگتا ہوں تو مجھے رُوح القدس سے دُعا کیوں نہیں مانگنی چاہیے؟'' لہٰذا مَیں نے رُوح القدس سے دُعا مانگنا شروع کر دیا۔ جب مَیں نے ایسا کرنا شروع کر دیا تو مجھے احساس ہوا کہ مجھ میں رُوحانی بگاڑ پیدا ہونا شروع ہو گیا ہے۔ دُعا کرتے ہوئے مجھے خدا کی حضوری کا احساس نہیں ہوتا تھا اور جب مَیں نے غور کیا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے تو مجھے اس بات کا احساس ہوا:

مَیں باپ کے بارے میں جانتا ہوں، بائبل مقدس بتاتی ہے کہ وہ کیسا ہے۔ باپ کون ہے اُس کی تصویر میرے دماغ میں موجود ہے۔ مَیں بیٹے کو بھی جانتا ہوں، بائبل مقدس میں بیٹے کے متعلق بھی بتایا گیا ہے مگر مَیں رُوح القدس کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ بائبل مقدس ہمیں رُوح القدس کے بارے میں کیا بتاتی ہے؟ اس میں رُوح القدس کو پانی، آگ، تیل، کبوتر اور آندھی کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اِن میں سے کسی کے بارے میں بھی مَیں نہیں جانتا۔ مَیں کسی ایسی ہستی سے دُعا کرنے کی کوشش کر رہا تھا جس کے بارے میں مَیں جان نہیں سکتا تھا۔ اِسی لیے تو مجھ میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی!

جب مَیں اس بات کو سمجھ گیا تو مَیں نے یہ بات بھی سمجھ لی۔ آج ایسی بہت سی کلیسیاؤں میں جہاں پر رُوح القدس کی عبادت پر زور دیا جاتا ہے وہاں عموماً بے ترتیبی اور عجیب بدمزگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ لوگ اُچھلتے کودتے ہیں، شور مچاتے ہوئے زمین پر لیٹتے ہیں اور بے ترتیبی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کیوں؟

کیا یسوع کبھی عبادت کے دوران اُچھلا کرتا تھا یا زمین پر لیٹا کرتا تھا؟ یسوع نہیں بلکہ بدرُوح گرفتہ لوگ ہی ایسا کیا کرتے تھے۔ اور خدا باپ کے متعلق کیا خیال ہے؟ ہم جانتے ہیں کہ وہ باترتیب اور حکمت کے ساتھ بات کرتا ہے۔ لیکن جب مسیحی لوگ کسی ایسی ہستی کی عبادت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے بارے میں وہ کچھ نہیں جان سکتے تو پھر ایسے مسائل رونما ہوتے ہیں۔ وہ اس ''تیسری ہستی'' یعنی رُوح القدس کے متعلق کیا کچھ جانتے ہیں؟

اس کے بارے میں وہ محض یہ جانتے ہیں کہ اِسے قوت حاصل ہے! وہ اِس کے متعلق بس یہی کچھ جانتے ہیں۔ وہ بغیر کردار والی قوت کو جانتے ہیں اور وہ ایسی قوت کو جانتے ہیں جس کی اپنی ہستی نہیں ہے! یوں وہ اِس سے صرف یہی چاہتے ہیں کہ وہ اِنہیں کردار کی بجائے قوت مہیا کرے۔ جب ایسے خدا کی عبادت کی جائے جس کے متعلق جاننا مشکل ہو تو اس کے نتائج ایسے ہی نکلتے ہیں۔

لیکن جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ رُوح القدس خدا باپ کی رُوح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے خدا شخصی طور پر موجود ہوتا ہے، پھر ہم کبھی بھی بے ترتیبی کا مظاہرہ نہیں کریں گے کیونکہ ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہم میں کس ہستی کی حضوری ہے۔

بطورِ انسان ہم خیالی طور پر دُنیا کی کسی بھی جگہ کا دورہ کر سکتے ہیں۔ جب ہم اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے تو ہم دُنیا کی کسی بھی جگہ کو تصوراتی طور پر دیکھ سکتے ہیں مگر ہم جانتے ہیں کہ ایسا حقیقی طور پر نہیں ہوتا۔ جو تصاویر ہم دیکھتے ہیں، جن چیزوں کا ہم تجربہ محسوس کرتے ہیں ہمارے ذہنوں سے جاتا رہتا ہے۔ مگر ہم صرف تصور ہی کر سکتے ہیں مگر خدا سب کچھ کر سکتا ہے، بے شک ہم اُس کی شبیہ پر بنے ہیں مگر وہ ہم سے کہیں بڑھ کر کر سکتا ہے! ہم صرف اُس کے طرزِ زندگی کا تصور ہی کر سکتے ہیں۔ یوں تو وہ ایک ہی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے مگر اُس کی زندگی، اُس کی قوت، اُس کی شخصیت کائنات کے ہر حصے میں گردش کرتی ہے۔ خدا کی ہر جگہ موجودگی والی اِسی خوبی کو بائبل مقدس رُوح القدس کے طور پر بیان کرتی ہے۔

آیئے مزید ایک حوالے کا ذکر کرتے ہیں۔ زبور 139:7 میں یوں لکھا ہے،

''مَیں تیری رُوح سے بچ کر کہاں جاؤں یا تیری حضوری سے کِدھر بھاگوں؟'' (زبور 139:7)

یہاں پر داؤد یہ واضح کرتا ہے کہ خدا کا رُوح اور خدا کی حضوری ایک ہی ہے۔ داؤد جانتا تھا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے اور ایسی کوئی بھی جگہ نہیں ہے جہاں پر وہ جا کر خدا کی حضوری سے چھپ سکے۔ اس بات کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اِسے سمجھنے کے بعد خدا کے ساتھ ہمارا تعلق تبدیل ہو جائے گا اور ہمارا عبادتی طریقہ کار بھی بدل جائے گا۔ یوں ہمیں ایسی بنیاد ملے گی جس کی مدد سے ہم مسیح کے ذریعے راستبازی والی سچائی کو حقیقی طور پر سمجھ سکیں گے۔

اس ایک آیت میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ 1 کرنتھیوں 17:6 میں یوں مرقوم ہے،

''اور جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے وہ اُس کے ساتھ ایک رُوح ہوتا ہے'' (1 کرنتھیوں 17:6)

آیئے غور کرتے ہیں کہ اس آیت میں کیا کہا جا رہا ہے۔ لوہے کے دو ٹکڑوں کو ہم کیسے جوڑ سکتے ہیں؟ ہم ایسا ویلڈنگ کرتے ہوئے کر سکتے ہیں۔ ہم دو پودوں کو آپس میں کیسے جوڑ سکتے ہیں؟ پیوند کاری کرتے ہوئے۔ مگر دو رُوحیں کیسے جُڑ جا سکتی ہیں؟ اس بارے میں صرف خدا ہی جانتا ہے! مگر خدا فرماتا ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ ہم لوہے کے دو ٹکڑوں کو آپس میں جڑے ہوئے دیکھ سکتے ہیں اور ہم پیوند کاری کے ذریعے دو پودوں کا ایک ہونا بھی دیکھ سکتے ہیں مگر جب دو رُوحیں آپس میں متحد ہوتی ہیں تو ہم اُنہیں دیکھ نہیں سکتے۔ بہر حال خدا فرماتا ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ خدا کی رُوح انسان کی رُوح کے ساتھ متحد ہو جاتی ہے۔ یہ بائبل مقدس کی سب سے شاندار سچائیوں میں سے ایک ہے۔ اس وسیلے کی بدولت انسان خدا کی زندگی کا حصہ دار بن جاتا ہے۔

باب نمبر 6

مسیح میں زندگی

زندگی کیا ہے؟ کوئی بھی انسان اس سوال کا بالکل درست جواب نہیں دے سکتا۔ اگر بنی نوع انسان اس سوال جواب دے سکتا تو پھر شاید وہ زندگی کو بھی بنا لیتا۔ لیکن اچھی بات یہ ہے کہ ہم صرف اس کی خصوصیات کی وضاحت ہی کر سکتے ہیں اور یہ بتا سکتے ہیں کہ یہ کیسے ظاہر ہوتی ہے۔

بہر حال یہ بڑا اہم سوال ہے کیونکہ بائبل مقدس میں بار بار اِسی بات کو بیان کیا جاتا ہے کہ زندگی کی عدم موجودگی انسان کا بڑا مسئلہ ہے۔ اِسے مردہ کہا گیا ہے اور اِسے زندگی کی ضرورت ہے۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ہماری موجودہ زندگی ہمیں یسوع مسیح کی طرف سے ملی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی ہمیں کچھ ملا ہے یا یہ محض بائبل مقدس میں اِسے محض تشبیہی اصطلاح کے طور پر بیان کیا گیا ہے؟

جب انسان کو زندگی ملتی ہے تو اُسے کیا حاصل ہوتا ہے؟ مثلاً آیئے لعزر کی مثال پر غور کرتے ہیں جب وہ مر گیا تھا۔ اُس میں سے کونسی چیز کم ہوگئی تھی؟ کس وجہ سے وہ بے حس و حرکت پڑا تھا؟ کس وجہ سے اُس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا اور اُس کا بدن بے حس و حرکت ہو گیا اور وہ محض مٹی کے پُتلے کی علاوہ کچھ نہ رہا؟ اُس میں کس چیز کی کمی ہوگئی؟ کیا وہ ایک برقی لہر تھی جو اُس کے پھیپھڑوں کو آکسیجن مہیا کر رہی تھی؟ ہم جانتے ہیں کہ یہ اس سے بھی قدرے بہتر چیز ہے! بجلی اور کائنات میں موجود ساری ہوا بھی مل کر کسی مردہ شخص کو زندہ نہیں کر سکتی۔ زندگی ایک ایسا جز ہے جو صرف خدا کے پاس ہے اور اِسے وہی مہیا کر سکتا ہے۔ ہم اس کے متعلق تو نہیں جانتے مگر ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ یہ ہے اور یہ حقیقی طور پر موجود ہے۔

جب کوئی بھی پیدا ہوتا ہے تو ہم اِس کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کی تصدیق کرنے کے لیے اس میں کچھ اہم علامات کا جائزہ لیتے ہیں۔ جانوروں کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں کہ کیا وہ اپنے طور پر حرکت کر رہے ہیں اور ردعمل کا مظاہرہ کر رہے ہیں، یوں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ واقعی کچھ کرنے کی سکت رکھتا ہے۔ اگر ایسی باتیں ظاہر ہو جائیں تو پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ زندہ ہے۔ اگر اُس میں یہ باتیں ظاہر نہ ہوں تو ہم کہتے ہیں کہ یہ مردہ ہے۔

زندگی کی اقسام

زندگی چاہے جیسی بھی ہو پودوں، انسانوں، جانوروں، حشرات، پرندوں، مچھلیوں، جاندار چیزوں میں یہ پائی جاتی ہے۔ اگر ہم اس کی بنیادی تعریف پر غور کریں تو ہمیں یہ پتہ چلے گا کہ اِن سب میں ایک جیسی زندگی پائی جاتی ہے۔ جیسی قوتی لہر چیونٹی میں پائی جاتی ہے ویسی ہی قوتی لہر انسان میں بھی زندگی پیدا کرتی ہے۔ تاہم ایک بات تو یقینی ہے کہ زندگی مختلف جانداروں میں مختلف انداز سے ظاہر ہوتی ہے، اس لحاظ سے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کی مختلف اقسام ہیں۔

کوئی بھی پرندہ پیدائش سے ہی پرندوں جیسا ہوتا ہے یعنی مچھلی، مچھلیوں جیسا کتا، کتوں جیسا اور انسان، انسان جیسا برتاؤ کرنا شروع کر دے گا۔ کچھ ایسے خصوصی رویے ہوتے ہیں جنہیں سیکھنا نہیں پڑتا کیونکہ وہ زندگی میں فطری طور پر پائے جاتے ہیں اور وہ متعلقہ جانداروں کا اتنا اہم حصہ ہوتے ہیں جن کی بنا پر زندگی گزاری جاتی ہے۔ بالفاظِ دیگر زندگی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے بارے میں سیکھنا پڑے یا جسے خود مرتب کرنا پڑے۔ زندگی پیدائشی طور پر ملتی ہے، یہ پیدائش کے وقت سے ہی موجود ہوتی ہے اور اس میں وہ سبھی خوبیاں پائی جاتی ہیں جن سے یہ انداز ہوتا ہے کہ یہ جاندار کیسا برتاؤ کرے گا اور یہ کس قسم کی مخلوق ہوگا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ وہ کتنی اچھی کوشش کرتا ہے اور کتنا اچھا سیکھتا ہے مثلاً کتا کبھی بلی نہیں بن سکے گا۔ اگر بھرپور کوشش کر کے کتے کو بلی کے طور پر رویہ اپنانا سکھا لیا جائے تو اس کے نتیجے میں وہ کتا بڑا پریشان اور غیر فطری سا دکھائی دے گا!

رُوحانی اور جسمانی زندگی

رُوحانی زندگی کو کئی انداز سے سمجھا جا سکتا ہے، لہٰذا آیئے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ جب ہم رُوحانی زندگی کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہمارا کہنے کا کیا مطلب ہے۔ اِسے رُوح کی موجودگی کے طور پر بھی بیان کیا جا سکتا ہے، یہ زندگی کی قسم اور خوبی ہے جو ہر کسی میں پائی جاتی ہے۔ اِس تعریف کے مطابق تمام زندگیوں بشمول خدا، فرشتے اور بدرُوحوں میں بھی رُوحانی زندگی پائی جاتی ہے۔ یہ زندہ رہنے کی ایک قسم ہے جو کہ غیر جسمانی ہے۔ تاہم، جس رُوحانی زندگی کی مَیں بات کر رہا ہوں یہ وہ رُوحانی زندگی نہیں ہے۔

اب اور یہاں اپنی جسمانی حالت میں انسان کے لیے ایسا ممکن ہے کہ وہ اُس خاص زندگی کو حاصل کرے جس کی ہم یہاں بات کر رہے ہیں اور جس پر ابھی ہم غور بھی کر رہے ہیں۔ ہم اس رُوحانی زندگی کی وضاحت کیسے

کرتے ہیں؟ جس خاص قسم کی زندگی کی ہم بات کر رہے ہیں وہ خدا اُن سب لوگوں کو عطا فرماتا ہے جو مسیح کے تابع ہوتے ہیں۔ یہ زندگی ہمیں رُوحانی طور پر متاثر کرتی ہے، یوں یہ ہمارے بدن کی بجائے ہماری سوچوں کو متاثر کرتی ہے۔ اِسی لیے ہم اِسے رُوحانی زندگی کہتے ہیں۔ یہ زندگی یسوع مسیح کے ذریعے خدا کی طرف سے بطورِ انعام ملتی ہے اور اِسے کسی بھی ذریعے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔

جو سب سے اہم بات ہمیں سمجھنی چاہیے وہ اس زندگی کی فطرت اور اس کی حقیقت ہے۔ یہ بات سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اِس زندگی کو کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے اور کیسے اِس کی قدر کی جا سکتی ہے۔

کیا رُوح اور زندگی ایک ہی چیز ہے؟

''غرض جیسے بدن بغیر رُوح کے مُردہ ہے ویسے ہی ایمان بھی بغیر اعمال کے مُردہ ہے'' (یعقوب 26:2)

ایسی کونسی چیز ہے جو انسان کو مردہ کر دیتی ہے؟ بائبل مقدس فرماتی ہے کہ رُوح کی عدم موجودگی انسان کو مردہ کر دیتی ہے۔ یہ بات ہمیں پیدایش 7:2 میں ملتی ہے جب انسان کو زندگی ملی۔ اس میں یوں لکھا ہے کہ خدا نے انسان کے نتھنوں میں ''زندگی کا دم'' یا ''رُوح'' پھونکا اور اِس کی وجہ سے انسان جیتی جان ہوا۔ بائبل مقدس مسلسل اُس رُوح کی بات کرتی ہے جو انسان کو زندگی بخشتی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں۔

''اُس کی رُوح پھر آئی اور وہ اُسی دم اٹھی۔ پھر یُسوع نے حُکم دیا کہ لڑکی کو کچھ کھانے کو دیا جائے'' (لوقا 55:8)

''پھر یُسوع نے بڑی آواز سے پکار کر کہا اے باپ! میں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں اور یہ کہہ کر دم دے دیا'' (لوقا 46:23)

''پس یہ ستفنس کو سنگسار کرتے رہے اور وہ یہ کہہ کر دُعا کرتا رہا کہ اے خُداوند یسوع! میری رُوح کو قبول کر'' (اعمال 59:7)

ان آیات میں اور ایسی مزید بیشمار آیات میں ہم اس تعلیم کو واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ رُوح (یہ جو بھی ہو) ایسا لازمی جُز ہے جو انسان کو جیتی جان بناتا ہے۔ جب رُوح نکل جاتی ہے تو انسان مر جاتا ہے اور جب رُوح واپس آ جاتی ہے تو انسان میں زندگی لوٹ آتی ہے۔

بے شک ایسے بے شمار مسیحی ہیں جو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ رُوح ایک ایسی ہستی ہے جو انسان کے مر جانے

کے بعد بھی شعوری طور پر موجود رہتی ہے۔ وہ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اگر چہ بدن کام کرنا بند کر دیتا ہے مگر رُوح زندہ رہتی ہے اور وہ غیر جسمانی حالت میں کام کرتی رہتی ہے۔ یہ جھوٹا نظریہ ہے، یہ بائبل مقدس پر مبنی نہیں ہے اور بہت سے جھوٹے عقائد کی بنیاد اِسی نظریے پر ہے جیسے کہ یہ تعلیم دینا کہ مر کر انسان فوری طور پر آسمان پر اپنا اجر پانے یا ابدی جہنم کی آگ میں چلا جاتا ہے۔ اس میں یہ بھی ایمان رکھا جاتا ہے کہ مردہ لوگوں سے بات چیت کرنا ممکن ہے یا اس سے بھی خطرناک بات یہ سمجھنا ہے کہ خدا کی رُوح خدا اور یسوع سے لاتعلق ہو کر انسان کے اندر رہتی ہے۔

ایسے جھوٹے نظریات کی وجہ سے کچھ لوگ انتہائی خطرناک راستے پر چل نکلتے ہیں۔ وہ رُوح کو عمومی خیالات اور نظریات تک محدود کر دیتے ہیں اور اس بات کو نہیں مانتے ہیں کہ رُوح ایسا حقیقی عنصر ہے جو قوت کی ایک قسم ہے یعنی یہ ایسا عنصر ہے جس کی ہم وضاحت نہیں کر سکتے۔ یہ دونوں نظریات غلط ہیں اور یہ بائبل مقدس کی تعلیم کے منافی ہیں۔ اِن میں کسی بھی نظریے کو ماننے سے ہم ایسے راستے پر چل نکلیں گے جو بالآخر ہمیں مجبور کرے گا کہ ہم اُس راستے پر مزید آگے بڑھتے بڑھتے سچائی سے دُور چلے جائیں۔

اگر چہ ہم زندگی کی وضاحت نہیں کر سکتے ہیں مگر ہم یہ ضرور جانتے ہیں کہ یہ ہم میں موجود ہے۔ زندگی حقیقی اور ظاہری چیز ہے اور ہماری رُوح ہی ہماری زندگی ہے۔ خدا کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔ خدا کی زندگی کو خدا کی رُوح کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

انسان کی فطرت

راستبازی بذریعہ ایمان کے حوالے سے غلط فہمی اور نا اتفاقی کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت کے بارے میں ایک عجیب سی کشمکش پائی جاتی ہے اور یہی کشمکش انسان کی فطرت کے بارے میں بھی ہے۔ کچھ لوگ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ انسان کا مسئلہ جسمانی ہے اور اِسی طرح سے وہ یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اس کا حل بھی جسمانی ہے۔ وہ یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ انسان اس وجہ سے گناہ کرتا ہے کیونکہ یہ کمزور، گناہ میں گرا ہوا اور گنہگارانہ بدن رکھتا ہے جو اُسے وراثتی طور پر آدم سے ملا ہوا ہے۔ اُن کا یہ ماننا ہے کہ مسیح کی مدد سے اگر ہم اپنے بدنوں کو سزا دیں تو ہم گناہ کرنے سے باز رہیں گے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت دو طرح کی ہے۔ یہ جسمانی اور رُوحانی ہے۔ انسان رُوح اور بدن یعنی سوچ اور جسم پر مشتمل ہے۔ انسان کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ ایسی کونسی بات ہے جو انسان کو گناہ کا غلام اور خدا کا دشمن بناتی ہے؟

کیا یہ انسان کا بدن ہے یا رُوح؟ کیا اُس کا جسم یا اُس کی سوچ؟ غور فرمائیں کہ خدا اپنے کلام میں کیا فرماتا ہے؟

''اس لیے کہ جسمانی نیت خُدا کی دشمنی ہے کیونکہ نہ تو خُدا کی شریعت کے تابع ہے نہ ہوسکتی ہے''

(رومیوں 7:8)

یہ بات بڑی واضح ہے۔ انسان کا مسئلہ یہ ہے کہ اُس میں جسمانی نیت پائی جاتی ہے، اُس کی رُوح گناہ آلودہ ہے اور یہ اچھائی نہیں کرسکتی۔ مسئلہ اُس کے بدن میں نہیں ہے بلکہ مسئلہ اُس کی نیت میں ہے۔ انسان کا مسئلہ جسمانی نہیں بلکہ رُوحانی ہے اور اسے جسمانی سطح پر نہیں بلکہ رُوحانی سطح پر حل ہونا چاہیے۔

کیونکہ اندر سے یعنی آدمی کے دل سے بُرے خیال نکلتے ہیں۔ حرام کاریاں'' (مرقس 21:7)

یہ بات سچ ہے کہ اکثر اوقات بائبل مقدس بیان کرتی ہے کہ مسئلہ ''جسم'' یا بدن میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً رومیوں 8:8 میں یوں کہا گیا ہے کہ ''جسمانی'' خدا کو خوش نہیں کرسکتے۔ تاہم اس سے اگلی آیت یعنی رومیوں 9:8 میں یہ بتایا گیا ہے کہ دراصل اس میں جسم یا بدن کے بارے میں بات نہیں ہو رہی بلکہ اس میں جسمانی نیت یا جسمانی رُوح کی بات کی جارہی ہے، کیونکہ یوں لکھا ہے

''لیکن تم جسمانی نہیں بلکہ رُوحانی ہو بشرطیکہ خُدا کا رُوح تم میں بسا ہوا ہے۔ مگر جس میں مسیح کا رُوح نہیں وہ اُس کا نہیں'' (رومیوں 9:8)

اِسی طرح سے رومیوں 6:6 میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ مسیح کے ساتھ ہمارے اتحاد کی بدولت ''گناہ کا بدن'' بے کار ہو چکا ہے۔ لیکن یہ بات تو ہے کہ چاہے ہم مسیحی بن چکے ہیں لیکن پھر بھی ہمارے جسم اور گوشین بدن ہیں اور وہ اب بھی کمزور ہیں اور گناہ کے اثرات سے متاثر کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ بات تو ظاہر ہے کہ جب بائبل مقدس میں ''گناہ کے بدن'' کی بات ہوتی ہے تو یہ ہمارے جسمانی بدن کی بات نہیں کرتی بلکہ ہماری جسمانی نیت کی بات کرتی ہے جو کہ ہماری رُوح کا حصہ ہے اور یہی ہمارا اصل مسئلہ ہے۔

انسانی زندگی کی فطرت

انسانی زندگی یا انسانی رُوح کی کیا فطرت ہے؟ فطری طور پر انسان کی ایسی فطرت ہے جو کمزور، نفسانی اور وراثتی طور پر گناہ آلودہ ہے اور اپنی اس فطرت کو تبدیل کرنے کے بارے میں انسان اپنے طور پر کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ اِسے وراثتی طور پر ایسی ہی نفسانی اور گناہ آلودہ فطرت ملی ہے، انسان کو اِسی قسم کی زندگی عطا ہوئی ہے، یہ

گزشتہ چھ ہزار سالوں سے نسل در نسل چلتی ہوئی اِسے ایسی ہی ملی ہے۔ ہمارے طرزِ زندگی سے ہماری فطرت کا اظہار ہوتا ہے۔ جیسے ہمیں پیدایشی طور پر زندگی ملتی ہے اُسی طرح سے ہمیں فطرت بھی ملتی ہے۔ اِسی لیے تو کتے سے پیدا ہونے والا کتے کی طرح برتاؤ کرتا ہے اور سور سے پیدا ہونے والا سور کی مانند برتاؤ کرتا ہے کیونکہ اُنہیں وراثتی طور پر ایسی زندگیاں ملیں ہیں۔ اِسی طرح سے انسان ہمیشہ انسان کی مانند ہی برتاؤ کرتا ہے مگر اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ وہ بدی کرنے والے رجحان پر مبنی گنہگارانہ رویہ اپنائے گا کیونکہ اُسے یہ فطرت پیدایشی طور پر ملی ہے۔ اُس کی فطرت کا تعلق اُس میں پائی جانے والی زندگی یا رُوح سے ہے۔

اب ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ ہم میں گنہگارانہ فطرت یا گنہگارانہ رُوح پائی جاتی ہے اور ہمارا وجود جسمانی اور رُوحانی دونوں طریقوں سے اِسی فطرت پر مبنی ہے۔ جسمانی طور پر ہم بھی تمام بنی نوع انسان کی مانند پیدایشی طور پر کمزور پیدا ہوئے ہیں۔ رُوحانی طور پر بھی ہم ویسی ہی گناہ میں گری اور آلودہ فطرت کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں۔ جب تک انسان موجود ہے اُس میں گناہ میں گری ہوئی جسمانی رُوح یا فطرت موجود رہے گی اور یہ حقیقی طور پر گناہ کا مقابلہ کرنے کے لائق نہیں ہوگا۔ اس کائنات میں پائی جانے والی کسی بھی مخلوق کے لیے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ اپنی فطرت کے برعکس رویہ اپنائے۔ انسان نفسانی پیدا ہوا ہے اور یہ نفسانی زندگی ہی بسر کرے گا۔

جھوٹا مذہب

جھوٹے مذہب کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ جسمانی فطرت یا ظاہری اعمال پر زور دیتا ہے۔

اپنے جسم کو دُکھ پہنچانے، سختی سے اپنی تربیت سازی کرنے، مذہبی عقائد و رسومات اور ظاہری عبادات کرنے کے ذریعے انسان اپنی نفسانی فطرت کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر یہ عقیدہ سراسر غلط ہے۔ یہ عقیدہ شریعت پرستی کی بنیاد ہے یعنی ایسا مذہب جو اُصول پرست ہو۔ ایسے عقائد اِس نظریے کی جانب رہنمائی کرتے ہیں کہ انسان کو گناہ پر غلبہ پانے کے لیے جسمانی اور ذہنی طور پر مقرر کردہ شریعت کی تابعداری کرنی پڑے گی۔

بار بار یہی کہنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ انسان کا اصل مسئلہ ظاہری نہیں ہے۔ اُسے جسمانی طور نہیں بلکہ رُوحانی یا ذہنی طور پر تبدیل ہونا پڑے گا۔ اُسے نئی رُوح کی ضرورت ہے یعنی اُسے مسیح جیسی سوچ کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں؟ اگر ہمیں نئی رُوح کی ضرورت ہے تو یہ ہمیں کہاں سے حاصل ہوگی؟ کیا ہم اِسے خود سے پیدا کر سکتے ہیں؟ کیا ہم اُسے مرتب کر سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنی تاحیات کوشش سے اِسے پیدا کر سکتے ہیں؟ کیا ہم خود سے اور

اپنی کوششوں سے مسیح کی مانند بن سکتے ہیں؟ جی نہیں، بالکل بھی نہیں! بائبل مقدس فرماتی ہے کہ یہ ہمیں خدا کی طرف سے بطورِ تحفہ ہی ملتی ہوتی ہے۔ یہ مافوق الفطرت کام ہے، اِسے حاصل کرنا مکمل طور پر انسان کی دسترس سے باہر ہے۔ اگر ہم اِس نئی سوچ کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اِس کو ایمان کی بدولت مسیح سے بطورِ تحفہ حاصل کرنا چاہیے! اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ نہیں ہے۔ کسی بھی قسم کی انسانی کاوش کسی گنہگار کو مقدس نہیں بنا سکتی۔ کسی بھی قسم کی سختی انسان کی نفسانی سوچ کو رُوحانی سوچ میں تبدیل نہیں کر سکتی۔ نئی فطرت یا نئی قسم کی مخلوق مسیح میں خدا کی خصوصی مخلوق ہونی چاہیے۔

''...جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو وہ خُدا کی بادشاہی کو دیکھ نہیں سکتا۔...جب تک کوئی پانی اور روح سے پیدا نہ ہو وہ خُدا کی بادشاہی میں داخل نہیں ہو سکتا'' (یوحنا3:3-5)

انسانی گناہ کے مسئلے کا یہی حل ہے۔ اس مسئلے کا صرف یہی جواب ہے۔ جو بھی انسان ہمیشہ کی زندگی پانا چاہتا ہے اُسے نئے سرے سے پیدا ہونا پڑے گا کیونکہ صرف اِسی طریقے سے گناہ پر غلبہ پایا جا سکتا ہے۔ اُسے رُوحانی طور پر نئے سرے سے پیدا ہونا چاہیے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ یاد رکھیں کہ رُوح زندگی ہے۔ یسوع نے فرمایا ''انسان کی رُوح انسان کی زندگی ہے اور خدا کی رُوح خدا کی زندگی ہے۔'' یسوع یہ کہہ رہا تھا کہ گناہ کی قوت سے رہائی پانے اور خدا کی بادشاہت کے لائق ٹھہرنے کا واحد حل خدا کی زندگی یا رُوح کو حاصل کرنا ہے۔ اُسے ایسی فطرت کو حاصل کرنا چاہیے جو اُس کی اپنی گناہ آلودہ فطرت سے مکمل طور پر مختلف ہو۔

ایسے بے شمار لوگ ہیں جو اس شاندار سچائی سے ڈگمگا جاتے ہیں۔ کچھ لوگ یہ اصرار کرتے ہیں کہ انسان صرف ظاہری طور پر خدا کی زندگی میں حصہ دار بن سکتا ہے۔ اُن کی نظر میں یہ بات سوچنا کفر کے مترادف ہے کہ انسان اور خدا میں ایک ہی طرح کی زندگی ہے۔ اُنہیں اس بات کا خطرہ ہے کہ یوں انسان خودسر ہو سکتا ہے یا ایسی تعلیم سے انسان یہ سوچنے لگے گا کہ انسان اور خدا ایک جیسے ہی ہیں۔ لیکن اگر خدا کا کلام کسی بات کے متعلق واضح طور پر تعلیم دے رہا ہے تو پھر ہمیں اُسے ماننے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ بلکہ ہمیں بائبل مقدس کی تعلیم کو رد کرنے سے گھبرانا چاہیے۔ ہمیں خدا کے کلام کو نہیں بلکہ اپنی غلط فہمیوں کو رد کرنا چاہیے۔

''...مَیں اس لئے آیا کہ وہ زندگی پائیں اور کثرت سے پائیں'' (یوحنا10:10)

''کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا بدن رُوح القدس کا مقدس ہے جو تم میں بسا ہوا ہے اور تم کو خُدا کی طرف سے ملا ہے؟ اور تم اپنے نہیں'' (1 کرنتھیوں6:19)

''اور جو خداوند کی صحبت میں رہتا ہے وہ اُس کے ساتھ ایک رُوح ہوتا ہے'' (1 کرنتھیوں 17:6)

''مَیں اُن میں اور تُو مجھ میں تا کہ وہ کامل ہو کر ایک ہو جائیں'' (یوحنا 23:17)

بائبل مقدس میں ایسی درجنوں آیات ہیں جو اِسی سچائی کو بیان کرتی ہیں۔ مسیحی حقیقی طور پر خدا کے بچے بن جاتے ہیں کیونکہ اُنہیں خدا کی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ جب ہمارے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں تو کیا یہی بات نہیں ہوتی؟ وہ ہمارے بیٹے اور بیٹیاں اس لیے کہلاتے ہیں کیونکہ اُنہوں نے ہم سے زندگی حاصل کی ہوتی ہے اور اِسی وجہ سے وہ کئی باتوں میں ہمارے جیسے لگتے ہیں؟ لہٰذا خدا کا کلام ہمیں بتاتا ہے کہ ہم اس طریقے سے خدا کی مانند ہوتے ہیں یعنی ہم نئی مخلوق بن جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم میں خدا کی زندگی ہے اس لیے یہ زندگی گناہ نہیں کرتی۔

''جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا کیونکہ اُس کا تخم اُس میں بنا رہتا ہے بلکہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے'' (1 یوحنا 9:3)

یہی سچ ہے۔ انسان اس وجہ سے گناہ پر غلبہ نہیں پاتا کیونکہ اُس نے نیکی کرنے کی بھرپور کوشش کی ہوتی ہے۔ وہ اپنی مسلسل کوششوں اور جدوجہد کی بدولت آزمائشوں پر فتح حاصل نہیں کر پاتا۔

''کیونکہ مَیں جانتا ہوں کہ مجھ میں یعنی میرے جسم میں کوئی نیکی بسی ہوئی نہیں البتہ ارادہ تو مجھ میں موجود ہے مگر نیک کام مجھ سے بن نہیں پڑتے'' (رومیوں 18:7)

ایسے طریقے بے کار اور مایوس کُن ہوتے ہیں۔ اُن کی بدولت کبھی بھی فتح حاصل نہیں ہوتی کیونکہ ہم اپنی فطرت کے خلاف مزاحمت نہیں کر سکتے۔ صرف واحد اُمید یہ ہے کہ ہمیں نئی فطرت یا نئی زندگی مل جائے اور جب خدا ہمیں اپنا رُوح القدس عطا فرماتا ہے تو وہ ہمیں ایسی زندگی عطا کر دیتا ہے۔ صرف اُسی کی فطرت اور اُسی کی کامل زندگی ہے جسے گناہ چھو نہیں سکتا۔

''کیونکہ زندگی کے رُوح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا'' (رومیوں 2:8)

کلام یا رُوح؟

ایک اور بڑا اہم سوال ہے جو کہ جواب طلب ہے۔ ایسی کونسی چیز ہے جو کسی گنہگار انسان کو مقدس انسان بنا دیتی ہے: کیا یہ خدا کا کلام ہے یا خدا کا رُوح ہے؟ کیا خدا کا کلام اور خدا کا رُوح ایک ہی ہیں؟

یسوع نے فرمایا ''جو باتیں مَیں نے تُم سے کہیں ہیں وہ رُوح ہیں اور زندگی بھی ہیں'' (یوحنا6:63)۔اس سے یہ عقیدہ پیدا ہوسکتا ہے کہ مسیح ظاہری طور پر اپنے لوگوں میں نہیں ہوتا اور حقیقت میں خدا کی زندگی مسیحیوں کی زندگیوں سے متحد نہیں ہوتی۔ کچھ مسیحی یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ بائبل مقدس کی باتوں کا مطالعہ کرنے کی بدولت ہم تبدیل ہوتے ہیں۔ جب ہم بائبل مقدس کے خیالات حاصل کرتے ہیں تو وہ ہمارے خیالات کو تبدیل کر دیتے ہیں تا کہ ہمارے خیالات خدا کے خیالات کی مانند بن سکیں اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم میں مسیح کی زندگی ہے تو اس سے ہماری مراد یہی ہے یا ہماری سوچ اُس کی سوچ جیسی ہو جاتی ہے۔ یوحنا5:39 میں یسوع یوں کہتے ہیں،

''تُم کتابِ مقدس میں ڈھونڈتے ہو کیونکہ سمجھتے ہو کہ اس میں ہمیشہ کی زندگی تمہیں ملتی ہے...''

(یوحنا5:39)

اس جملے کے مطلب کو بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع یہ کہہ رہا ہے کہ ''تُم کتابِ مقدس میں ڈھونڈتے ہو...''۔ وہ اُنہیں حکم نہیں دے رہا تھا کہ تُم کتابِ مقدس میں سے ڈھونڈو بلکہ وہ اُن کی اس عادت پر بات کر رہا تھا کہ تُم یہ ایمان رکھتے ہوئے کتابِ مقدس میں سے ڈھونڈتے ہو کہ اِس میں سے تمہیں ہمیشہ کی زندگی ملتی ہے۔

یہودیوں کو کتابِ مقدس کا مطالعہ کرنا اچھا لگتا تھا مگر وہ ایسا کیوں کرتے تھے؟ اُن کا یہ خیال تھا کہ ہمیشہ کی زندگی اِسی میں پائی جاتی ہے۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ کلام کی باتوں پر ایمان رکھنے سے وہ خدا کی برکت حاصل کر سکیں گے۔ مگر یسوع اُنہیں کتابِ مقدس کے حقیقی مقصد کو بیان کرتا ہے،

''''...یہ وہ ہے جو میری گواہی دیتی ہے'' (یوحنا5:39)

کتابِ مقدس کا مقصد یسوع کی گواہی دینا ہے۔ یہودی لوگ یہ سوچتے ہوئے کتابِ مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں کہ یوں مطالعہ کرنے اور اِنہیں حفظ کرنے سے وہ ہمیشہ کی زندگی حاصل کر سکیں گے۔ تاہم، الفاظ ہمیں کبھی بھی زندگی مہیا نہیں کر سکتے۔ اِن باتوں کا مقصد ہماری رہنمائی مسیح کی طرف کرنا ہے، وہی حقیقی زندگی ہے اور صرف وہی ہمیں ہمیشہ کی زندگی مہیا کر سکتا ہے۔ جیسے کہ گلتیوں 3:24 میں پولس یوں لکھتا ہے ''پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا اُستاد بنی''۔ لہٰذا یسوع مزید یوں کہتا ہے،

''پھر بھی تُم زندگی پانے کے لیے میرے پاس آنا نہیں چاہتے'' (یوحنا5:40)

''یسوع نے اُس سے کہا کہ راہ اور حق اور زندگی مَیں ہوں'' (یوحنا14:6)

یہ کتنی افسوسناک تصویر ہے! یہودی لوگ کتابِ مقدس میں سے ڈھونڈتے تھے اور اِس میں سے مطالعہ کرتے تھے، وہ ہر ایک عقیدے کی وضاحت کر سکتے تھے اور وہ کلام کو زبانی یاد کرتے تھے، حتیٰ کہ وہ اس کے مختلف حصوں کو لکھ کر اپنے کپڑوں پر سلوا لیتے تھے یا پھر اِنہیں اپنے گھروں کی دیواروں پر آویزاں کر لیتے تھے۔ مگر وہ اس بات کو نہیں جانتے تھے کہ حقیقت میں کیا کچھ پڑھ رہے ہیں! اس سارے علم کا ایک ہی مدعا اور مقصد تھا کہ اُن کی رہنمائی مسیح تک کروائے۔ اگرچہ اُنہوں نے مسیح سے متعلقہ کلام کو یاد کیا ہوا تھا مگر اُنہوں نے مسیح کو رد کر دیا یعنی اُس زندہ حقیقت کو رد کر دیا جس کی طرف کلام رہنمائی کرتا ہے۔ پولس ہمیں یوں کہتا ہے،

''...کیونکہ اگر کوئی ایسی شریعت دی جاتی جو زندگی بخش سکتی تو البتہ راست بازی شریعت کے سبب سے ہوتی'' (گلتیوں 21:3)

مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔ الفاظ زندگی نہیں بخش سکتے۔ چاہے ہم اِنہیں کتنا ہی یاد کر لیں اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ ہم اِن کے بارے میں کتنا سوچتے ہیں، اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ وہ ہمیں کتنی اچھی طرح سے سچائی بیان کرتے ہیں مگر الفاظ ہمیں زندگی نہیں بخش سکتے۔ ہمیں تسلی دینے یا ہمیں تعلیم دینے یا ہمارے خیالات کو تقویت دلاتے ہوئے نہیں بلکہ صرف مسیح جو کہ خدا کا زندہ کلمہ ہے وہی ہمیں زندگی عطا کر سکتا ہے یعنی وہ ہم میں اپنی زندگی کا بیج بونے کے ذریعے اپنی زندگی بخش قوت یعنی رُوح القدس کی بدولت ہمیں خدا کی زندگی یا الٰہی فطرت کا حصہ دار بناتا ہے۔ تاہم دوبارہ سے پولس ہمیں یہ بتاتا ہے ''کیونکہ لفظ مار ڈالتے ہیں مگر رُوح زندہ رکھتی ہے'' (2 کرنتھیوں 6:3)۔ اور ''خداوند کے وسیلہ سے جو رُوح ہے'' (2 کرنتھیوں 17:3)۔

کلام ہمارے لیے اور ہماری زندگیوں کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ہمیں کلام کو پڑھنا چاہیے اور ہمیں اِسے سمجھنا بھی چاہیے مگر اس کی وجہ صرف یہی ہونی چاہیے کہ یہ ہمیں مسیح کی تلاش کرنے اور اُس میں قائم رہنے کے قابل بناتا ہے۔ صرف یسوع ہی ہمیں زندگی بخش سکتا ہے۔

خدا کا مکاشفہ

باب نمبر 7

خندہ پیشانی سے

گناہ کا سب سے خوفناک اثر یہ ہے کہ اس نے خدا کے بارے میں ہماری سوچ کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔ کئی صدیوں سے یہی المیہ ہے! بحالی کے منصوبے کا سب سے بڑا ہدف یہی ہے کہ خدا کے بارے میں اپنی سوچ کو درست کیا جائے۔ اس خطرناک بربادی کا ثبوت ہمارے ابتدائی والدین کی نافرمانی کے بعد اُن کے رویے سے ظاہر ہوتا ہے:

''تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اُن کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور انہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لئے لنگیاں بنائیں۔ اور انہوں نے خُداوند خُدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا اور آدم اور اس کی بیوی نے آپ کو خُداوند خُدا کے حضور سے باغ کے درختوں میں چھپایا'' (پیدایش 3:7-8)

اس سے پہلے کہ خدا اُن کے پاس آتا آدم اور حوا نے اپنے آپ کو پوشیدگی میں رکھنے کا منصوبہ تیار کیا۔ اُن کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے آپ کو ڈھانپ لیں گے تاکہ وہ خدا کے سامنے آنے کے قابل ہو جائیں۔ لیکن جب خدا ظاہر ہوتا ہے تو اُنہیں یہ پتا چلتا ہے کہ وہ اس وسیلے کی بدولت خدا کے سامنے کھڑے نہیں رہ سکیں گے۔ جب اُنہوں نے خدا کی آواز سُنی تو یہ بات اُن پر فوری طور پر واضح ہوگئی کہ وہ اپنی بُری حالت کو کسی بھی طریقے سے ٹھیک نہیں کر سکتے اور اُنہوں نے خود کو خدا کی حضوری سے چھپالیا۔

اس حقیقت کو مدِ نظر رکھیں کہ خدا نے اُن کا پیچھا نہ کیا، نہ ہی خدا نے اپنے آپ کو اُن سے چھپایا۔ خدا اُنہیں ملنے کو آیا۔ جو کچھ ہوا تھا خدا اُس سارے واقعے سے لاعلم نہیں تھا بلکہ وہ جانتا تھا کہ اُن کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہے مگر پھر بھی وہ اُنہیں ملنے کو آیا۔ چونکہ اُنہوں نے ممنوعہ پھل کھایا تھا کیا اِس وجہ سے اُن کے بارے میں خدا کا رویہ تبدیل ہو گیا؟ بیشک ایسا نہ ہوا! حقیقی محبت تبدیل نہیں ہوتی۔ کوئی بھی باپ اپنے بچوں سے محبت کرتا رہتا ہے چاہے وہ اچھے ہوں یا بُرے۔ چاہے وہ کامیاب ہوں یا ناکام پھر بھی اچھا باپ اپنے بچوں سے ویسی ہی محبت رکھتا ہے۔ پس خدا یوں فرماتا ہے ''کیونکہ میں خُداوند لاتبدیل ہوں'' (ملاکی 3:6)۔ لہٰذا خدا حسبِ معمول آدم اور حوا کو ملنے آیا چاہے اُنہوں نے خدا کے خلاف بغاوت کی تھی۔ اُن کے بارے میں خدا کا رویہ تبدیل نہ ہوا۔

خدا سے چھپنا

اس میں کسی قسم کے شک کی کوئی بات نہیں ہے کہ کچھ تبدیلی واقع ہو چکی تھی۔ جو تبدیلی واقع ہوئی تھی وہ سب سے بڑی اور گناہ کا المناک نتیجہ تھی۔ انسان خدا یعنی اپنے باپ اور اپنے بہترین دوست سے چھپنے کو بھاگا۔ خدا کے بارے میں انسانی رویے کی تبدیلی کو بائبل مقدس کے بہت سے حوالہ جات میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ کوہِ سینا پر خدا کے ساتھ موسیٰ کی ملاقات پر غور فرمائیں:

''اور جب تک میرا جلال گزرتا رہے گا میں تجھے اُس چٹان کے شگاف میں رکھوں گا اور جب تک میں نکل نہ جاؤں تجھے اپنے ہاتھ سے ڈھانکے رہوں گا۔ اس کے بعد میں اپنا ہاتھ اٹھاؤں گا اور تو میرا پیچھا دیکھے گا لیکن میرا چہرہ دکھائی نہیں دے گا'' (خروج 33:22-23)

موسیٰ کے ساتھ اپنی اس ملاقات میں خدا کا عمل تشبیہاً تھا۔ اگر خدا چاہتا تو وہ اپنے جلال کو پس پردہ رکھتے ہوئے موسیٰ پر اپنا چہرہ ظاہر کر سکتا تھا۔ جب یسوع دو فرشتوں سمیت ابرہام پر ظاہر ہوا تو ابرہام نے اُس کا چہرہ دیکھا اور اُس سے واضح اور رُوبرو بات چیت کی۔ لہٰذا جب خدا نے موسیٰ کو یہ کہا کہ ''تُو میرا چہرہ دیکھ نہیں سکتا کیونکہ انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا''۔ خدا اُسے ایک گہرا اور رُوحانی سبق سکھا رہا تھا۔

''اور یہ بھی کہا تُو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا'' (خروج 33:20)

یہ موسیٰ کی اس درخواست کا جواب تھا کہ ''مَیں تیری منت کرتا ہوں مجھے اپنا جلال دِکھا''۔ جب ہم اِس کا موازنہ یوحنا رسول کے اس قول سے کرتے ہیں تو یہ کافی دلچسپ بات لگتی ہے، یوحنا 1:14 میں یوں مرقوم ہے،

''اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال'' (یوحنا 1:14)

یوحنا یوں لکھتا ہے کہ ''ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا'' مگر خدا نے موسیٰ سے یوں کہا ''تُو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا کیونکہ انسان مجھے دیکھ کر زندہ نہیں رہے گا''۔ یوں خدا نے اپنا چہرہ چھپایا اور موسیٰ کو اپنا پیچھا دکھایا۔

اس میں رُوحانی پہلو بھی پائے جاتے ہیں جو غور طلب ہیں۔ خدا کے جلال سے کیا مُراد ہے؟ خدا کا کردار خدا کے جلال کی نمائندگی کرتا ہے۔ موسیٰ کے اس تجربے میں خدا اُسے ایک سبق سکھا رہا تھا کہ خدا کے کردار کو مکمل طور پر جاننا انسان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ گنہگار انسان کے لیے ایسا علم انتہائی تباہ کُن ہو سکتا ہے۔ پس خدا نے کیا

کیا؟ اُس نے موسیٰ کو اپنا پیچھا دکھایا۔ اِس بات کو ہم رُوحانی طور پر کیسے لاگو کر سکتے ہیں؟

انسان اپنی گنہگار حالت کی وجہ سے نہ صرف خدا سے ڈرنے لگتا ہے بلکہ انسان کے ذہن میں خدا کا تصور بھی خراب ہو جاتا ہے۔ جب آدم اور حوا نے ڈر کر خود کو خدا کی حضوری سے چھپایا تو خدا نے اُنہیں ڈرانے کے لیے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔ خدا کا اُن کے بارے میں رویہ ویسے کا ویسا ہی تھا مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ خدا کے بارے میں اُن کی اپنی سوچ تبدیل ہو چکی تھی اور خدا کے بارے میں اپنی تبدیل شدہ سوچ کی وجہ سے وہ خدا کا سامنا نہیں کر سکتے تھے۔

تاریکی میں پردہ نشین

خدا لاتبدیل ہے۔ ان گنہگار حالات میں اگر کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے، خدا کے بارے میں اگر کوئی خوف و خطرہ محسوس ہوتا ہے، خدا کے بارے میں اگر کوئی شک پیدا ہوتا ہے تو اُس کا تعلق خدا کے بارے میں ہماری غلط فہمی سے ہے اور اس کی بنیاد اس بات پر نہیں کہ خدا کون ہے یا ہمارے بارے میں خدا کا رویہ کیسا ہے۔ ہمیں قبول کرنے سے پہلے وہ ہم پر اپنی شرائط لاگو نہیں کرتا۔ مثلاً وہ ایسا نہیں کہتا کہ ''اگر تُم راستباز نہیں ہو تو تُم میرے پاس نہیں آ سکتے۔'' جب ہم میں خدا کے بارے میں ایسا نظریہ پیدا ہو جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہم ابھی تک اُس کا پچھلا حصہ ہی دیکھ رہے ہوتے ہیں اور ہم نے اُس کے چہرے کو نہیں دیکھا ہوتا۔ 1 سلاطین 12:8 میں یوں لکھا ہے:

''تب سلیمان نے کہا کہ خُداوند نے فرمایا تھا کہ وہ گہری تاریکی میں رہے گا'' (1 سلاطین 12:8)

اب یہ آیت تو عجیب سی محسوس ہوتی ہے کیونکہ دوسری کئی آیات میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ خدا شاندار نُور میں سکونت کرتا ہے۔ خدا کے بارے میں بیان کردہ ہر تصویر میں ہم یہی دیکھتے ہیں کہ وہ نُور میں پوشیدہ ہے مگر یہاں پر سلیمان یوں بیان کرتا ہے کہ خدا ''گہری تاریکی'' میں پوشیدہ رہے گا۔ ہم اس بات کو کیسے سمجھ سکتے ہیں؟ یہ بات دُرست ہے کہ خدا انسانی نقطہ نظر سے بات کر رہا تھا۔ انسانی نقطہ نظر سے خدا کو انسانی جہالت کی تاریکی میں چھپنا پڑتا ہے کیونکہ انسان خدا کے بھرپور جلال کو دیکھ نہیں سکتا۔ پس خدا اپنے آپ کو تاریکی میں اپنی وجہ سے نہیں بلکہ انسانی حدود و قیود اور خدا کے بارے میں انسانی غلط فہمیوں کی وجہ سے چھپاتا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی غلط فہمیاں انسانی سوچ میں اس قدر سرایت کر چکی ہیں کہ آج کل کے بہترین مسیحیوں میں بھی یہی غلط فہمیاں موجود ہیں اور یہ ہر سطح پر خدا کے ساتھ ہمارے تعلق کو متاثر کرتی ہیں۔ خدا کے بارے میں اس قسم کی غلط فہمی ایسا عنصر ہے جس کا ہمارے ایمان پر گہرا اثر پڑتا ہے اور زیادہ تر یہ ہمیں خدا کی برکات حاصل

کرنے میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہے۔

یوں انسانی نقطہ نظر سے خدا کو گہری تاریکی میں چھپنا پڑا کیونکہ انسان اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرسکتا کہ خدا حقیقت میں کیا ہے۔ یہ تاریکی آج بھی بہت سے لوگوں کے ذہنوں پر چھائی ہوئی ہے۔ یہی ہمارا اصل مسئلہ ہے۔ مگر 2 کرنتھیوں 4:3-6 میں بڑا شاندار خیال پایا جاتا ہے:

''اور اگر ہماری خوشخبری پر پردہ پڑا ہے تو ہلاک ہونے والوں ہی کے واسطے پڑا ہے۔ یعنی ان بے ایمانوں کے واسطے جن کی عقلوں کو اس جہان کے خُدا نے اندھا کر دیا ہے تا کہ مسیح جو خُدا کی صورت ہے اس کے جلال کی خوشخبری کی روشنی ان پر نہ پڑے۔ کیونکہ ہم اپنی نہیں بلکہ مسیح یسوع کی منادی کرتے ہیں کہ وہ خُداوند ہے اور اپنے حق میں یہ کہتے ہیں کہ یسوع کی خاطر تمہارے غلام ہیں۔ اس لئے کہ خُدا ہی ہے جس نے فرمایا کہ تاریکی میں سے نور چمکے اور وہی ہمارے دلوں میں چمکا تا کہ خُدا کے جلال کی پہچان کا نور یسوع مسیح کے چہرے سے جلوہ گر ہو'' (2 کرنتھیوں 4:3-6)

جب موسیٰ نے کہا ''مجھ پر اپنا جلال ظاہر کر'' تو خدا نے جواب دیا ''تُم میرا جلال دیکھ کر زندہ نہیں رہ سکتے''، پس خدا نے اُسے اپنا پچھلا حصہ دِکھایا۔ اب نئے عہد نامے میں اسے رُوحانی طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اب خدا کے جلال کو دیکھ کر زندہ رہنا ممکن ہے کیونکہ خدا نے اپنا جلال یسوع مسیح کے ذریعے ہم پر ظاہر کر دیا ہے! پس آج ہم خدا کے چہرے کو دیکھ کر زندہ رہ سکتے ہیں! بے شک، یسوع کے چہرے کو دیکھتے ہوئے لیکن جو کچھ ہم دیکھتے ہیں وہ محض ظاہری طور پر نُور کی جھلک نہیں ہوتی۔ جب بائبل مقدس یوں فرماتی ہے کہ ہم خدا کے جلال کو یسوع کی صورت میں دیکھتے ہیں تو اس سے مراد خدا کا کردار یا خدا کی فطرت ہے۔ انسان کے بارے میں خدا کے رویے کو بھرپور انداز میں یسوع مسیح کے چہرے یا اُس کی زندگی میں سے دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی اہم نقطہ ہے اور خدا کے بارے میں پڑھتے ہوئے ہمیں خدا کو اُس روشنی میں دیکھنا چاہیے جو یسوع کے چہرے کو منور کرتی ہے ورنہ ہمارا نظریہ غلط ثابت ہوگا۔

جلال کی منتقلی

کوہ سینا پر خدا کے ساتھ موسیٰ کی ملاقات کے واقعے میں ہمیں بڑی دلچسپ بات بتائی گئی ہے جو وہاں پر رونما ہوئی۔ یوں دکھائی دیتا ہے کہ خدا کے ساتھ قریبی تعلق رکھنے کی وجہ سے خدا کے جلال کا کچھ حصہ موسیٰ پر بھی آ ٹھہرا۔

''اور جب موسیٰ شہادت کی دونوں لوحیں اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے کوہ سینا سے اترا آتا تھا تو پہاڑ سے نیچے

اُترتے وقت اُسے خبر نہ تھی کہ خداوند کے ساتھ باتیں کرنے کی وجہ سے اُس کا چہرہ چمک رہا ہے۔ اور جب ہارون اور بنی اسرائیل نے موسیٰ پر نظر کی اور اس کے چہرے کو چمکتے دیکھا تو اُس کے نزدیک آنے سے ڈرے" (خروج 34:29-30)

بائبل مقدس میں کئی بار ہم نے دیکھا ہے کہ اس بات کو کیا گیا ہے۔ خدا کے کردار سے متعلقہ سچائیوں کو ڈھکے چھپے انداز میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ لوگ اِنہیں سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ جب تک ہم یسوع کے بارے میں یہ نہیں جان لیتے کہ وہ کون ہے تب تک خوشخبری ہمارے لیے پوشیدہ ہی رہے گی، جِسے ہم بہت کم اور غیر موزوں انداز میں سمجھ پائیں گے۔ مگر خدا ہمیں بتاتا ہے کہ یسوع مسیح کے ذریعے اُس نے اُس پردے کو ہٹا دیا ہے تاکہ سبھی اُسے اور خدا کے جلال کو بھرپور انداز میں دیکھ سکیں۔

"لیکن اُن کے خیالات کثیف ہو گئے کیونکہ آج تک پرانے عہدنامہ کو پڑھتے وقت ان کے دلوں پر وہی پردہ پڑا رہتا ہے اور وہ مسیح میں اٹھ جاتا ہے۔ مگر آج تک جب کبھی موسیٰ کی کتاب پڑھی جاتی ہے تو ان کے دل پر پردہ پڑا رہتا ہے۔ لیکن جب کبھی ان کا دل خُداوند کی طرف پھرے گا تو وہ پردہ اٹھ جائے گا۔ اور خُداوند رُوح ہے اور جہاں کہیں خُداوند کا رُوح ہے وہاں آزادی ہے۔ مگر جب ہم سب کے بے نقاب چہروں سے خُداوند کا جلال اس طرح منعکس ہوتا ہے جس طرح آئینہ میں تو اُس خُداوند کے وسیلہ جو رُوح ہے ہم اسی جلالی صورت میں درجہ بدرجہ بدلتے جاتے ہیں" (2 کرنتھیوں 3:14-18)

جب ہم اُس پردے کے بغیر یسوع کے چہرے کو دیکھتے ہیں تو ہم بھی خدا کے رُوح کی بدولت اُسی صورت میں بدل جاتے ہیں۔ خدا ہمارے لیے یہی کچھ کر رہا ہے؛ درجہ بدرجہ وہ ہمیں یسوع کا چہرہ دکھا رہا ہے، تاکہ وہ پردہ مکمل طور پر ہٹ جائے اور ہم اُسے بہتر انداز میں دیکھ اور سمجھ سکیں۔

مسیح کی فطرت

باب نمبر 8

کیوں یسوع نے کبھی بھی گناہ نہ کیا؟

یسوع نے باقی تمام انسانوں کی مانند کبھی بھی گناہ کیوں نہ کیا؟ کیا اتفاقاً یا حادثاتی طور پر ہوا کہ کروڑوں انسانوں میں سے صرف ایک ہی انسان نے کبھی بھی کوئی گناہ نہ کیا یہاں تک کہ جب وہ بچہ بھی تھا تب بھی اُس نے کوئی گناہ نہ کیا؟

ہم نے دیکھا ہے کہ کئی بچے غصے کا اظہار کرتے ہیں اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ سمجھدار ہونے سے پہلے ہی بچوں میں خودغرضانہ رویہ پایا جاتا ہے۔ کیا یسوع نے کبھی بھی ایسے رویے کا اظہار کیا؟

اگر اُس نے بچپن میں بھی گنہگارانہ رویہ اپنایا ہوتا (مثلاً خودغرضی کا رویہ، چڑچڑا پن، غصہ وغیرہ) تو وہ یہ بیان کر دیتا کہ اُس کی رُوحانی فطرت گناہ آلودہ ہے اور اُسے نئی سوچ کی ضرورت ہے۔ اُسے نئے سرے سے پیدا ہونے کی ضرورت ہے۔ یہ بات سچ ہے کہ کوئی بھی بچہ دانستہ طور پر گناہ نہیں کر سکتا اور اِسی وجہ سے اُسے گنہگار نہیں کہا جا سکتا۔ مگر کوئی بچہ ایسا گنہگارانہ رویہ ضرور ظاہر کر سکتا ہے جو اُسے پیدائشی طور پر ملا ہوتا ہے اور اُس کی فطرت بھی گناہ آلودہ ہوتی ہے۔

چونکہ یسوع نے کبھی بھی گناہ نہ کیا اس لیے یہ بات تو یقینی ہے کہ اُس میں ایسی کوئی بات تھی جو باقی کسی انسان میں نہیں تھی۔ مگر ایسی کونسی بات تھی جو یسوع کو دوسرے تمام انسانوں سے منفرد کرتی ہے، حتیٰ کہ جب وہ بچہ تھا؟

جسمانی اور رُوحانی فطرت

آیئے سب سے پہلے اس بنیادی سچائی پر غور کرتے ہیں: اس کائنات میں پائے جانے والے ہر شخص میں جسمانی یا مادی فطرت پائی جاتی ہے جس کا انحصار جینیاتی یا جسمانی خوبیوں پر ہے۔ تاہم ہر کسی کو ایک اور فطرت بھی حاصل ہے یعنی رُوحانی فطرت جس کا انحصار اُس کی رُوحانی حالت پر ہوتا ہے۔

انسانی بدن میں نفسانی یا گناہ آلودہ فطرت بھی ہوتی ہے۔ یہ ایسی کمزوریوں اور رجحانات پر مشتمل ہوتی ہے جو جینیاتی طور پر حاصل ہوتی ہیں۔

انسان کی نفسانی رُوحانی فطرت بھی ہوتی ہے۔ اِس میں ایسی سوچ یا رُوح ہوتی ہے جو مکمل طور پر خودغرض ہوتی ہے اور جواُسے فطری طور پر خودغرضانہ باتوں کی طرف لے جاتی ہے۔ گناہ کوئی جینیاتی مسئلہ نہیں ہے۔ گناہ دماغ میں پیدا ہوتا ہے۔ یہ ایک دماغی مسئلہ ہے۔

خودغرضی کا منبع

اس پوری کائنات میں صرف ایک ہی ہستی ہے جو قدرتی طور پر بےغرض فطرت کی حامل ہے، وہ خدا ہے۔ جب خدا نے اپنا بیٹا بھیجا تو اُس کی یہ بےغرض فطرت اُس کے بیٹے میں منتقل ہوگئی کیونکہ اُس میں اپنے باپ کی زندگی اور فطرت تھی۔

''یہ زندگی ظاہر ہوئی اور ہم نے اسے دیکھا اور اُس کی گواہی دیتے ہیں اور اسی ہمیشہ کی زندگی کی تمہیں خبر دیتے ہیں جو باپ کے ساتھ تھی اور ہم پر ظاہر ہوئی'' (1 یوحنا 2:1)

لہٰذا اس کل کائنات میں صرف دو ایسی ہستیاں ہیں جو قدرتی طور پر بےغرض ہیں اور وہ ہستیاں ہیں خدا اور اُس کا بیٹا۔ باقی تمام لوگ صرف اُسی صورت میں بےغرض ہو سکتے ہیں اگر وہ خدا کے رُوح کی بدولت اُس سے متحد ہو جائیں۔ اس اتحاد کے بغیر وہ قدرتی طور پر خودغرض اور مفاد پرست ہی رہتے ہیں۔

مگر خودغرضی جسمانی چیز نہیں ہے۔ خودغرضی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا انحصار انسانی رویے یا شریعت کے بارے میں انسانی ردعمل پر ہو۔ خودغرضی ایسی خوبی ہے جو انسان کی اندر یعنی انسان کی سوچ سے صادر ہوتی ہے اور یہ اُن تمام انسانوں کی قدرتی خوبی ہے جو خدا کے رُوح سے جُدا ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی انسان شریعت کی پیروی کرنا سیکھ بھی لے تب بھی وہ بےغرض انسان نہیں بن سکتا۔

تعلیم انسان کو بےغرض نہیں بناتی۔ بائبل مقدس کا مطالعہ کرنے، شریعت کو ماننے سے انسان بےغرض نہیں بن سکتا۔ انسان کے پاس بےغرض بننے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ وہ خدا کے ساتھ متحد ہو جائے۔ اگر یسوع قدرتی طور پر اچھی فطرت کا حامل نہ ہوتا تو کسی بھی قسم کی تعلیم یسوع کو اچھا رویہ اپنانے کے قابل نہ بناتی۔

کچھ لوگ یوں کہتے ہیں کہ وہ اس لیے اچھا تھا کیونکہ وہ باپ کے رُوح سے معمور تھا مگر وہ ذاتی اور فطری طور پر دیگر تمام انسانوں کی مانند خودغرض اور گنہگار تھا۔ یہ سراسر غلط تصور ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر اُس میں یہ خودغرضی اور گناہ کہاں سے آیا تھا؟ اُس نے آدم سے بدن لیا مگر آدم کی سوچ نہ لی۔

مسیح کی الوہیت

جب یسوع اس زمین پر آیا تو اُس نے خود کو الٰہی قدرت اور جلال سے خالی کر دیا۔ خدا کے بیٹے کے پاس باقی کیا کچھ بچا تھا؟ ایسی کونسی بات تھی جس کی وجہ سے وہ ابھی بھی خدا کا بیٹا تھا؟

کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ اُس کی قدرت، اُس کا جلال، اُس کی سوچ، اُس کی فطرت، اُس کا کردار سب کچھ ختم ہو گیا، تو پھر اُسے آسمان سے کیا ملا؟ خدا کے بیٹے کے پاس باقی کیا کچھ بچا؟ اُن کے نظریے کے مطابق اُس کے پاس تو کچھ بھی نہیں تھا! اُس کے پاس تو ایک نام بچا تھا اور یہ تو محض جھوٹا نام تھا کیونکہ اُس میں بنیادی طور پر کچھ بھی نہیں تھا۔

اگر یہ بات سچ ہے تو پھر ہم صرف یہی نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ یسوع خدا کا بیٹا نہیں تھا اور خدا کسی بھی انسانی بچے کو لے سکتا تھا اور جیسے اُس نے یسوع کے ساتھ کیا ویسے ہی وہ اُس بچے کے ساتھ بھی کر سکتا تھا۔

جو لوگ یہ ایمان رکھتے ہیں وہ بڑی آسانی سے اس حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے۔ آیئے اس بات کو یاد رکھیں کہ الوہیت محض کوئی طاقت نہیں ہے بلکہ اس میں فطرت بھی شامل ہوتی ہے۔

الٰہی قدرت کا تعلق خدا کی ایسی قوت کے ساتھ ہے جس کی مدد سے وہ سب کچھ کر سکتا ہے، یعنی وہ معجزات کرتا ہے، دُنیا کو خلق کرتا ہے اور شیطان کے ہر حربے کو ناکام بناتا ہے۔ جب یسوع انسان بنا تو اُس نے ان تمام خوبیوں کو چھوڑ دیا۔ (فلپیوں 2:5-8)

الٰہی فطرت ایسی خوبی ہے جو خدا اور اُس کے فرشتوں کو قدرتی طور پر حاصل ہے مگر یہ صرف اُنہیں ہی ملتی ہے جو مسیح کی زندگی کو حاصل کرتے ہیں۔ یہ خوبی خدا کی فطرت کا ایسا حصہ ہے جس کی بدولت اُس کا رویہ دیگر تمام مخلوقات سے منفرد بن جاتا ہے۔ جب یسوع اس زمین پر آیا تو اُس نے اپنی اس الٰہی فطرت کو نہ چھوڑا۔

''اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال'' (یوحنا 1:14)

خدا بھلا ہے۔ وہ مکمل طور پر بھلا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ اُس میں رتی بھر بھی ایسی کوئی بات نہ تھی اور نہ ہی کبھی ہو گی جو محبت اور بے غرضی پر مبنی نہ ہو۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ یہ بالکل درست بات ہے۔ اس خوبی کا دارومدار خدا کی قدرت پر نہیں اور نہ ہی خدا کی حکمت پر ہے۔ یہ تو خدا کی فطرت کا اہم حصہ ہے۔ کیونکہ بائبل مقدس یوں فرماتی ہے

کہ ''خدا محبت ہے''۔ وہ ایسا ہی ہے۔ یہ اُس کی ہستی کا لازمی جز ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہی تو واحد خوبی ہے جو الوہیت کو باقی تمام مخلوق سے منفرد کرتی ہے۔

جیسے کہ کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے اس کے برعکس یہ بات ہے کہ الوہیت کی بنیادی خوبی قوت نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر انسان کی نسبت شیطان الوہیت کے زیادہ قریب ہوتا کیوں اُسے بڑی قوت حاصل ہے۔ الوہیت کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ خدا کامل طور پر بھلا ہے۔ وہ کامل طور پر محبت ہے۔

خدا کے بیٹے کی حیثیت سے یسوع کے پاس الوہیت کی یہ (رُوحانی) فطرت تھی جو کہ آدم کی گری ہوئی (جسمانی) فطرت کے ساتھ منسلک تھی۔ یہ اُسے قدرتی طور پر حاصل تھی۔ یہ اُسے پیدائشی اور فطری طور پر حاصل تھی کیونکہ وہ الٰہی ہستی تھی۔ وہ خدا کا بیٹا تھا۔ لہٰذا اُسے مکمل طور پر اچھائی ہی کرنا تھی، محبت سے معمور رہنا اور راستبازی کے کام ہی کرنا تھے اور یہ بات اُس میں فطری طور پر تھی۔

تاہم یہ بات یقینی ہے کہ اُسے خدا کی قدرت حاصل تھی اور اِس قدرت کے بغیر وہ ایسے بے شمار اچھے کام سرانجام نہیں دے سکتا تھا جنہیں وہ کرنا چاہتا تھا۔ چونکہ وہ خود بھلا تھا اس لیے اُسے رُوح القدس کا بپتسمہ حاصل کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی اور پھر اُسے اپنی مرضی پوری کرنے کے لیے اپنے باپ کی قدرت کی ضرورت پڑتی۔

ایک طرح سے مسیح ہماری سطح پر آیا۔ اُس نے 4000 سالوں کی بگاڑ شدہ اور کمزوریوں پر مبنی ہماری جسمانی زندگی کو حاصل کیا۔ وہ مکمل طور پر ہماری سطح پر آیا۔ لیکن یہاں پر ہوتے ہوئے اگر وہ رُوحانی طور پر بھی ہماری مانند ہوتا تو وہ ہماری مدد کیسے کرسکتا تھا؟ اگر کوئی شخص خود ہی دلدل میں پھنسا ہوا ہو تو کیا وہ کسی دوسرے شخص کو دلدل میں سے نکال سکتا ہے؟ جی نہیں، ایسا ناممکن ہے۔ یسوع اگرچہ ہماری سطح پر آیا مگر اُسے محفوظ مقام پر کھڑا ہونا تھا۔ انسان کو نکالنے کے لیے اُس کے پاس وسائل ہونے چاہیں اور یہ وسائل انسان کے پاس نہیں ہوسکتے کیونکہ انسان میں بالکل بھی اچھائی نہیں ہے۔ وہ الوہیت کو بشریت میں اُتار لایا اور اگر وہ خود الٰہی تھا تب ہی وہ ایسا کرسکا اور یوں وہ انسان کو اُس مقام پر لے آیا جہاں پر انسان خدا کا بیٹا کہلا سکا۔

یسوع نے بشریت کو حاصل کرنے کے بعد انسان کو یہ نہیں سکھایا کہ وہ کیسے رُوح القدس حاصل کرسکتا ہے۔ کوئی بھی انسان ایسا کرسکتا ہے مگر خدا کا بیٹا ہی ایسی ہستی ہے جس میں الوہیت اور بشریت دونوں موجود تھیں۔ انسانی نجات کے لیے اِسی کی ضرورت ہے۔

کیا الوہیت کو آزمایا جا سکتا ہے؟

الٰہی قوت پر مبنی سوچ آزمائی نہیں جا سکتی کیونکہ ایسی سوچ ابتدا سے انتہا تک سب کچھ جانتی ہے۔ مگر الٰہی سوچ پر مبنی قوت مستقبل کو جان نہیں سکتی اور اُن تمام باتوں کو بھی جان نہیں سکتی جن سے ہم آزمائے جا سکتے ہیں۔ اس میں سپردگی کی بجائے خودغرضی کا انتخاب کرنے کی آزمائش آ سکتی ہے۔

یہ بات سچ ہے کہ بدی کا اصل منبع خودغرضی ہے اور الوہیت مکمل طور پر محبت بھری اور بے لوث ہے۔ یسوع فطری طور پر پیدائش کے وقت سے ہی بے لوث تھا۔ مگر شیطان ہمیشہ اِسی کوشش میں رہا تا کہ یسوع کچھ ایسا کرے جو ظاہری طور پر خودغرضی محسوس نہ ہو مگر اُس سے یہ ظاہر ہو کہ یسوع اپنی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایک دوسرا طریقہ تھا جس کے ذریعے وہ یسوع کو خودغرضی کی طرف مائل کر سکتا تھا اور یہی تو شیطان کی حکمرانی کی بنیاد ہے۔

بیابان میں یسوع کی تینوں آزمائشیں اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ کیسے شیطان نے یسوع کو گناہ کرنے پر مائل کرنے کی کوشش کی تھی۔

اُس نے پہلے نمبر پر اُسے آزمایا کہ وہ پتھروں کو روٹیاں بنا دے۔ اس بات میں خودغرضی کا کوئی عنصر دکھائی نہیں دیتا مگر ایسا کرنے کا مطلب یہی ہوگا کہ مسیح نے اپنے باپ کی رضا کے بغیر ہی کچھ کیا ہے۔ دراصل شیطان یسوع کو آزما رہا تھا تا کہ وہ خود خدا بن جائے۔ یسوع نے شیطان کو یہ بتایا کہ انسان صرف روٹی سے ہی نہیں بلکہ خدا کے کلام سے جیتا رہے گا۔ خدا کو زندگی کے ہر معاملے میں رہنمائی کرنی چاہیے اور انسان کو اپنے طور پر کوئی بھی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

پھر یسوع کو آزمایا گیا کہ وہ خود کو ہیکل کے کنگرے سے نیچے گرا دے اور اس بات کو ثابت کرے کہ واقعی خدا کا بیٹا ہے۔ اس میں اُسے یہ ثابت کرنے کو کہا جا رہا تھا کہ وہ معجزہ کر کے دکھائے کہ واقعی خدا کا بیٹا ہے۔ یہ خدا کے فیصلے کی بجائے اُس کا اپنا ہی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ دوبارہ سے اُسے خدا کی رہنمائی کے بغیر ہی کچھ کرنے کے لیے کہا جا رہا تھا۔

تیسری بات، اُس نے یسوع کو کہا کہ اگر تُو مجھے سجدہ کرے گا تو مَیں تجھے دُنیا کا مکمل اختیار دے دُوں گا اور اِس کے لیے تجھے کسی قسم محنت نہیں کرنی پڑے گی یا مرنا نہیں پڑے گا۔ اس میں خدا کی مرضی کے خلاف دُنیا کا اختیار حاصل کرنے کی پیشکش ہوئی تھی۔ یسوع نے فوراً اس تجویز کو مسترد کر دیا۔

بائبل مقدس میں بیان کیا گیا ہے کہ یسوع گتسمنی اور کلوری کے مقام پر اپنی مرضی چاہنے کی جستجو میں تھا۔ زندگی بھر کسی بھی موقع پر اُس نے اپنے باپ کی مرضی پر بالکل بھی جستجو نہ کی۔ اس کے باوجود بھی کیا آپ جانتے

ہیں کہ یسوع نے کیا کہا؟ ''اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ تو بھی نہ جیسا مَیں چاہتا ہوں بلکہ جیسا تُو چاہتا ہے ویسا ہی ہو''۔ کیا اُس نے خودغرضی کی خواہش کی؟ بالکل بھی نہیں۔ اُس نے کہا ''کیا میرے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ ہے تاکہ مَیں آپ سے جُدا نہ ہوسکوں اگر نہیں ہے تو پھر آپکی مرضی کے مطابق ہی ہونا چاہیے۔'' اس بات میں کسی قسم کی خودغرضی نہیں ہے۔ اگر کوئی آسان راستہ ہوتا تو پھر اُسے اتنے مشکل راستے پر نہ چلنا پڑتا۔ لیکن یہاں پر ہم یہ بات دیکھ سکتے ہیں کہ وہ باپ کی مرضی کی بجائے اپنی مرضی کا انتخاب کرنے کی آزمائش میں تھا۔ یہ خودغرضی پر مبنی راستہ نہیں تھا بلکہ یہ اپنی طرف سے دی جانے والی ایک تجویز تھی۔

یہی تو لوسیفر کی بغاوت کا سبب بنا۔ خودغرضی کا مطلب دوسروں کی بجائے اپنے بارے میں ہی سوچنا ہے۔ اپنی مرضی کرنا یعنی اپنی حکمرانی جتانے کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی بجائے اپنا راستہ اختیار کرلیا جائے یہاں تک کہ اچھائی کرتے ہوئے بھی۔ اس کا تعلق ایمان رکھنے یا نہ رکھنے کے ساتھ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا سے بڑھ کر اپنی سوچ پر بھروسہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ اگر مَیں اپنی مرضی کی بنا پر دوسروں کی بھلائی کے لیے کچھ کرتا ہوں تب بھی یہ گناہ ہی تصور ہوگا۔

لیکن کیا یسوع کو بھی ہماری طرح زنا کاری سے بچنے کے لیے سخت محنت اور کوشش کرنی پڑی؟ کیا اس حوالے سے اُس کے بدن نے اُسے اتنا مجبور کیا کہ اُسے بڑی مشکل سے اِسے قابو میں رکھنا پڑا؟ کیا اُس کے دل میں مریم اور مارتھا کے بارے میں بُرے خیالات نہیں آتے تھے؟ بالکل بھی نہیں! مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا یہ ماننا ہے کہ یسوع نے بھی ہماری مانند آزمائشوں کا مقابلہ کیا، وہ بھی اُسی طریقے سے آزمایا گیا جیسے ہم آزمائے جاتے ہیں۔ مگر بائبل مقدس فرماتی ہے کہ گناہ سے یسوع کو شدید نفرت تھی۔ یہ کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کی طرف وہ کھنچا چلا جاتا تھا۔

''تو نے راست بازی سے محبت اور بدکاری سے عداوت رکھی۔ اِسی سبب خدا یعنی تیرے خدا نے خوشی کے تیل سے تیرے ساتھیوں کی بہ نسبت تجھے زیادہ مسح کیا'' (عبرانیوں 9:1)

بیشک بائبل مقدس فرماتی ہے کہ وہ ہماری طرح آزمایا گیا۔ تاہم، جب ہم صرف چند باتوں کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگرچہ وہ ہماری مانند آزمایا گیا مگر وہ ہماری مانند آزمائشوں سے نہ گزرا۔

سب سے پہلی بات، دو لوگوں کو ایک جیسی آزمائش کا سامنا کرنا پڑسکتا ہے اُن میں ایک شخص کے لیے اِس میں مزاحمت کرنا ناممکن ہوجاتا ہے جبکہ دوسرے شخص کو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت ہے کہ یسوع نے ہماری مانند آزمائشوں کا سامنا کیا اور وہ ہماری طرح آزمایا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جیسے ہمیں ان آزمائشوں کے دوران

مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُسی طرح اُسے بھی ہوا۔

کوئی بھی آزمائش کس وقت زیادہ مشکل ہو جاتی ہے؟ کیا جب یہ ہمارے دماغ میں آتی ہے یا جب ہم اِس کی ممکنات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتے ہیں؟

''ہاں۔ ہر شخص اپنی ہی خواہشوں میں کھنچ کر اور پھنس کر آزمایا جاتا ہے۔ پھر خواہش حاملہ ہو کر گناہ کو جنتی ہے اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے'' (یعقوب 1:14-15)

جب کوئی مرد کسی خوبصورت عورت کی طرف دیکھتا ہے، تو اُس کے دل میں اُس عورت کے متعلق بُرے خیالات کب آتے ہیں؟ کیا جس وقت اُس نے عورت کی طرف دیکھا تھا یا جب اُس نے اپنے ذہن میں اُس عورت کے متعلق بُرے خیال سوچنے شروع کیے تھے؟ ہر سمجھدار انسان اس سوال کا جواب جانتا ہے۔ آزمائشیں اُس وقت شدت اختیار کر جاتی ہیں جب ہم اُن کے بارے میں سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب کوئی انسان اپنے ذہن میں یہ خیال سوچتا ہے کہ وہ یہ متعلقہ کام نہیں کرے گا تو پھر وہ متعلقہ کام اِس انسان پر اپنی آزمائشی قوت کو کھو بیٹھتا ہے۔

ہم یوسف کی مثال پر غور کر سکتے ہیں کہ اُس نے فوطیفار کی بیوی کو کیا جواب دیا اور پھر اس جواب کا موازنہ بت سبع کے ساتھ داؤد کے گناہ کے ساتھ کریں۔ جب داؤد چھت پر چڑھا، اپنے ہمسائے کی خوبصورتی بیوی کو دیکھا اور اُس کے بارے میں بُرا سوچا تو اُس پر آزمائش غالب آ گئی۔ یوسف کے ساتھ ایسا بالکل نہ ہوا کیونکہ اُس کے ذہن میں اپنے مالک کی بیوی کے بارے میں کبھی بھی کوئی بُرا خیال نہ تھا۔

کیا کبھی یسوع کے ذہن میں گناہ کرنے کا کوئی خیال آیا؟ کیا اُس نے بُرائی کرنے کے بارے میں کبھی سوچا؟ بالکل بھی نہیں! اُس نے گناہ سے نفرت کی۔ تاہم یہ بات بالکل واضح ہے کہ جن آزمائشوں کا ہمیں اکثر سامنا کرنا پڑتا ہے اُن پر غلبہ پانے کے لیے یسوع کو کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

یہ بات سچ ہے کہ یسوع نے گناہ پر فتح حاصل کرنی تھی۔ اُس نے یہ فتح ہمیں عطا کرنی تھی۔ مگر اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اس پر فتح پانے کے لیے اُسے بھی ہماری مانند جدوجہد کرنا پڑی۔ کیوں نہیں؟ کیونکہ وہ اس لیے نہیں آیا کہ مَیں گناہ کے ساتھ جدوجہد کرتا رہوں بلکہ وہ مجھے گناہ پر فتح مہیا کرنے کو آیا۔ گناہ پر فتح پانا اُس کے لیے ضروری تھی۔ اُس نے یہی کچھ کرنا تھا۔ اُس فتح کو حاصل کرنے کے بعد اب وہ گناہ پر پہلے سے حاصل کردہ فتح مجھے بھی عطا کرتا ہے۔

باب نمبر 9

کامل بشریت، کامل الوہیت

خدا کا بیٹا یسوع مسیح اس زمین پر آیا اور انسان بنا۔ وہ سو فیصد انسان تھا مگر اِس کے ساتھ ساتھ وہ مکمل طور پر الٰہی بھی تھا۔ یہ ایسی سچائی ہے جس کا پرچار مسیحی لوگ صدیوں سے کر رہے ہیں اور زیادہ تر مسیحی آج بھی اس سچائی کو اٹل سمجھتے ہیں۔

فوری طور پر ایسا نظریہ متضاد اور غیر موزوں سا دکھائی دیتا ہے۔ زیادہ تر مسیحی اس کی وضاحت یہ کہتے ہوئے کرتے ہیں کہ یہ ایک بھید ہے اور اِسے سمجھے بغیر ایمان کے ذریعے ہی قبول کیا جا سکتا ہے۔ تاہم یسوع کی کامل الوہیت اس بات سے جُڑی ہوئی ہے کہ وہ مکمل طور پر انسان تھا، یہ بات نجات کے منصوبہ کے لیے کُنجی کی حیثیت رکھتی ہے اور جب تک ہم اس بات کو سمجھ نہیں لیتے کہ یسوع کیسے مکمل طور پر انسان اور الٰہی تھا تب تک نجات کا منصوبہ ہمارے لیے نا قابلِ فہم بھید ہی رہے گا۔

بنی نوع انسان آدم میں گرے ہوئے

جب آدم خدا سے دُور ہوا تو اُس نے ساری انسانیت کو بھی خدا سے دُور کر دیا۔ ساری انسانیت نے خدا کو رد کر دیا کیونکہ ساری انسانیت ایک ہی انسان میں موجود تھی۔ اُس وقت آدم ہی ساری انسانیت تھا۔ آدم کی زندگی ایسی زندگی تھی جو ہم سبھی کو منتقل ہوئی ہے اور جو فیصلہ اُس نے کیا اُس نے بعد میں آنے والے ہم سب کو متاثر کر دیا تھا۔ آدم نے زندگی کے بارے میں شیطان کے اُصول کو اپنایا (یعنی خدا سے آزادی کرنا) اور یوں وہ نسلِ انسانی کو شیطان تک لے آیا۔ تب سے آدم کی نسل سے پیدا ہونے والا ہر انسان اُس کشمکش میں شیطان کا حمایتی بن گیا۔ آدم ہمیں اِس مقام پر لے آیا۔

یسوع نے ہمارے لیے کیا کیا ہے اور ہمیں نجات دلانے کے لیے اُس نے کونسی شرائط کو پورا کیا ہے، اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں کچھ دیر کے لیے یسوع سے نظر ہٹا کر انسان کی اُس حالت پر غور کرنا چاہیے کہ اُس نے انسان کو کہاں لا کھڑا کر دیا تھا۔

جب آدم انسانیت کو شیطان کے پاس لے آیا تو اس سارے معاملے کو ٹھیک کرنے کے لیے آدم کو خدا کے پاس واپس لوٹ جانے کا انتخاب کرنا تھا۔ یہ بات بڑی آسان دکھائی دیتی ہے مگر آیئے اس بات پر مزید غور کرتے ہیں، کائنات کا کوئی بھی انسان اُس وقت تک خدا کے پاس لوٹ نہیں سکتا جب تک خدا کا رُوح اُس کی رہنمائی نہ

کرے۔ یسوع نے فرمایا ہے کہ صرف خدا ہی کامل ہے (متی 17:19) اور خدا کے رُوح کے بغیر کوئی بھی کامل نہیں ہوسکتا یا کامل بننے کی خواہش نہیں کرسکتا۔ خدا کی مدد کے بغیر ہم فطری طور پر خدا سے ڈرتے ہی رہتے ہیں، ہم اُس کے ساتھ متحد نہیں ہونا چاہتے۔ جب آدم نے خود کو خدا سے آزاد کرنے کے اُصول کا انتخاب کیا تو اُس کی وجہ سے انسانیت پر یہ شرط عائد ہوگئی۔ انسانیت کی حالت شیطان کی مانند ہوگئی؛ انسانیت خدا سے جُدا ہوگئی یعنی خدا کے رُوح کے تاثر اور اُس کی مرضی کے مطابق چلنے کے لائق نہ رہی۔

''اس لئے کہ جسمانی نیت خدا کی دشمنی ہے کیونکہ نہ تو خدا کی شریعت کے تابع ہے نہ ہوسکتی ہے'' (رومیوں 7:8)

انسانیت کی واحد اُمید

انسانیت کے لیے صرف ایک ہی ممکنہ اُمید باقی تھی اور وہ یہ تھی: انسانوں میں کوئی ایسا ہو جو آدم کی نسل سے پیدا ہوا ہو اور اُسے بالکل اُسی حالت میں رکھا جائے جہاں آدم نے انسانیت کو چھوڑا تھا (یعنی خدا سے جدائی)، وہ رضا کارانہ طور پر خدا کی طرف لوٹنے کا چناؤ کرے، تب وہ انسان اپنے طور پر انسانیت کا ملاپ خدا کے ساتھ کروا سکے گا۔ مگر وہ انسان ایسا کرنے کا اہل بھی ہونا چاہیے، یعنی صرف اپنے لیے ہی نہیں بلکہ دوسروں کے لیے بھی اپنی زندگی بھی دے سکے اور اُن کا خدا کے ساتھ ملاپ کروا سکے۔ صرف اسی نقطے پر ایک مکمل کتاب تحریر کی جانی چاہیے۔ نجات کے منصوبے کے حوالے سے یہ بڑا اہم موضوع ہے اور اِسے بہت کم سمجھا جاتا ہے۔ نجات کا منصوبہ مکمل طور پر خدا کا انسان کے ساتھ دوبارہ ملاپ کرنے کا طریقہ کار ہی ہے۔ وہ انسانی مرضی کے برعکس ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ انسان ہی نے خود کو خدا سے آزاد کرنے کا انتخاب کیا تھا اور چونکہ خدا نے آزادی کے اُصول، آزاد مرضی اور انتخاب پر اپنی حکمرانی کو قائم کیا ہے اس لیے جب انسان کوئی فیصلہ کر لیتا ہے تو خدا اُس میں مداخلت نہیں کرسکتا۔ خدا کے ساتھ انسان کا دوبارہ ملاپ صرف انسان کی رضامندی سے ہی ہوسکتا ہے اور خدا کے بغیر انسان ایسا انتخاب کرنے کا اہل بھی نہیں تھا۔

صرف خدا ہی بھلا ہے

یسوع ہمیں بتاتا ہے کہ صرف ایک ہی نیک ہے اور وہ خدا ہے۔ جب ہم اس بارے میں سوچتے ہیں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ بات بالکل سچ ہے۔ کائنات میں ایسا کوئی بھی نہیں ہے جو خدا کے ساتھ متحد ہوئے بغیر نیک بن سکے۔ اگر خدا کا مقصد اپنے علاوہ اپنی مخلوق کو بھی بھلائی عطا کرنا ہوتا تو پھر متی 17:19 میں یسوع یہ جواب نہ دیتا:

''اُس نے اُس سے کہا تُو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے؟ نیک تو ایک ہی ہے لیکن اگر تُو زندگی میں

داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر'' (متی 17:19)

اُس نے یہ بالکل نہیں کہا کہ نیکی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے (یعنی صرف خدا اپنی طرف سے لوگوں کو نیکی مہیا کر سکتا ہے)۔ جی نہیں۔ اُس نے کہا، خدا کے سوا کوئی بھی نیک نہیں ہے! مکاشفہ 4:15 کے مطابق تخت کے چوگرد موجود فرشتے بھی اِس سچائی کو تھوڑے مختلف الفاظ میں دہراتے ہیں۔

''اے خداوند! کون تجھ سے نہ ڈرے گا؟ اور کون تیرے نام کی تمجید نہ کرے گا؟ کیونکہ صرف تُو ہی قدوس ہے اور سب قومیں آ کر تیرے سامنے سجدہ کریں گی کیونکہ تیرے انصاف کے کام ظاہر ہو گئے ہیں'' (مکاشفہ 4:15)

صرف خدا ہی نیک ہے، صرف خدا ہی پاک ہے اور نیکی ہمیں صرف اور صرف خدا کی حضوری سے ہی مل سکتی ہے۔ بائبل مقدس میں اکثر اوقات انسان کو ''نیک'' کہا ہے مگر ایسا صرف اِسی صرف میں ممکن ہوتا ہے جب خدا کی حضوری پاک رُوح کے ذریعے اُن میں کام کرتی ہے۔

کیا یسوع نیک ہے؟

جب بائبل مقدس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ صرف خدا ہی نیک ہے تو خدا کے اکلوتے بیٹے کے متعلق کیا خیال ہے؟ بائبل مقدس ہمیں بتاتی ہے کہ یسوع ''اُس کی ذات کا نقش'' ہے (عبرانیوں 3:1)۔ وہ ہو بہو اپنے باپ جیسا ہے اور جب وہ جسمانی صورت میں یہاں زمین پر موجود تھا تو یہ بات تب بھی سچ تھی۔ اِسی سچائی کو یوحنا 9:14 میں بیان کیا گیا ہے۔

''یسوع نے اُس سے کہا اے فلپس! مَیں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں کیا تُو مجھے نہیں جانتا؟ جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا۔ تُو کیوں کر کہتا ہے کہ باپ کو مجھے دِکھا؟'' (یوحنا 9:14)

یسوع خدا کا اکلوتا بیٹا ہے، کائنات میں صرف وہی ہے جو اس طریقے سے پیدا ہوا ہے۔ اُس نے وراثتی طور پر خدا کی فطرت کو حاصل کیا ہے اور اِسی وجہ سے اُس میں وراثتی طور پر اپنے باپ کی مانند اچھائی اور محبت جیسی خوبیاں ہونی چاہیے۔ اِسی وجہ سے جب یسوع اِس زمین پر تھا تو وہ مکمل طور پر خدا کی نمائندگی کر سکا، یقیناً وہ فطری طور پر خدا تھا اور اُس میں خدا کی فطرت اور کردار کی تمام خوبیاں ظاہر ہوئیں۔

''اور کلام مجسم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال'' (یوحنا 14:1)

یسوع میں ظاہر ہونے والا جلال باپ کے اکلوتے بیٹے کے جلال کی مانند تھا۔ باالفاظِ دیگر ایسا جلال اور کہیں بھی دیکھا نہ گیا۔ ایسا جلال صرف خدا کے اکلوتے بیٹے میں ظاہر ہوا۔

پس جب یسوع نے اُس اُمیر نوجوان شخص کو یہ کہا کہ ''نیک تو ایک ہی ہے'' تو وہ یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ وہ خود یعنی یسوع نیک نہیں ہے۔ وہ ایک انداز سے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر رہا تھا تا کہ لوگ جانیں کہ دراصل وہ کون ہے۔ اگر یسوع میں حقیقی نیکی دیکھی گئی تو اِس کا یہ مطلب ہونا چاہیے کہ اُس میں حقیقی الوہیت تھی۔ وہ فطری طور پر خدا تھا۔ وہ انسان کو یہی احساس دلانا چاہتا تھا۔

الٰہی فطرت، اہم بات

اِسی وجہ سے یسوع خدا سے مکمل طور پر جُدا ہو کر انسان کی جگہ پر آ سکا اور اس مقام پر ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو خدا کے ساتھ وفادار رکھنے کا انتخاب کر سکا۔ ایسا اس لیے ہوا کیونکہ وہ خود نیک تھا! یسوع کی بھلائی کا انحصار رُوح القدس کی موجودگی پر نہیں تھا۔ جی نہیں، بطورِ مخلوق جب تک ہم میں رُوح القدس نہ ہو ہم اپنے طور پر نیک نہیں بن سکتے۔ مگر یسوع خدا کا بیٹا ہے اور وہی نیکی کا منبع ہے! حتیٰ کہ اگر اُس سے رُوح القدس کو لے بھی لیا جائے تب بھی وہ نیک ہی رہے گا کیونکہ خدا کے بیٹے کی حیثیت سے وہ وراثتی طور پر نیک ہے۔ حقیقی الوہیت ہر قسم کے حالات میں نیک ہی رہتی ہے مگر کل کائنات میں صرف یہی نیک ہوتی ہے اور اِسی وجہ سے ایک الٰہی ہستی نے انسانی نجات کے منصوبے کو پورا کیا۔ اس کے علاوہ کوئی بھی اِسے پورا نہیں کر سکتا تھا، یہاں تک کہ کوئی پاکترین فرشتہ بھی خدا سے جدا ہو کر کسی دوسرے فرشتے کی خاطر فوری طور پر بُرا نہیں بن سکتا۔ لوسیفر کے تجربے سے ہم یہی بات سیکھتے ہیں۔

مسیح پر فضل نہ ہوا

انسان کی جگہ یسوع خود صلیب پر چڑھ گیا۔ اُس نے فضل کے تحت رہتے ہوئے انسان کی جگہ نہ لی۔ یسوع مسیح کے ذریعے ہم پر فضل ہوتا ہے اور جو کچھ یسوع نے ہمارے لیے صلیب پر کیا ہے اُسی کی وجہ سے یسوع کا فضل ہم پر ہوتا ہے۔ جب یسوع صلیب پر چڑھ گیا تو اُس وقت یسوع کے پاس نہ رہا۔ جیسے ہم ابھی ہیں یعنی فضل کے تحت رہتے ہوئے اُس نے ہماری جگہ نہ لی۔ بالکل بھی نہیں، جب آدم نے انتخاب کیا تو اِس کے نتیجے میں ہمیں جو مقام ملا وہ اُسی مقام پر آیا۔ خدا سے مکمل طور پر جدا اور رُوح القدس کی مدد کے بغیر ہی اُس نے ہماری جگہ لی۔ صلیب پر یسوع کی اس دردبھری آواز کا یہی مطلب ہے کہ ''اے میرے خدا! اے میرے خدا! تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟''

چاہے اُسے خدا کی طرف سے مکمل طور پر چھوڑ دیا گیا مگر پھر بھی یسوع خدا کے ساتھ وفادار رہنے کا چناؤ کرسکا۔ وہ ایسا کیسے کرسکا؟ وہ ایسا اس لیے کرسکا کیونکہ وہ فطری طور پر نیک تھا، کیونکہ وہ فطری طور پر کامل الٰہی ہستی تھی۔ خدا کے رُوح القدس اور حضوری کی عدم موجودگی کے باوجود بھی یسوع نے اپنا دفاع کرنے کا نہ سوچا۔ اگر وہ ایسی مخلوق ہوتا جو رُوح القدس کی بدولت کسی دوسرے درجے کی نیکی پر انحصار کرتا تو وہ ایسا کرتا۔ مگر وہ خدا کا بیٹا تھا، وہ وراثتی طور پر نیک تھا اور اگرچہ وہ انسان بنا اور باپ کا رُوح القدس اُس کے پاس نہ رہا تب بھی وہ نیک ہی رہا۔ پس اپنی الٰہی فطرت اور انسانی جسم میں ہوکر فتح حاصل کرنے سے اُس نے خدا کے ساتھ انسان کے رشتے کو بحال کردیا۔

بیشک، صلیب پر حاصل کردہ مسیح کی فتح کے اثرات کو آدم سے لے کر تمام انسانوں نے محسوس کیا۔ یسوع ایسا برّہ ہے جو بنای عالم سے پیشتر ذبح ہوا۔ چاہے ہزاروں سال پہلے مسیح موا مگر جب سے انسان نے گناہ کیا ہے اُسی لمحے سے مسیح کی قربانی نے دُنیا کو فائدہ پہنچانا شروع کردیا ہے۔ تاہم، یہ حقیقت اٹل ہے کہ مسیح کو مرنا پڑا اور اُسے ٹھیک اُسی مقام پر جانا پڑا جہاں انسان تھا۔ خدا نے ابتدا میں اِسی کا وعدہ کیا تھا اور یسوع کو یہ وعدہ ہر حال میں اور مکمل طور پر پورا کرنا تھا۔

کامل انسان

یہ حقیقت ہے کہ یسوع کو کامل طور پر انسان بننا تھا ورنہ وہ انسان کی جگہ نہ لے پاتا اور انسانیت کو واپس خدا کے پاس نہ لاسکتا۔ انسان ہی نے خود کو خدا سے جُدا کرنے کا چناؤ کیا تھا اور انسان ہی اپنے فیصلے کو تبدیل کرسکتا تھا۔ مگر یسوع کو محض انسان بننے سے کہیں زیادہ کرنا تھا۔ اُسے بطورِ انسان، آدم کے بیٹے کی حیثیت ٹھیک اُسی مقام پر ہوتے ہوئے فیصلہ کرنا تھا جہاں آدم پوری انسانیت کو لے آیا تھا؛ یعنی اُسے گنہگار پابندیوں اور اثرات یعنی گنہگار انسانیت کو جھیلنا تھا کیونکہ آدم نے ہمیں یہ سب کچھ سونپا تھا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اُسے اُس نازک مرحلے سے گزرنا تھا یعنی اُسے مکمل طور پر خدا کے رُوح سے جدائی برداشت کرنی تھی۔ گناہ نے انسانیت کو وہاں پھینکا تھا اور انسانیت کو نجات دلانے کے لیے یسوع کو وہاں جانا پڑا۔

کامل طور پر الٰہی

بہرحال، ہم دیکھتے ہیں کہ اپنی رُوحانی فطرت کی بنا پر یسوع کو کامل طور پر الٰہی ہونا تھا، کیونکہ یہی خدا کی فطرت ہے۔ خدا سے جُدا ہونے کے لیے یہ بات اُس کے لیے بے حد ضروری تھی یعنی خدا سے جُدا ہونے کے باوجود بھی وہ نیکی کرنے اور خدا پر بھروسہ رکھنے کا انتخاب کرے۔ اُس کی الٰہی فطرت ہماری نجات کے لیے ضروری ہے۔ اس

کے بغیر وہ ہمارے نجات بخش کام کو مکمل نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا اُسے کامل طور پر الٰہی ہونے کے ساتھ ساتھ مکمل طور پر انسان بھی ہونا تھا۔

آیئے ایک اور نقطے پر غور کرتے ہیں: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ یسوع مکمل طور پر الٰہی تھا تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اُس میں تمام الٰہی قوتیں پائی جاتی ہیں؟ ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ اُس میں تھیں اور اُسے خدا کی لافانی بھلائی پر مبنی فطرت حاصل کرنی تھی۔ اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ کامل انسان تھا۔ اس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ وہ نیک انسان تھا۔ بیشک اُس میں انسانی صلاحیتیں اور قوتیں تھیں مگر وہ فطری طور پر نیک تھا؛ یہی تو اُس میں بنیادی فرق تھا۔ مگر کیا وہ سب کچھ کرنے، سب کچھ جاننے، ہر جگہ موجود رہنے اور خدا سے متعلقہ تمام صلاحیتیں رکھتا تھا؟ اگر اُس میں یہ تمام صلاحیتیں تھیں تو پھر ہم اُسے مکمل طور پر انسان کیسے کہہ سکتے ہیں؟ یقیناً انسانی ضروریات محدود ہوتی ہیں۔ مزید برآں، اگر یسوع قادرِ مطلق ہوتا اور سب کچھ جاننے کی صلاحیت رکھتا تو پھر صلیب پر اُسے خدا کیسے چھوڑ سکتا تھا؟

الٰہی قدرت ایک طرف رکھ دی گئی

سچ تو یہ ہے کہ یسوع نے اپنی الٰہی قدرت اور اپنا الٰہی جلال ایک طرف رکھ دیا۔ وہ انسانی صورت میں زمین پر آیا، ہماری مانند بنا اور عورت سے پیدا ہوا (گلتیوں 4:4)۔ وہ ایسا بدن لیے ہوئے پیدا ہوا جو آدم کے گناہ میں گرنے کی وجہ سے جینیاتی خرابیوں اور مشکلات میں گرا ہوا تھا اور گزشتہ چار ہزار سالوں سے اس میں مزید اضافہ ہوا تھا۔ وہ جسمانی اور جینیاتی طور پر ہماری مانند تھا۔ بے شک وہ آدم کی نسل سے پیدا ہوا تھا۔

نجات کے منصوبے کو واضح طور پر مقرر کردہ حدود و قیود میں پہنچنا تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ کیونکہ خدا کو اس طریقے سے کام کرنا پڑا تاکہ کائنات کو یہ تسلی حاصل ہو کہ خدا غیر جانبدار نہ اور انصاف کے ساتھ کام کرتا ہے، حتیٰ کہ لوسیفر کے معاملے میں بھی اُس نے ایسے ہی کیا تھا۔ خدا کسی قسم کے دھوکے یا چال بازی کا سہارا نہیں لیتا۔ شیطان نے خدا پر جھوٹے ہونے اور ناقابلِ اعتماد ہستی ہونے کا الزام لگایا تھا۔ ایسے الزام کو غلط ثابت کرنے کے لیے خدا کے پاس صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اپنے تمام معاملات میں مکمل طور پر غیر جانبدار اور انصاف کو لاگو کرے۔

اگر زمین پر ہوتے ہوئے یسوع کو قادرِ مطلق خدا کا مکمل اختیار حاصل ہوتا تو پھر یسوع کے تمام دُکھ اُس کے سامنے کچھ وقعت نہ رکھتے۔ یہ سب کچھ محض دکھاوا، فرضی اور بالکل جعلی ثابت ہوتا۔ شیطان نے بھی یہی الزام لگایا تھا اور خدا نے کس طرح سے اِس الزام کو جھوٹا ثابت کیا؟ ہم کیسے اس بات کا یقین کر سکتے ہیں کہ شیطان کا الزام جھوٹا تھا؟

اگر خدا محض ایسا دکھاوا کر بھی لیتا تو ایسی کونسی مخلوق ہے جو اِس دکھاوے کی حقیقت کو جان سکتی؟ خدا سے بڑھ کر کوئی بھی سمجھدار نہیں ہے اور کوئی بھی اُس کی قدرت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر یسوع میں بطورِ انسان خدا کی قدرت رکھتا تھا تو پھر یہ بات یقینی ہے کہ شیطان یہ دعویٰ کرتا کہ یسوع مکمل طور پر انسان نہیں ہے اور یسوع اپنی انسانی صلاحیتوں کے ذریعے فتح مند نہیں ہو سکتا اور وہ انسان کی نمائندگی نہیں کر سکتا کیونکہ بطورِ انسان وہ فاتح نہ ٹھہرا بلکہ وہ تو انسانی روپ میں خدا تھا۔ ہم یہ کیسے جان سکتے ہیں کہ ایسا بالکل نہیں ہے؟

کوئی یہ جواب دے سکتا ہے کہ ''بہر حال، ہمیں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیے''۔ جی ہاں، یہ بات سچ ہے۔ بہر حال، ہم خدا پر اس لیے بھروسہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ بات ہم پر ثابت ہو چکی ہے کہ خدا قابلِ بھروسہ ہے۔ ہم پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شیطان جھوٹا ہے۔ مگر ہمیں ان باتوں کے ثبوت کہاں سے ملتے ہیں؟ خدا نے ان باتوں کو کہاں پر ظاہر کیا تھا؟ اُس نے اِنہیں کلوری پر ثابت کر دیا، خدا کی طرف سے مہیا کردہ عظیم قربانی سے اِن باتوں کا اظہار ہوتا ہے اور اُس کے بیٹے کے ذریعے یہ باتیں ظاہر ہوتی ہیں جب وہ ہماری خاطر موا۔ ایسی قربانی کے باوجود بھی اگر یہ الزام برقرار رہے کہ یہ محض الٰہی دکھاوا، فرضی اور بالکل جعلی ہے تو پھر خدا پر اعتماد بحال کرنے کے لیے ہونے والا یہ کام فضول اور بیکار ہو جائے گا۔

شیطان دُنیا کو قائل کرنے کے لیے ایسے بے شمار طریقے استعمال کرتا ہے جن سے وہ یہ بیان کر سکے کہ دراصل یسوع موا نہیں ہے اور مصلوبیت کا سارا واقعہ محض من گھڑت کہانی ہے۔ اپنے بیٹے کے دُکھ سہنے، مرنے، مُردوں میں سے جی اُٹھنے اور آسمانی مقدس میں خدمتی کام کے ذریعے سے خدا نے جو کچھ کیا ہے وہی انسانیت کے لیے واحد اُمید ہے۔ خدا نے یسوع کی صورت میں ہمیں محض اخلاقی اُستاد مہیا نہیں کیا تھا، اُس نے ہمیں محض ایک اچھی مثال نہیں دی تھی۔ خدا نے یسوع کی صورت میں ہمیں ایک نجات دہندہ مہیا کیا ہے کیونکہ بطورِ گنہگار ہمیں اِسی کی ضرورت تھی اور صرف وہی انسانیت کو بچا سکتا تھا۔ یہ ایسی سچائی ہے جو حقیقی مسیحیت کو دیگر تمام مذاہب پر فضیلت بخشتی ہے۔

یسوع کے لیے خدا کا شکریہ ادا کریں۔

منصوبے کو سمجھنا

باب نمبر 10

گنہگار کو کیوں مرنا ہے؟

جب ہم اس باب کے عنوان پر غور کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں اِس کا جواب یہ آ سکتا ہے کہ ''گنہگار کو اس لیے مرنا ہے کیونکہ شریعت اُسے گنہگار قرار دیتی ہے اور گناہ کی مزدوری موت ہے۔'' ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی موت کا سارا دارومدار شریعت پر ہے۔ مسیحی عموماً یہی بات سوچتے ہیں اور ایک لحاظ سے یہ بات درست بھی ہے مگر اس میں ساری حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ آیئے کچھ دیر کے لیے اس بات پر غور کرتے ہیں کہ حقیقت میں شریعت کیا ہے۔ شریعت بنیادی طور پر ایک ایسا اُصول یا قانون ہے جو رویے پر اثر انداز ہوتا ہے۔ کوئی بھی قانون ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ ہمیں کیسے چلنا ہے۔

لیکن جب ہم قانون کی بات کرتے ہیں تو قانون کی دو اقسام ہیں جن پر ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ فطری قانون اور عدالتی قانون ہے۔ گنہگار کو کیوں مرنا ہے اس کی وجہ جاننے کے لیے ہمیں اِن دو قسم کے قوانین میں فرق کو سمجھنا پڑے گا۔

فطری قانون

سبھی انسان اس بات کو جانتے ہیں کہ فطری قانون ہمیشہ انسان کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ یہ قوانین فطری طور پر مرتب شدہ ہوتے ہیں اور ہم اِن میں تبدیلی یا ردوبدل نہیں کر سکتے۔ اس قانون میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فطرت کیسے کام کرتی ہے اور اِسے اس وجہ سے قانون کہا جاتا ہے کیونکہ فطرت تمام چیزوں کو مقرر کردہ اُصولوں کے مطابق اپنا رویہ اپنانے پر مجبور کرتی ہے۔ ہمیں اِس کے مطابق ہی کام کرنا پڑتا ہے۔ ایسا ایک قانون کششِ ثقل کا قانون ہے۔ یہ قانون ہمیں مجبور کرتا ہے کہ ہم ایک خاص انداز سے اپنا رویہ اپنائیں اور اس بات کا دھیان رکھیں کہ اگر ہم اس حوالے سے اپنا رویہ بدلیں گے تو پھر ہمیں اس کے خطرناک نتائج بھگتنا پڑ سکتے ہیں۔ مثلاً مَیں کششِ ثقل کے قانون کو نہ مانتے ہوئے اپنے آپ کو 10 منزلہ عمارت سے اپنے آپ کو گرا دُوں۔ بہت جلد مجھے پتہ چل جائے گا کہ کششِ ثقل کے قانون کو نہ ماننے کے کتنے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے۔ ہوسکتا ہے کہ مجھے فطری قوانین پسند نہ ہوں لیکن اگر مَیں اُن

سے نا اتفاقی کرتا ہوں تو پھر مجھے خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔تمام فطری قوانین کے بارے یہی بات ہے۔

عدالتی قوانین

جبکہ عدالتی قوانین ایسے اُصول ہوتے ہیں جنہیں کوئی بااختیار حکومت مقرر کرتی ہے۔یہ ایسے قوانین ہوتے ہیں جنہیں کسی معاشرے میں رہنے کے لیے موزوں اور ضروری سمجھا جاتا ہے اور ضروری نہیں ہے کہ یہ قوانین ہر معاشرے میں ایک جیسے ہوں۔یہ قوانین عموماً معاشرے اور اعلیٰ عہدیداران اور قانون بنانے والوں کی مناسبت سے ہوتے ہیں۔ان قوانین کی نافرمانی کرنے سے کبھی کبھار سزا نہیں بھی ملتی۔بیشتر معاملات میں ایسے قوانین کو توڑا جاتا ہے اور ان کی خلاف ورزی کرنے والا بے سزا چھوٹ جاتا ہے۔ان قوانین کا اطلاق فطری طور پر نہیں ہوتا جیسے فطری معاملات میں ہوتا ہے۔عدالتی قانون میں بااختیار حکومت کو دو کام کرنے پڑتے ہیں۔پہلے نمبر پر اُنہیں قوانین بنانے پڑتے ہیں اور دوسرے نمبر پر اُنہیں اِن قوانین کو لاگو کرنا پڑتا ہے۔اِن قوانین کو لاگو کرنے کے لیے اُنہیں اِن کی خلاف کی سزائیں مقرر کرنی پڑتی ہیں۔

حکومتی عہدیداران کی طرف سے بنائے جانے والے بہت سے عدالتی قوانین غیر موزوں اور انصاف پر مبنی نہیں ہوتے۔مگر سبھی فطری قوانین کا بنانے والا خدا ہے۔فطری شریعت ہمیشہ اچھی ہوتی ہے۔خدا نے فطری قوانین کی بنیاد پر کائنات میں زندگی کے وجود کو یقینی بناتے ہوئے اِس کو کامل انداز میں خلق کیا ہے اور وہ ان میں توازن اور مطابقت کو برقرار رکھتا ہے۔

اخلاقی شریعت کی نوعیت

اخلاقی شریعت کو خدا کے کردار کا ''عکس'' بیان کیا جاتا ہے۔اس اخلاقی شریعت کو دس احکام میں بیان کیا گیا ہے لیکن دس احکام میں اِسے محدود انداز میں بیان کیا گیا ہے اور اس سے خدا کے کردار کی مکمل عکاسی نہیں ہوتی لہٰذا اِسے خدا کے کردار کا عکس کہنے کی بجائے اِسے ''تاثر'' کہنا بہتر ہوگا۔تاہم، جب اخلاقی شریعت کو مکمل طور پر سمجھا جاتا ہے تو یقیناً اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا اپنی اخلاقی فطرت میں کیسا ہے اور یوں اخلاقی شریعت کو خدا کے کردار کی عکاسی کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔اس کا یہ مطلب ہے کہ اخلاقی شریعت خدا سے متعلقہ ہے۔خدا نے اخلاقی شریعت کو پیدا نہیں کیا بلکہ اُس نے اِسے لفظی طور پر ہمیں دیا ہے اور ہمیں زندگی کے راستے کے طور پر مہیا کیا ہے۔

اس شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنا خدا کے ساتھ اتحاد رکھنے کے مترادف ہے۔چونکہ خدا خود زندگی ہے

اس لیے اُس کے ساتھ متحد ہونے کا مطلب زندگی کے ساتھ متحد ہونا ہے۔لیکن جب کوئی انسان اخلاقی شریعت کو چھوڑ دیتا ہے تو پھر وہ خدا اور زندگی کو چھوڑ دیتا ہے۔اس کے نتیجے میں یقیناً موت ملتی ہے! خدا کو ایسے انسان کو سزا دینا یا مارنا نہیں پڑتا۔وہ انسان اپنے آپ کو زندگی کے منبع یعنی خدا سے دُور کرتے ہوئے خود بخود ہی اپنے اوپر موت مسلط کر لیتا ہے۔

لہٰذا ہم واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ اخلاقی شریعت فطری شریعت ہے۔یہ فطرت کی شریعت ہے۔اس کے مطابق زندگی گزارنا، زندگی رکھنا ہے۔اِس سے دُور ہٹنا موت کے گلے لگانا ہے۔کوئی آپ کو مجرم نہیں ٹھہرائے گا اور کوئی بھی آپ کو نہیں مارے گا۔گناہ فطری طور پر یہ سب کچھ کر دے گا۔

موت کیسے آئی؟

باغِ عدن میں خدا نے آدم کو کہا ''... کیونکہ جس روز تُو نے اُس میں سے کھایا تُو مرا'' پیدایش 2:17۔ زیادہ تر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا آدم کو ڈرا رہا تھا اور خدا اُسے یہ کہہ رہا تھا کہ ''اگر تُم پھل کھاؤ گے تو پھر مجبوراً تمہیں مارنا پڑے گا۔'' کیا واقعی ایسا تھا؟ کیا خدا آدم کو ڈرا رہا تھا یا اُسے پیشگوئی کر رہا تھا؟ کیا خدا اُسے یہ بتا رہا تھا کہ مَیں تیرے ساتھ کیا کروں گا یا پھر خدا اُسے اپنے سے دُور جانے کے فطری نتائج کی خبر دے رہا تھا؟ پولس رسول یوں لکھتا ہے،

''پس جِس طرح ایک آدمی کے سبب سے گُناہ دُنیا میں آیا اور گُناہ کے سبب سے موت آئی اور یُوں موت سب آدمیوں میں پھیل گئی اِس لئے کہ سب نے گُناہ کِیا'' (رُومیوں 5:12)

غور فرمائیں کہ ایک آدمی کے سبب سے دنیا میں گناہ آیا۔جب دُنیا میں گناہ آیا تو موت بھی اُس کے ساتھ آ گئی۔موت کو خدا نہیں لایا یا اُس نے اِسے انسان پر مسلط نہیں کیا بلکہ گناہ کی وجہ سے موت آئی۔جب گناہ آیا تو موت بھی اُس کے کندھوں پر بیٹھ کر آ پہنچی! 1 کرنتھیوں 15:56 میں پولس رسول یوں لکھتا ہے ''موت کا ڈنگ گُناہ ہے'' (1 کرنتھیوں 15:56)۔جب کوئی چیز آپ کو ڈس جائے تو اُس کا زہر آپکے بدن میں پھیلنا شروع ہو جاتا ہے اور بالآخر اس کا نتیجہ برآمد ہو جاتا ہے۔اگر کسی انسان کو کوئی خطرناک چیز مثلاً بچھو ڈنگ مارتا ہے تو اُس انسان میں موت کا بیج داخل ہو جاتا ہے۔اُس انسان میں وہ زہر کام کرنا شروع کر دیتا ہے اور بالآخر اُس انسان کی موت کا سبب بنتا ہے۔ اِسی لیے تو پولس رسول یوں لکھتا ہے کہ ''موت کا ڈنگ گُناہ ہے''۔جب گناہ آپ کو ڈنگ مارتا ہے تو یہ آپ میں ایسا زہر داخل کر دیتا ہے جو خوفناک کام کا آغاز کر دیتا ہے یعنی وہ یقیناً آپ کو آہستہ آہستہ ختم کر رہا ہوتا ہے۔

پولس رسول کہتا ہے کہ آدم کے سبب سے گناہ آیا جس کی وجہ سے موت آئی۔یہ موت تمام انسانوں پر آئی

کیونکہ سب نے گناہ کیا۔ تمام لوگ مرتے ہیں کیونکہ تمام لوگوں کو گناہ کا مرض لاحق ہے (رومیوں 12:5) آیئے دیکھتے ہیں کہ پولس رُسول اس بات کو کیسے ثابت کرتا ہے، وہ یوں لکھتا ہے،

''کیونکہ شریعت کے دِیئے جانے تک دُنیا میں گُناہ تو تھا مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گُناہ محسُوب نہیں ہوتا'' (رُومیوں 13:5)

جب وہ یوں بیان کرتا ہے کہ ''شریعت کے دیئے جانے تک'' تو اس میں وہ کونسے وقت کی بات کر رہا تھا؟ وہ یہاں اُس وقت کی بات کر رہا ہے جب کوہِ سینا پر شریعت نہیں ملی تھی یعنی تخلیق کے وقت سے موسیٰ کو شریعت ملنے کا درمیانی وقت۔ بے شک شریعت ہمیشہ سے زندگی کے فطری اُصول کے طور پر موجود ہے کیونکہ شریعت خدا کی فطرت کا تاثر ہے اور خدا تو ہمیشہ سے موجود ہے مگر کوہِ سینا پر شریعت ملنے سے قبل لوگ اِسے سمجھنے سے قاصر تھے۔ اِسی لیے تو پولس رسول یوں لکھتا ہے ''مگر جہاں شریعت نہیں وہاں گُناہ محسُوب نہیں ہوتا''۔ یہاں پر وہ کس بارے میں بات کر رہا ہے؟ وہ یہ بتا رہا ہے کہ گناہ پہلے سے موجود تھا۔ لوگ گنہگار تھے مگر خدا نے اُنہیں گنہگار قرار نہ دیا، یوں خدا نے اُس وقت اُن کی بدی کی سزا اُن پر عائد نہ کی۔ وہ ایسا کیوں نہ کر سکا؟ کیونکہ تب تک شریعت نہیں ملی تھی۔ شریعت کے بغیر لوگ اچھے اور بُرے میں فرق کرنے سے قاصر تھے اِسی لیے لوگوں پر بُرائی کی سزا عائد نہیں کی جا سکتی تھی۔

''تو بھی آدم سے لے کر موسیٰ تک موت نے اُن پر بھی بادشاہی کی جنہوں نے اُس آدم کی نافرمانی کی طرح جو آنے والے کا مثیل تھا گُناہ نہ کیا تھا'' (رُومیوں 14:5)

اس حقیقت کے باوجود بھی جب تک خدا نے کوہِ سینا پر اپنی شریعت عطا نہ کر دی تب تک لوگ شریعت کو سمجھ نہیں سکتے تھے (یہ آدم اور موسیٰ کے زمانے کا درمیانی وقت تھا)، تاہم موت نے لوگوں پر بھی بادشاہی کی۔ تمام لوگوں نے موت کا مزا چکھا۔ چونکہ اُنہیں گنہگار نہیں ٹھہرایا گیا تھا اس لیے خدا اُن کا انصاف نہیں کر رہا تھا اور نہ ہی اُنہیں ختم کر رہا تھا۔ اُنہوں نے آدم کی مانند گناہ نہیں کیا تھا یعنی اُنہوں نے کسی خاص حکم کو دانستہ طور پر نہیں توڑا تھا۔ شریعت کے بغیر اُن پر سزا عائد کرنے کا کوئی بھی طریقہ نہیں تھا اس کے باوجود وہ مر رہے تھے۔ اُنہیں کون مار رہا تھا؟ وہ گناہ ہی تھا جو اُنہیں مار رہا تھا۔ اگرچہ اُنہیں اچھائی اور بُرائی کے فرق کا واضح علم نہیں تھا اس کے باوجود بھی وہ گناہ کی حالت میں تھے، یہ تمام انسانوں کو آدم کی طرف سے ملا تھا اور اِس کی وجہ سے اُن سب پر موت آئی (رومیوں 21:5؛ 7:24؛ یعقوب 15:1)۔

عدالتی شریعت کیوں آئی؟

تاہم اس حقیقت کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ بائبل مقدس یہ سکھاتی ہے کہ انسان کا انصاف شریعت کی بنیاد پر ہوگا اور جو مجرم ٹھہریں گے موت کی سزا پائیں گے۔

''کیونکہ خُدا ہر ایک فعل کو ہر ایک پوشیدہ چیز کے ساتھ خواہ بھلی ہو خواہ بُری عدالت میں لائے گا'' (واعظ 14:12)

''تُم اُن لوگوں کی طرح کلام بھی کرو اور کام بھی کرو جن کا آزادی کی شریعت کے مُوافق اِنصاف ہوگا'' (یعقوب 12:2)

یہ حوالہ اور دیگر بہت سے حوالے اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ ہمارے انفرادی اعمال اہمیت رکھتے ہیں اور خدا ہمارے ہر عمل کو عدالت میں لائے گا۔ اِس بات کی وضاحت کیسے کی جاسکتی ہے؟ اگر گنہگار کو گناہ مار دیتا ہے اور گناہ کا حتمی نتیجہ موت ہے تو پھر خدا کو گنہگاروں پر سزا عائد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ خدا کو انسان کے اعمال کا جائزہ لینے اور اُن پر سزا عائد کرنے کی ضرورت اس وجہ سے تھی تا کہ ہر کسی کو ''اُسکے اعمال کے مطابق بدلہ'' ملے؟ خدا نے گنہگار کو یہ جانتے ہوئے کہ اِسے بالآخر گناہ ختم کر دے گا اُسے مرتی ہوئی حالت میں کیوں نہ چھوڑا؟ خدا ان معاملات کو فطرت کے رحم و کرم پر چھوڑتے ہوئے اِنہیں عدالتی دائرہ کار میں کیوں لایا جبکہ گناہ نے آخر کار گنہگاروں کو ختم تو کر ہی دینا تھا؟ رومیوں 20:5 میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے،

''اور بیچ میں شریعت آ موجود ہُوئی تا کہ گُناہ زیادہ ہو جائے مگر جہاں گُناہ زیادہ ہُوا وہاں فضل اُس سے بھی نہایت زیادہ ہُوا'' (رومیوں 20:5)

شریعت اس وجہ سے آئی تا کہ گناہ زیادہ ہو جائے یعنی اس میں مزید اضافہ ہو جائے۔ یوں لوگ اس بات کو جان سکیں گے کہ گناہ کتنا طاقتور ہے۔

''پس جو چیز اچھی ہے کیا وہ میرے لِئے موت ٹھہری؟ ہرگز نہیں بلکہ گُناہ نے اچھی چیز کے ذریعہ سے میرے لئے موت پیدا کر کے مجھے مار ڈالا تا کہ اُس کا گُناہ ہونا ظاہر ہو اور حُکم کے ذریعہ سے گُناہ حد سے زیادہ مکروہ معلُوم ہو'' (رومیوں 13:7)

باالفاظِ دیگر جب آدم نے گناہ کیا تو یہ گناہ تمام انسانوں میں آ گیا۔ اِس کے نتیجے میں تمام انسان گھٹیا اور

بُرے اعمال میں ملوث ہو گئے اور بالآخر گناہ کی وجہ سے سبھی انسان مر گئے۔ مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ انسان کو اس بات کا اندازہ ہی نہ تھا کہ وہ کتنے گنہگار ہیں۔ انسان موت کو حسبِ معمول ہی سمجھنے لگے، وہ اِس بات کو بالکل بھی نہیں سمجھتے تھے کہ اُنہیں کس قسم کی زندگی حاصل تھی اور اب وہ کیسی زندگی بسر کر رہے ہیں اور وہ اپنے اوپر آنے والی موت کے بارے میں بھی نہیں جانتے۔ اپنی محبت کی وساطت سے خدا نے ایسا راستہ تلاش کیا تا کہ انسان پر یہ ظاہر کر سکے کہ وہ فطری طور پر کیسے تھے اور انسان پر اِس کی اصل فطرت اور موت کے درمیان پائے جانے والے فرق کو بھی واضح کیا یعنی گناہ موت کا سبب بنا تا کہ وہ گناہ سے ڈرنا اور اِس سے نفرت کرنا سیکھ سکیں۔ خدا نے ایک نظام مرتب کیا تا کہ ''اُس کا گُناہ ہونا ظاہر ہو اور حُکم کے ذریعہ سے گُناہ حد سے زیادہ مکروہ معلُوم ہو''۔ خدا نے شریعت کو عدالتی نظام میں ظاہر کیا تا کہ انسان گناہ کی حقیقت کو سمجھ سکے۔

شریعت کی ''ایجاد''

ایک دن آئزک نیوٹن سیب کے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک سیب اُس کے سر پر آ لگا۔ اس عام سے واقعے نے اس سائنسدان کو سوچنے پر مجبور کر دیا اور اُس نے کچھ حیرت انگیز ''ایجاد'' کر لیا۔ اُس نے حیرت سے سوچا کہ ''یہ سیب میرے سر پر آ کر کیوں لگا ہے؟ یہ سیب اوپر کی بجائے نیچے کو کیوں آیا؟'' یہ سوچتے ہوئے وہ اس حقیقت کو جان گیا کہ چیزیں ہمیشہ، ہر بار اور ہر طرح کے حالات میں ایسے ہی گرتی ہیں۔ اس کی وجہ سے اُس نے ایک فارمولا ایجاد کر لیا جسے ہم کشش ثقل کا فارمولا کہتے ہیں اور یوں وہ اِس قانون کا موجد ہے۔

بے شک آئزک نیوٹن کے منظرِ عام پر آنے سے قبل ہی یہ قانون موجود تھا لیکن جب اُس نے اِسے اپنے لیے اور دُنیا کے لیے دریافت کیا تو یہ بات بڑی حیرت انگیز محسوس ہوئی۔ اُسے وہ منظر بڑا دلچسپ لگا۔ آئزک نیوٹن نے اِس خیال کو لفظوں میں بیان کیا اور اِسے کششِ ثقل کا نام دے دیا۔ لیکن اُس نے اِسے محض لفظوں میں بیان کیا تھا مگر یہ تو محض اِسے بیان کرنے کا ایک طریقہ کار تھا یعنی اس سے پہلے کہ وہ یا کوئی بھی اس قانون پر غور کرتا پھر بھی یہ قانون پہلے سے ہی موجود تھا۔ جب اُس نے اِس قانون کو لفظوں میں بیان کیا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اُس نے اس قانون کو بنایا یا اِسے مرتب کیا ہے، کیونکہ یہ تو پہلے ہی کسی حد تک جانا اور سمجھا جاتا تھا۔

اسی طرح سے خدا کی اخلاقی شریعت بھی ہمیشہ سے موجود ہے۔ تمام فرشتے اِسے فطری طور پر مانا کرتے تھے۔ لوسیفر ایسی ہستی تھی جس نے دیکھا اور فرشتوں کو بتایا کہ اُن کا رویہ محض یک طرفہ ہے یعنی وہ ہمیشہ خدا کی

مرضی کو پورا کرتے ہیں۔فرشتوں کو یہ خیال عجیب سا محسوس ہوا کہ کوئی ایسی شریعت ہے جس کے ذریعے اُن کو قابو میں رکھا جا رہا تھا کیونکہ اُن کی خدمت تو ہمیشہ سے فطری اور پُر مسرت تابعداری پر مبنی رہی ہے۔جب ایسا ہوا تو لوسیفر نے اخلاقی شریعت کو ''دریافت'' کرلیا اور اُس نے یہ تہیہ کرلیا کہ اب وہ خود کو کسی کے تابع نہیں رکھے گا۔

انسان کو اخلاقی شریعت کے کاموں کو سمجھنے کے قابل بناتے ہوئے تا کہ انسان گناہ کی قوت کو جان سکے اور اخلاقی شریعت اور موت کے درمیان پائے جانے والے تعلق کو سمجھانے کے لیے خدا نے شریعت کو ایجاد کیا یا دوسرے لفظوں میں خدا نے اِسے ایک فارمولے میں بیان کر دیا تا کہ انسان اِسے سمجھ سکے۔اُس نے کوہِ سینا پر یہی کچھ کیا تھا۔

آیئے ایک مثال پر غور کرتے ہیں جس کی مدد سے ہم اِس مسئلے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے:

مثال

آیئے فرض کرتے ہیں کہ لوگوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو کسی پہاڑی چوٹی پر پھنسا ہوا ہے۔ ہر طرف گہری گھاٹیاں ہیں اور اُس پہاڑی سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔اگر اوپر سے نیچے کی طرف ان گھاٹیوں کو دیکھا جائے تو اِن میں تاریکی ہی دکھائی دیتی ہے کیونکہ یہ بہت گہری ہیں۔درحقیقت وہاں پر ایسی گہری کھائیاں ہیں جو اوپر سے گرنے والے کو ختم کرنے کی منتظر ہیں یا پھر اُس چوٹی سے نیچے اِن گھاٹیوں میں چھلانگ لگانا بے وقوفی سے کم نہیں ہوگا۔

ایک دن کہیں سے وہاں پر کوئی اجنبی شخص آیا اور اُس نے وہاں کے لوگوں کو ورغلانہ شروع کر دیا کہ نیچے جہاں تاریکی دکھائی دیتی ہے وہاں پر خوبصورت اور سرسبز زمین موجود ہے جو کہ جنت کی مانند ہے۔وہ بیان کرتا ہے کہ وہاں کا ایسا نظام ہے کہ اگر کوئی یہاں سے نیچے کود پڑتا ہے تو وہ اُس تاریکی میں سے گزرنے کے بعد بڑے آرام کے ساتھ اُس جنت میں پہنچ جاتا ہے۔یہ عجیب سا شخص اوپر سے نیچے کی طرف ایک یا دو بار چھلانگ لگا کر جاتا ہے اور مختلف انواع واقسام کے پھل لیے ہوئے واپس آتا ہے۔آہستہ آہستہ وہاں کے لوگ اُس کی بات پر متفق ہو جاتے ہیں۔یکے بعد دیگرے ہر کوئی وہاں سے چھلانگ لگانا شروع کر دیتا ہے۔

تاہم، ایک شخص ایسا تھا جو اس حقیقت سے بخوبی واقف تھا کہ دراصل نیچے کیا ہے۔پُر زور اصرار کرتے ہوئے وہ شخص لوگوں کو وہاں سے چھلانگ لگانے سے منع کرتا ہے اور اُنہیں خبردار کرتا ہے کہ نیچے بہت بڑا خطرہ اُن کا منتظر ہے مگر اُس کی کسی نے نہ مانی۔لوگ مسلسل وہاں سے کود رہے تھے۔اِس شخص نے جو کہ نیچے کے خطرے سے واقف تھا، وہ بالآخر گن (Gun) نکالتا ہے اور ایک طرف کھڑا ہو جاتا ہے۔وہ یوں کہتا ہے ''اب جو بھی چھلانگ

لگائے گا مَیں اُسے گولی ماردُوں گا۔'' کچھ لوگوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالنے کا فیصلہ کیا اور کود پڑے۔ ایک طرح سے وہ لوگ تو پہلے ہی مر چکے تھے مگر پھر بھی وہ شخص اِن کو فوری طور پر گولی مار کر ہلاک کر دیتا ہے۔

اب وہ منظر تبدیل ہو جاتا ہے۔ پہلے تو لوگ نیچے کودنے کی وجہ سے مر رہے تھے مگر اب یہ شخص اُنہیں اوپر ہی مار رہا تھا۔ عمل اور نتائج کی شریعت کی وجہ سے یعنی کششِ ثقل کے قانون کے ذریعے وہ لوگ مر رہے تھے لیکن اب یہ شخص اُنہیں اوپر ہی مار رہا تھا۔ اُس نے ایک ایسا نظام مرتب کیا کہ لوگوں کو اُسکی بات ماننی پڑے گی ورنہ اُنہیں ایسا نہ کرنے کی سزا جھیلنی پڑے گی اور یہ نیا نظام عمل اور نتائج کی شریعت بن جاتا ہے۔ اب فطری شریعت کی بجائے (اگر تُم کودو گے تو کششِ ثقل میں مار ڈالے گی) یہ عدالتی نظام مقرر ہو جاتا ہے کہ (''تُم یہاں سے نہ کودو ورنہ مَیں تمہیں ماردُوں گا'')۔ فطرت کا قانون اعلیٰ قانون ہے اور یہ ہمیشہ برقرار رہتا ہے لیکن لوگوں کی جہالت اور اُن کے تباہ کُن کاموں کی وجہ سے اب یہ شخص لوگوں کو بچانے کی خاطر فطری نظام میں اس قسم کا عدالتی نظام مقرر کر دیتا ہے۔ دراصل وہ محض ایسے لوگوں کو مار رہا تھا جو یقیناً مرنے والے تھے اور نیچے گرا کر خود کو پتھروں سے مسمار کرنے کی بجائے وہ اُنہیں اوپر ہی گولی مار کر دراصل یہ چند اچھے کام کر رہا تھا۔

1۔ وہ اُن لوگوں کو بچالے گا جو وہاں سے چھلانگ لگانے سے ڈرتے تھے۔ ایسا کرنے سے وہ لوگوں کو ایسا موقع مہیا کر رہا تھا کہ وہ مزید کچھ دیر تک اپنے طور پر جان لیں کہ دراصل نیچے کیسی جگہ ہے اور اُس شخص کے بارے میں بھی جان لیں جو اُنہیں دھوکہ دے رہا تھا۔

2۔ وہ ایسے لوگوں کو دُکھ سہنے سے بچالے گا جو پتھروں سے چوٹ کھا کر نہیں مرتے۔

بے شک تمام لوگ اُس گن والے شخص سے ڈر جائیں گے۔ وہ اُسے جابر کہیں گے اور وہ موقعے کی تلاش میں رہیں گے کہ جب اِس شخص کا دھیان کسی دوسری طرف ہوگا تو وہ یہاں سے نیچے چھلانگ لگا دیں گے۔ وہ اُس پر خفا ہوں گے اور اُس پر یہ الزام لگائیں گے کہ وہ اِنہیں حقیقی خوشی حاصل کرنے سے روک رہا ہے جبکہ یہ شخص تو اُن کی بھلائی کے لیے کام کر رہا ہے۔

آپ کو اس مثال میں کیا مماثلت نظر آتی ہے؟ اِسی وجہ سے خدا نے ان معاملات کو عدالتی شریعت کے طریقہ کار میں رکھ دیا اور اِس کے ساتھ متعلقہ سزائیں بھی مقرر کر دیں۔ شریعت دیتے ہوئے خدا یوں کہہ رہا تھا ''اگر تُم چھلانگ لگاؤ گے تو مَیں تُم کو گولی ماردُوں گا''۔ اگرچہ گناہ اُنہیں مار رہا ہوتا ہے مگر وہ اِس بات کو محسوس نہیں کرتے اور

اُنہیں اِس بات سے ڈر نہیں لگتا۔ وہ اپنے گناہ آلودہ طرزِ زندگی کو جاری وساری رکھتے ہیں اور موت کی طرف بڑھتے جاتے ہیں اور وہ گناہ سے نہیں ڈرتے یا اپنی روشوں کو درست نہیں کرتے۔ اِسی وجہ سے خدا نے عدالتی نظام مقرر کیا۔ اُس نے ایسا نظام مقرر کر دیا ہے جس کے تحت اگر آپ اُس کے مقررہ قوانین کی حکم عدولی کریں گے تو وہ آپ کو مار دے گا۔ پھر لوگ گناہ سے اس لیے ڈرتے ہیں کیونکہ اس کی سزا موت ہے اور اِس سے چھٹکارہ پانے کی کوشش کرتے ہوئے اُنہیں پتہ چلتا ہے کہ یہ تو اُن کی فطرت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اُنہیں احساس ہوتا ہے کہ اگر وہ اِس سے چھٹکارہ پانا چاہتے ہیں تو اِس کے لیے اُنہیں مافوق الفطرت مدد درکار ہے اور یوں شریعت اُس سکول ماسٹر کی مانند بنی جو لوگوں کی رہنمائی یسوع کی طرف کرتی ہے (گلتیوں 3:24)۔

بدقسمتی سے بہت سے لوگ خدا کو ہی اصل مسئلہ سمجھتے ہیں کیونکہ اُس نے اِنہیں قواعد وضوابط عطا کئے ہیں اور اِن سے مطالبہ کرتا ہے کہ موت کے ڈر سے اُنہیں مانیں۔ انسان اپنے گناہوں کی بجائے خدا سے چھٹکارہ چاہتا ہے اور وہ خدا کے قوانین پر برہمی کا اظہار کرتا ہے اور اُس پر یہ الزام بھی لگاتا ہے کہ جو کوئی خدا کی باتیں نہیں مانتا اُسے مرنا پڑتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ چاہے خدا گنہگاروں پر موت کی سزا عائد کرے یا نہ کرے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ بالآخر گناہ نے اِسے مار دینا ہے۔

نوح کے زمانے کے لوگوں یا سدوم کے لوگوں پر غور کریں۔ نوح کے زمانے کے لوگوں طوفان کے ذریعے جبکہ سدوم کے زمانے والوں کو آگ کے ذریعے ختم کر دیا گیا۔ اگر خدا اُن کے ساتھ ایسا نہ کرتا تو اُن لوگوں کا کیا بنتا؟ کچھ سالوں بعد اُن تمام لوگوں نے مر جانا تھا! اور اُنہوں نے طوفان اور آگ کے ذریعے مرنے کی طرح ہی مر جانا تھا! لیکن خدا نے اُنہیں کچھ سال پہلے ہی کیوں مار دیا؟ اس سے کیا فرق پڑا؟ ایسا اس لیے ہوا تا کہ یہ دوسروں کے لیے نشانِ عبرت ٹھہریں اور باقی لوگ گناہ سے ڈرنا سیکھ لیں اور یہ بات بھی ہے کہ لوگ اس بات کو جان لیں کہ گناہ نے انسان کو کس حد تک نقصان پہنچایا ہے۔

تین درجے

خدا کے ساتھ اپنے رویے اور تعلق میں انسان بنیادی طور پر تین درجوں میں ہوتا ہے۔

1۔ پہلا اور سب سے نچلا درجہ یہ ہے کہ انسان یہ ایمان رکھتا ہے کہ ''اگر مَیں خدا کی نافرمانی کروں گا تو وہ مجھے مار دے گا۔'' یوں انسان خدا سے خوفزدہ رہتا ہے اور سزا کے خوف سے انسان خدا کو خوش رکھنا چاہتا ہے۔ بت

پرست مذاہب کا بنیادی عقیدہ یہی ہے مگر بیشتر اوقات بنی اسرائیل بھی اِس ڈر کے تحت ہی عبادت کیا کرتے تھے اور افسوسناک بات یہ ہے کہ آج بھی بے شمار ''مسیحی'' بھی اِسی درجے پر موجود ہیں۔ یہ لوگ خدا کو ایک مسئلہ سمجھتے ہیں۔

2۔ دوسرے درجے کے لوگ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ دراصل مسئلہ خدا نہیں بلکہ اُن کے گنہگار اعمال ہیں۔ خدا اُنہیں مارنا نہیں چاہتا لیکن اگر لوگ اپنے اعمال دُرست نہیں کرتے تو پھر خدا کو ایسا کرنا پڑتا ہے۔ عدل کا یہی تقاضا ہے کہ خدا گنہگاروں کو مارے۔ اس قسم کے لوگ خدا کے بارے میں بہتر تاثر رکھتے ہیں مگر پھر وہ اصل مسئلے کو نہیں سمجھتے اور وہ موت کو خدا کے ضروری کام کے طور پر مانتے ہیں کیونکہ خدا عدل کے تحت چلتا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اصل مسئلہ ہمارے کام ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ وہ اپنے کاموں کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ شریعت کی شرائط پر پورا اُتر سکیں۔ اس سطح پر گنہگار شخص عدل کا تقاضا پورا کرنے کو اہمیت دیتا ہے۔

3۔ مگر تیسرے درجے پر ہم بالآخر اصل بات سمجھ ہی جاتے ہیں! صرف ایک ہی مسئلہ ہے اور محض یہی واحد مسئلہ ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ خدا سے جُدائی کی وجہ سے ہمیں ایسی بیماری لگ گئی جسے ہم گناہ کہتے ہیں اور یہ ہماری زندگیوں کو کھائے جا رہی ہے، یہ ہم میں بُرے اعمال پیدا کر رہی ہے اور ہمیں مار رہی ہے۔ اصل قاتل یہی ہے اور عدالتی شریعت گنہگار کی موت کا تقاضا نہیں کرتی یہ تو فطرت کا قانون ہے یعنی نتائج کا قانون ہے۔ اب ہم اس بات کو سمجھ گئے ہیں کہ ہمارے اندر پایا جانے والا گناہ ہی اصل مسئلہ ہے اور ہمیں صرف اپنے اعمال ہی نہیں بلکہ ہمیں اپنی فطرت تبدیل کرنی چاہیے۔ ہمیں زندگی میں صرف اُسی ہستی کو تلاش کرنا چاہیے جو میرے اندر ایسی فطرت پیدا کر سکتا ہے۔ اس سطح پر ایماندار راستبازی بذریعہ ایمان کی بنیاد پر یقین رکھتے ہیں۔

ہمیں اس بات کو سمجھنا چاہیے کیونکہ جب ہماری سوچ دوسرے درجے پر پہنچتی ہے تو پھر گناہ اور خدا کے ساتھ ہمارا تعلق ہمیشہ قانونی نقطہ نظر سے ہی سمجھا اور اپنایا جاتا ہے۔ گناہ کا تعلق شریعت کی تفصیل کے ساتھ ہے اور نجات کا تعلق صرف قوانین کی پاسداری کے ساتھ ہے۔ خدا کی مہربانی اور ہماری زندگی کا تعلق اس بات سے ہے کہ ہم ان قوانین کی پاسداری کس انداز سے کرتے ہیں۔ دراصل یہ بات قانون پرستی کی بنیاد ہے۔

میرے کام نہیں بلکہ میری فطرت

جب ہم تیسرے درجے پر آتے ہیں تو پھر ہم بچے یا غلام نہیں رہتے بلکہ خدا کے بیٹے بن جاتے ہیں (گلتیوں 4:3، 7) اور ہم یہ باتیں سمجھ جاتے ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مَیں کیا کرتا ہوں۔ میرے کاموں میں کوئی

مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسئلہ میرے اندر ہے۔ میری فطرت میں مسئلہ ہے۔ مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ خدا میرے کاموں کو تبدیل کرنے پر زور نہیں دیتا بلکہ وہ مجھے نیا دل اور نئی فطرت مہیا کرنے پر زور دیتا ہے، جس کے ذریعے میرے کام تبدیل ہو جائیں گے۔ اب مَیں خدا سے خوفزدہ نہیں ہوں اور مَیں اپنے کاموں سے بھی خوفزدہ نہیں ہوں۔ اب مَیں اپنے آپ سے خوفزدہ ہوں! اب مَیں اپنے کاموں کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اب مَیں دلی طور پر مسیح کی تلاش کرتا ہوں اور خود کو اُس کے سپرد کرتا ہوں کیونکہ صرف وہی میری فطرت کو تبدیل کر سکتا ہے! گناہ یا پھر عدل میری موت کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ میری گناہ آلودہ فطرت جو میرے اندر موت کی صورت میں موجود ہے وہ مجھ سے یہ تقاضا کرتی ہے اور یوں خدا کی شریعت مجھے اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ اِس مسئلے کو حل کرنا میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ مجھے مسیح (تحریری شریعت کی بجائے زندہ شریعت) کے پاس آنا چاہیے تاکہ مَیں زندگی پاؤں (گلتیوں 24:3) یعنی تاکہ مَیں نئی فطرت حاصل کر لوں۔

خدا نے عدالتی طریقہ کار میں اُلجھن پیدا کر دی ہے۔ اُس نے قوانین اور سزائیں مقرر کی ہیں مگر اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ یہ تو تصویر کے اندر ہی ایک تصویر ہے یعنی یہ دوسرا درجہ ہے۔ اصل مسئلہ عدالتی سطح پر نہیں بلکہ اس سے بھی اعلیٰ سطح پر ہے یعنی اصل مسئلہ فطری شریعت میں پایا جاتا ہے کیونکہ ہم ایسے اُصولوں میں پھنسے ہوئے ہیں جن پر کائنات کا وجود ہے۔

باب نمبر 11

یسوع کو کیوں مرنا پڑا؟

ایک مرتبہ مَیں نے جمیکا میں ایک مشہور ٹاک شو کے میزبان کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ خدا ایسی ہستی ہے جو ''خون کی پیاسی'' ہے۔ اُس نے ایسا اس وجہ سے کہا تھا کیونکہ یہ بات اُس کی سمجھ سے بالاتر تھی کہ ایک چھوٹے سے گناہ کی سزا بھی خدا موت کی صورت میں کیوں دیتا ہے اور وہ اپنے ارادے میں اتنا سخت کیوں ہے کہ اگر اُس کا بیٹا ہمارے لیے کفارہ نہ دے تو ہم معافی نہیں پا سکتے ہیں۔ وہ اس بات کی یوں وضاحت کرتا تھا کہ خدا گنہگار سے کفارے کا مطالبہ کرتا ہے جس میں گنہگار کو خود ہی مرنا پڑتا ہے اور اگر وہ یہ کفارہ نہیں دیتا تو پھر خدا کے اپنے بیٹے کی قربانی ہی اس گنہگار کو بچا سکتی ہے۔

وہ شخص واقعی تاریکی میں تھا لیکن اُس نے ایک ایسے مسئلے کو نمایاں کیا تھا جو مجھے بھی کافی سالوں سے پریشان کر رہا ہے اور جس کے بارے میں مَیں نے مختلف قسم کی وضاحتیں سُنیں ہیں مگر ان میں سے کوئی بھی خدا کے لازوال رحم سے متعلقہ نہیں ہیں۔

مَیں نے سُنا ہے کہ یوں بھی کہا جاتا ہے کہ شریعت گنہگار کی موت کا مطالبہ کرتی ہے لیکن اگر کوئی شخص عدل کا یہ تقاضا پورا نہیں کرتا تو پھر کسی اور شخص کو اِس کے بدلے مرنا پڑتا ہے اور محض کسی انسان کو ہی نہیں بلکہ ایسی الٰہی ہستی کو مرنا پڑتا ہے جو شریعت کے برابر ہو اور جو خود شریعت دینے والی ہو۔

لیکن میرا سوال یہ تھا کہ ایسا کونسا عدالتی نظام ہے جس میں کسی گنہگار کی سزا کسی اور شخص کو دے دی جائے ؟اِس سے کس کو تسلی ملتی ہے؟

آیئے اس بات کو مَیں ایک مثال کے ذریعے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اگر مَیں اپنے بیٹے کو کہتا ہوں کہ وہ میرے آموں میں سے کوئی بھی نہ لے اور وہ میری بات کو نہیں مانتا تو پھر مجھے اپنی باتوں میں اثر پیدا کرنے کے لیے اُنہیں نہ ماننے پر سزا بھی تجویز کرنی پڑے گی۔ ایسا کرنے کی دو وجوہات ہیں: پہلی وجہ، تاکہ میرا اثر و رسوخ قائم رہے اور دوسری وجہ، وہ اس بات کو سمجھ سکے کہ اُس کی بھلائی میری تابعداری کرنے میں ہی ہے۔ نافرمانی کرنے سے وہ مشکل حالات میں پھنس سکتا ہے۔ مگر اپنے بیٹے کو سزا دینے سے مجھے یہ باتیں سیکھنے کو ملتی ہیں۔ اس میں بدلے کا

بالکل بھی عنصر نہیں پایا جاتا اور نہ ہی مَیں اُس سے انتقام رہے رہا ہوتا ہوں۔ اپنی نافرمانی کرنے پر اُسے اذیت دینا بھی میری خواہش نہیں ہے۔ مزید برآں، مَیں کبھی بھی اپنے بیٹے کو یہ نہیں کہوں گا کہ ''اگر تُم میرے آموں میں سے لوگے تو مَیں تمہیں مار دُوں گا۔'' سزا دینے میں میرا مقصد یہ ہے کہ وہ ایک اچھا انسان بن جائے اور اُس کی زندگی بچ جائے... نہ کہ اُس کی زندگی کو دُکھ ملے۔ مزید یہ کہ اگر میرا بیٹا اپنے کیے پر پشیمان ہوتا ہے اور وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُسے اپنے کیے پر ندامت ہے تو کیا پھر بھی اُسے سزا دینی پڑے گی؟ مجھے یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئے گی کہ ''بیٹا! مَیں جانتا ہوں کہ تمہیں اپنے کیے پر شرمندگی ہے اور مَیں تمہیں معاف بھی کرنا چاہتا ہوں مگر تمہیں سزا دیئے بغیر مَیں ایسا نہیں کر سکتا۔ تُم نے میری نافرمانی کی ہے اس لیے تمہیں معاف کرنے کے لیے مجھے کسی اور کو تمہاری جگہ سزا دینی پڑے گی۔ مَیں جانتا ہوں کہ تم معذرت خواہ ہو اس لیے مَیں تمہیں معاف بھی کرنا چاہتا ہوں لہٰذا مَیں تمہاری جگہ تمہارے بھائی کو تمہاری سزا دے دیتا ہوں۔'' کیا اس بات کا جواز بنتا ہے؟

یہی تو نجات کا منصوبہ ہے اور مَیں اور دیگر بہت سے لوگ اِسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ مَیں اس بات کو مانتا ہوں کہ مسیح کے مرنے کی ایک اچھی وجہ تھی اور مَیں یہ بات بھی مانتا ہوں کہ چونکہ مَیں خدا نہیں ہوں اس لیے مَیں اُس کے خون کا مطالبہ نہیں کر سکتا مگر مَیں اس بات کو سمجھنے اور بیان کرنے سے قاصر ہوں کہ یہ سب کچھ کرنا کیوں ضروری تھا۔ شکر ہے کہ راستبازی بذریعہ کا مطالعہ کرتے ہوئے بالآخر مَیں اس بارے میں جان گیا ہوں کہ ایسا کیوں ضروری تھا اور مَیں اس بات کو جان گیا ہوں کہ یہ کتنا شاندار منصوبہ تھا!

قانونی خیال؟

کچھ عرصہ پہلے جب مَیں انٹرنیٹ پر کچھ تلاش کر رہا تھا تو ایک سوال میرے دماغ میں آیا جس نے میرے اندر ایک تجسس پیدا کر دیا۔ سوال یہ تھا ''کیا انجیل قانونی خیال ہے؟'' اس سوال کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان مسیح پر ایمان رکھتا ہے (یعنی مسیح کو بطورِ نجات دہندہ تسلیم کرتا ہے) تب وہ راستباز ٹھہرتے ہیں۔ اس وجہ سے اُسے راستباز قرار دیا جاتا ہے۔ خدا اُس کے تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اُسے مسیح کی مانند راستباز تسلیم کر لیتا ہے۔ تاہم زیادہ تر مسیحیت میں یہ سکھایا جاتا ہے کہ دراصل ایسا شخص تبدیل ہو جاتا ہے یعنی اُس کی فطرت اور اعمال مسیح کی مانند راستباز بن جاتے ہیں۔ یوں انجیل کو واضح طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ''قانونی خیال'' ہے۔ اِسے قانونی معاملے کے طور پر دیکھا جاتا ہے جس میں خدا ''قانونی'' طور پر وہ قبول کر لیتا ہے جو ٹھیک نہیں ہے۔ اس میں نظریاتی اور قانونی معاملات

پر بحث ومباحثہ کیا جاتا ہے یعنی یہ ہماری اصل حالت سے بھی زیادہ اہم باتیں بن جاتی ہیں!

مَیں پوری ایمانداری سے آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس نظریے میں کائنات کا مالک خدا دکھائی نہیں دیتا بلکہ اس میں اُسے ہوشیار، تیز طرار وکیل کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو ایسے کمزور نقاط کو بیان کرتا ہے جن کی مدد سے سب سے بُرا مجرم بھی آزادی حاصل کر لیتا ہے اور اُسے معاشرے میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ بار بار جرائم کا ارتکاب کر سکے۔ کیا خدا کی طرف سے پیش کیے جانے والے ''نجات کے منصوبے'' کو موزوں مانا جا سکتا ہے؟ کیا انجیل قانونی بحث ومباحثے پر مبنی ہے یا کیا یہ واقعی انسان کو گناہ سے آزاد کرنے سے متعلقہ ہے؟

گزشتہ باب میں ہم یہ بات پڑھ چکے ہیں کہ گناہ ہی ہے جو انسان کو مارتا ہے۔ یہ بات بالکل دُرست ہے کہ راستبازی زندگی مہیا کرتی ہے۔ جب ہم اس بات کو سمجھ لیتے ہیں تو مسیح کی موت مکمل طور پر مختلف تاثر پیش کرتی ہے۔

زندگی کی منتقلی کیسے ہوتی ہے؟

اس اہم بات کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں اس اہم اُصول کو سمجھنا پڑے گا۔ اور وہ یہ ہے: جب خدا نے زندگی خلق کی تو یہ آگے دوسروں میں منتقل ہوگئی اور ہر مخلوق کو پیدایشی طور پر ایسی ہی فطرت حاصل ہوتی ہے اور اِس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کیا ہے مثلاً کتا، بلی، شیر، بھیڑیا، انسان وغیرہ۔ اِسی فطرت کی بنا پر ہر کسی کی کردار سازی ہوتی ہے مگر فطرت سے یہ بات بھی پتہ چلتی ہے کہ وہ مخلوق کس قسم کی ہے۔

جیسے کہ ہم پہلے ہی جان چکے ہیں کہ ہم سبھی جسمانی اور رُوحانی طور پر پیدا ہوئے ہیں۔ جو کوئی بھی آدم کی نسل سے پیدا ہوا ہے وہ گنہگار، کمزور، ناقص، فانی بدن (گنہگار بدن) اور نفسانی، گناہ کا غلام اور ناراست رُوح (نفسانی سوچ) میں پیدا ہوا ہے۔ ہمیں پیدایشی طور پر یہی کچھ ملتا ہے اور کوئی بھی انسانی حربہ مثلاً میڈیکل سائنس، سائیکالوجی، تعلیم، سماجی رہن سہن، مذہب وغیرہ اِس فطرت کو تبدیل نہیں کر سکتے، بے شک جسمانی یا رُوحانی طور پر انسان اپنی کچھ باتوں کو چھپا یا پوشیدہ رکھ سکتا ہے۔ فطرت پیدایشی طور پر حاصل ہوتی ہے! انسان ایسی فطرت میں پیدا ہوا ہے جو رُوحانی طور پر مُردہ ہے۔ بائبل مقدس یوں کہتی ہے کہ وہ ''اپنے قصُوروں اور گُناہوں کے سبب سے مُردہ تھے'' (اِفسیوں 2:1,5)۔ انسان فانی بدن کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ اگر انسان اس دوہری موت (جسمانی اور رُوحانی) سے بچنا چاہتا ہے تو پھر انسان کو نئے سرے سے پیدا ہونا پڑے گا! کیونکہ فطرت تو صرف پیدایشی طور پر ہی منتقل ہوتی ہے! (یہ کسی دوسرے کی مانند بننے سے حاصل نہیں ہو سکتی)۔

زندگی کا نیا منبع

مگر آیئے اس بات کو یاد رکھیں کہ جب کوئی پیدا ہوتا ہے تو اُس کے پیچھے زندگی کا اصل منبع ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ پیدا ہونے والے کے والدین ہوتے ہیں جو پیدا ہونے والے کو زندگی منتقل کرتے ہیں۔ اگر کوئی انسان نئے سرے سے پیدا ہونا چاہتا ہے، اگر وہ نئی زندگی اور نئی فطرت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُس کا اصل منبع بھی ہونا چاہیے یعنی ایسے والدین ہونے چاہئیں جن میں اس قسم کی نئی زندگی پائی جاتی ہو۔ مزید یہ کہ نئی زندگی اور نئی فطرت کی تمام ضروری خصوصیات اور خوبیاں بھی اصل زندگی کا حصہ ہونی چاہئیں۔ اس سے پہلے کہ یہ آگے اولاد میں منتقل ہوں اِنہیں اُن والدین کی زندگی کا بھی حصہ ہونا چاہیے۔

ایسا کیا ہے جو خدا انسان کے لیے کرنا چاہتا ہے؟ وہ انسان کو ایسی زندگی مہیا کرنا چاہتا ہے جس میں گناہ کو شکست ملے یعنی ایسی زندگی جس میں ہماری فطرت خدا اور اُس کی راستبازی میں تبدیل ہو جائے جس طرح سے فطری طور پر پھول اپنا رُخ سورج کی طرف موڑتا ہے۔ اس قسم کی زندگی حاصل کرنے سے ہی انسان اُس خوفناک منزل سے خود کو بچا سکتا ہے جو اُسے پیدائشی طور پر آدم کی طرف سے ملی ہوئی ہے۔

مسیح کے ذریعے خدا یہی کرنا چاہتا ہے۔ یسوع کو دوسرا آدم بننا پڑا یعنی وہ انسانیت کی مانند بننے والا دوسرا شخص تھا اور وہ نئی انسانیت کے لیے ''ابدیت کا باپ'' (یسعیاہ 6:9) تھا جس نے انسان کو ایسی زندگی مہیا کی جس کے ذریعے گناہ پر فتح ملے اور اِس کے لیے راستبازی فطری حیثیت اختیار کر جائے۔ مگر ایسی زندگی کے حصول کے لیے یسوع کو کن شرائط کو پورا کرنا پڑا؟

ا۔ اُس نے گناہ کو خود جھیلا، اِس کی قوت کا تجربہ کیا اور اس سے مغلوب ہوئے بغیر اِس پر فتح پائی اور اِسے ختم کر دیا۔ اِسی طریقہ کار سے وہ اس فتح مند زندگی کو آگے اپنی اولاد میں منتقل کر سکتا تھا۔

ب۔ اُسے الٰہی ہستی ہونا تھا، یعنی اُسے ایسا ہونا تھا جو فطری طور پر شریعت کے برابر ہو؛ ایسی ہستی جو حقیقی طور پر خود زندہ شریعت ہو۔ کسی فرشتے کو بھی شریعت کی پاسداری کرنے کا حکم دیا جا سکتا تھا اور وہ آگے ہمیں ایسا سمجھا سکتا تھا مگر شریعت دینے والا یعنی خود زندہ شریعت ہی ایسی فطرت کو آگے منتقل کر سکتا تھا جس میں شریعت کے اُصول گہرائی سے پیوست ہوں۔

یسوع بالکل ایسا ہی نجات دہندہ ہے اور اُس میں یہ سبھی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ یسوع کو انسان بلکہ مکمل طور

پر انسان ہونا تھا ورنہ وہ ہمارے گناہ اپنے اوپر نہ لے سکتا۔ وہ ہماری بیماری کو ختم کرنے کے لیے اِسے اپنے اوپر نہ لے سکتا۔ تاہم نجات صرف آدم کے بیٹے سے حاصل نہیں ہوتی۔ وارثتی قانون کے مطابق آدم کی تمام نسل میں گناہ اور موت منتقل ہو چکی تھی۔ اگر یسوع صرف آدم کا بیٹا ہی ہوتا تو وہ بھی آگے انسانیت میں یہی کچھ منتقل کر سکتا تھا۔ زندگی مہیا کرنے کے لیے اُسے اس دُنیا سے منفرد ہونا تھا۔ اُسے منفرد انسان بننا تھا تاکہ وہ انسانیت میں ایک نیا عنصر پیدا کر سکے۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ یسوع کو مکمل طور پر الٰہی ہونا تھا!! الٰہی ہستی یعنی خدا کے برابر بنتے ہوئے ہی یسوع کامل راستبازی کی زندگی آگے منتقل کر سکتا تھا یعنی ایسی ہستی جو نہ صرف قوانین کی پاسداری کرے بلکہ جو خود بھی فطری طور پر پاک، راستباز اور مقدس ہو۔

گناہ ٹھہرایا

پس خدا کا کلام ہمیں یوں بتاتا ہے کہ:

''جو گناہ سے واقف نہ تھا اُسی کو اُس نے ہمارے واسطے گُناہ ٹھہرایا تاکہ ہم اُس میں ہو کر خُدا کی راست بازی ہو جائیں'' (2 کرنتھیوں 21:5)

غور کریں کہ خدا کا کلام کیا فرماتا ہے یہ بات محض یوں کہنے سے کہیں بڑھ کر ہے کہ یسوع ہمارے گناہوں کی خاطر مُوا۔ اس میں یوں کہا گیا ہے کہ اُسے ''گناہ ٹھہرایا'' گیا۔ ایک بے گناہ ہستی کو ایسا کیسے ٹھہرایا جا سکتا ہے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے جب کہ پطرس یوں بیان کرتا ہے،

''وہ آپ ہمارے گُناہوں کو اپنے بدن پر لِئے ہُوئے صلیب پر چڑھ گیا...'' (1 پطرس 24:2)

چونکہ ہم گناہ کی فطرت کو بہتر طور پر نہیں سمجھتے اس لیے ہم اس بارے غلط فہمی کا شکار ہی رہتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا یہ ایمان ہے کہ اُس نے اس لیے ہمارے گناہوں کو خود برداشت کیا اور گناہ ٹھہرا کیونکہ وہ گنہگار انسانی بدن کے ساتھ آیا اور اُس میں تمام انسانوں کی مانند کمزوری پائی جاتی تھی۔ گناہ کو محض غلط اعمال تک ہی محدود کرنے والے کچھ لوگ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ کائنات میں ہونے والا ہر ایک غلط کام حیرت انگیز انداز میں باندھا گیا اور اِسے مسیح کے اوپر لاد دیا گیا۔ تاہم، جس وقت ہم گناہ کی اصل حقیقت کو جان لیتے ہیں تو فوراً ہم اس بات کو سمجھ جاتے ہیں کہ جب یسوع ہماری خاطر گناہ بنا تو کیا ہوتا ہے۔ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے۔ ہم ایسی حیرت انگیز سچائی کو جان لیتے ہیں جو حیرت انگیز ہونے کے ساتھ ساتھ خوفناک بھی ہے۔

ہر قسم کے گناہ کی جڑ ایسی بے اعتقادی ہے جو خدا سے جُدائی کا نتیجہ ہے۔ چاہے لوسیفر اور گرایا جانے والا کوئی بھی فرشتہ ہو یا آدم، حوا اور اِس کی نسل ہو جو کوئی بھی اس جُدائی کا تجربہ کرتا ہے یہ جُدائی ہر طرح کے حالات میں فوری طور پر گناہ کے اظہار کا ذریعہ بنتی ہے اور اُن سے گنہگارانہ اعمال ہی سرزد ہوتے ہیں۔ گناہ کے مراحل کو سمجھنا ہمارے لیے ضروری ہے تاکہ ہم اس بات کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں کہ جب یسوع نے ہمارے گناہوں کو برداشت کیا تو کیا ہوا تھا۔

1۔ سب سے پہلے بے اعتقادی تھی یعنی خدا پر بھروسہ نہیں رکھا جاتا تھا۔

2۔ یہ خدا سے جُدائی کا نتیجہ تھا۔

3۔ اس کے نتیجے میں فوری طور پر خودغرضی پر مبنی فطرت حاصل ہو جاتی۔

4۔ فطری اور یقینی طور پر پھر گنہگارانہ اعمال ہی سرزد ہوتے ہیں۔

یہ سبھی مراحل گناہ تسلیم کیے جاتے ہیں کیونکہ یہ سبھی کسی نہ کسی طرح سے ایک دوسرے کی وجہ یا سبب سے رونما ہوتے ہیں۔

عموماً یہ سوچا جاتا ہے کہ جب یسوع نے ہمارے گناہوں کو برداشت کیا تو اُس نے اوپر بیان کردہ مراحل میں سے گناہ کے آخری مرحلے کو اپنایا (یعنی گنہگارانہ اعمال)۔ لیکن چونکہ اُس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا تھا اس لیے اُس نے لوگوں کے گناہوں کی سزا خود برداشت کی تھی۔ بہرحال ہمارا یہ خیال ہے کہ جب یسوع نے ہمارے گناہوں کو برداشت کیا تو پھر خدا نے اس کائنات کے تمام گناہوں کو لیا اور اُن تمام بُرے اعمال کی سزا اُسے دے دی۔ اس کے تناظر میں ہمیں نجات شریعت پرستی کے زمرے میں نظر آتی ہے، یعنی یہ ایسی بات ہے جو پیپر ورک اور حساب کتاب سے متعلقہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع نے ہمیں آزادی دلانے کے لیے خود ہماری سزا کو برداشت کیا تاکہ خدا اس حساب کتاب کو قانونی طور پر برابر کر سکے۔ ہمیں ایسے گناہ بالکل دکھائی نہیں دیتے جو یسوع سے سرزد ہوئے ہیں اور جن کا اثر حقیقی اور عملی طور پر ہماری زندگیوں پر پڑا ہو۔

بلکہ یہ ہمارا ہی گناہ تھا جو خدا نے مسیح پر ڈال دیا۔ ہمارے گنہگارانہ اعمال کے اثرات نہیں، نہ ہی خودغرضانہ فطرت کے مرحلے کا گناہ بلکہ بنیادی طور پر وہ گناہ جہاں سے اس کا آغاز ہوا تھا، مسیح پر ڈال دیئے گئے۔ بے شک یسوع نے خدا پر کامل بھروسہ رکھا۔ اُس نے کبھی بھی اپنی مرضی نہ کی (پہلا مرحلہ) اس وجہ سے وہ خدا سے جُدا نہ ہوا (دوسرا مرحلہ)۔ بلکہ خدا نے ہمارے گناہ اُس پر لاد دیئے (یسعیاہ 6:53)۔ خدا نے مسیح پر دوسرا مرحلہ مسلط کر دیا (یعنی خود

سے اُس کو جُدا کر دیا)۔ اُس نے ایسا اس وجہ سے کیا تا کہ مسیح گناہ کو اُصولی طور پر تباہ و برباد کر سکے!

گُناہ کی سزا کا حُکم

جب خدا نے خود کو اپنے بیٹے سے الگ کر لیا تو یسوع نے گناہ کے اثرات کو جھیلا۔ اس جُدائی کا غم مسیح کی برداشت سے باہر تھا اور اِس نے یسوع کو دل شکستہ کر دیا۔ لیکن آیئے غور کرتے ہیں کہ اُس وقت یسوع نے کیا کیا۔ جب کوئی بھی انسان خدا سے جُدا ہوا تو اُس کے فوری نتائج خود غرضانہ ہی نکلے۔ انسان کے دل میں اولین خواہش اپنے آپ کو بچانے والی پیدا ہوئی۔ حتیٰ کہ آدم بھی جسے حوا سے بڑی محبت تھی، جب اُس سے گناہ سرزد ہوا تو اُس نے بھی اپنے گناہ کو چھپانے کے لیے حوا پر الزام تراشی شروع کر دی اور یوں وہ خدا سے جُدا ہو گیا!

اب خدا نے یسوع کو اکیلا چھوڑ دیا اور غم کی تاریکی اُس پر چھا گئی۔ خدا کے رُوح کی طرف سے ملنے والی تسلی کے بغیر سب کچھ غیر یقینی اور پُر خطر ہی دکھائی دے رہا تھا۔ یہاں تک کہ اُس سے متعلقہ کی جانے والی پیشن گوئیاں بھی بے معنی اور بے مقصد دکھائی دے رہی تھیں۔ اُس کے تاریک اور پریشان ذہن میں صرف یہی خیال آ رہا تھا کہ اگر وہ مر گیا تو وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ آیئے اس بات کو دھیان میں رکھیں کہ یسوع اپنے بیڈ روم میں بڑے آرام کے ساتھ بائبل مقدس کا مطالعہ نہیں کر رہا تھا اور نہ ہی اُس کی سوچ رُوح القدس کی روشنی سے منور تھی۔ اُس پر تشدد ہوا تھا، وہ بڑے دُکھ میں تھا، گزشتہ چوبیس گھنٹوں سے سویا نہیں تھا، خون بہنے سے اُسے درد ہو رہا تھا، غلط قسم کی سوچوں میں گھرا ہوا تھا اور سب سے زیادہ دُکھ طلب بات یہ تھی کہ خدا کا رُوح بھی اُسے چھوڑ گیا تھا! اُس کے دماغ میں اُمید کی کوئی بھی کرن باقی نہیں تھی اور اُس کے پاس ایسا کوئی بھی تسلی دینے والا نہیں تھا جو اُسے پیشگوئیوں کی یاد دلا کر اُسے تقویت دے سکتا۔ مزید یہ کہ شیطان اُس پر شک پر مبنی حملے بھی کر رہا تھا۔

منطقی، فطری، ظاہری اور واضح طور پر یوں دکھائی رہا تھا کہ اب یسوع ایک قدم گناہ کی طرف بڑھائے گا اور خود غرضی کا مظاہرہ کرے گا یعنی وہ اپنی زندگی کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ کائنات کی اور کوئی بھی ہستی بالکل یہی کچھ کرتی۔ ان حالات میں پاکترین فرشتہ بھی یہی کچھ کرتا۔ مگر یسوع کامل طور پر الٰہی تھا۔ وہ خدا کا اکلوتا بیٹا تھا اور خدا کی مانند پاک، مقدس اور بے غرض فطرت کا حامل تھا۔ جب اُس کے تمام اختیار لے لیے گئے، جب رُوح القدس اُسے چھوڑ گیا اور سبھی اُمیدیں جاتی رہیں پھر بھی وہ اپنے مقصد سے نہ ہٹا۔ وہ خود غرض نہ بنا کیوں کہ وہ فطری طور پر خود خدا تھا اور خدا مکمل طور پر نیک ہے! ہیلیلویا!

خودغرضی کا مظاہرہ کرنے اور گناہ کی طرف قدم بڑھانے کی بجائے، شیطان کے قوانین کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے یسوع گناہ کا بوجھ اپنے اوپر لیے ہوئے مؤا۔ اُس نے گناہ کا مقابلہ کیا اور موت کا سامنا کیا، یوں اُس نے بطورِ انسان ہمیشہ کے لیے گناہ کا خاتمہ کر دیا۔

''اس لئے کہ جو کام شریعت جسم کے سبب سے کمزور ہو کر نہ کر سکی وہ خُدا نے کِیا یعنی اُس نے اپنے بیٹے کو گُناہ آلُودہ جسم کی صُورت میں اور گُناہ کی قُربانی کے لئے بھیج کر جسم میں گُناہ کی سزا کا حُکم دیا'' (رُومیوں 3:8)

بدنی طور پر یعنی انسانی بدن میں ہوتے ہوئے یسوع کو گُناہ کی سزا کا حکم سُنایا گیا۔ اُس نے اِسے اپنے اوپر لیا اور اِسے رد کر دیا۔ اب انسانیت میں کوئی ایسا تھا جس کے ذریعے گناہ تباہ و برباد ہو گیا۔ اب انسانیت میں کوئی ایسا تھا جس کے ذریعے انسان اور خدا کے درمیان پائی جانے والی رنجش کا خاتمہ ہو گیا۔ کوئی ایسی انسانی جان تھی جس پر گناہ کا اختیار نہ رہا، یہ ایسی زندگی تھی جس پر گناہ میں شدید حملہ کیا مگر گناہ شکست فاش اور تباہ و برباد ہو گیا۔ وہ زندگی کہاں ہے؟ وہ انسان کونسا ہے؟ یہ دوسرے آدم میں ہے جو کہ نئی مخلوق ہے یعنی یہ یسوع مسیح میں ہے! (1 یوحنا 11:5)

''پس اب جو مسیح یسُوع میں ہیں اُن پر سزا کا حُکم نہیں'' (رومیوں 1:8)

ہم میں موجود گناہ ہم پر سزا کا حکم دیتا ہے اور ہمیں موت دیتا ہے۔ خدا سے جُدائی سے ہم میں خودغرضی پر مبنی فطرت اور خودغرضانہ اعمال جنم لیتے ہیں۔ مگر یسوع نے یہ سزا اپنے اوپر لے لی، اُس نے اس کی لعنت خود سہی (گلتیوں 13:3) اور یوں اُس نے اس سزا کو تباہ و برباد کر دیا۔ اب یسوع تمام ایمانداروں کو ایسی ہی زندگی مہیا کرتا ہے۔ زندگی میں پائی جانے والی خدا سے دُوری، خودغرضی، خودغرضانہ کام سبھی کا خاتمہ ہو گیا۔ اور اِسی وجہ سے یسوع کو مرنا پڑا۔

تمام بنی نوع انسان میں ایک فطری شریعت سرگرمِ عمل ہے جو کہ آدم کی طرف سے وراثتی طور پر ملی ہوئی ہے۔ اس خطرناک شریعت کو ''گناہ اور موت کی شریعت'' کہتے ہیں اور پولس رسول اس کے طریقہ واردات کو رومیوں 7:14-24 میں بیان کرتا ہے۔ کوئی بھی انسان کسی ذریعے یا کسی قسم کی کوشش سے اس شریعت کے اثرات پر فتح نہیں پا سکتا۔ یہ ایسا اُصول ہے جو آدم کی نسل میں پیدا ہونے والوں پر نقش ہے۔ یہ فطری شریعت یعنی فطرت کی شریعت ہے۔ قوائد و ضوابط فطری شریعت کو منسوخ یا تبدیل نہیں کر سکتے، اِسی طرح سے دس احکام جو کہ خدا کی شریعت ہیں اور جنہیں عدالتی صورت میں بیان کیا جاتا ہے، وہ بھی اس مسئلے کو حل کرنے میں کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اس مسئلے کا اصل حل کبھی بھی عدالتی شریعت میں نہیں ملا۔ کیونکہ شریعت (عدالتی شریعت) بدن میں کمزور ہے (رومیوں 2:8)۔

عدالتی شریعت سے بھی افضل شریعت بدن میں سرگرمِ عمل ہے اور عدالتی شریعت اس پر مسلط نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ایسے ہی ہوگا کہ جیسے کہ مَیں کسی کو یہ کہہ رہا ہوں کہ ''جب تُم اوپر سے چھلانگ لگاؤ گے تو تُم نیچے زمین پر نہیں گرو گے۔'' میری ایسی باتیں بیکار ہیں۔ میری ایسی باتیں کششِ ثقل کے قانون پر مسلط نہیں ہوں گے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا کہ مَیں نے اِیسی باتیں کتنے تحمل یا غصے سے کہیں ہیں یا اُس شخص نے چاہے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی ہو۔ اگر ہم فطری شریعت پر غلبہ پانا چاہتے ہیں تو ہمارے پاس اس سے بھی افضل شریعت ہونی چاہیے جس کی مدد سے پرانی شریعت پر غلبہ پایا جاسکے۔

کششِ ثقل ایک فطری قانون ہے جس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ تمام چیزیں زمین پر گرتی ہیں۔ تاہم کششِ ثقل کے قانون پر ہوائی حرکیات کے قانون کی مدد سے غلبہ پایا جاسکتا ہے۔ یہ ایسا قانون ہے جِسے اگر لاگو کیا جاتا ہے تو انسان کششِ ثقل کے قانون کے برعکس اوپر ہوا میں ہی رہتا ہے۔ جب ہم ہوائی جہازوں میں پرواز کرتے ہیں تو یہ قانون لاگو ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ انسان میری بات کو ناممکن سمجھے گا لیکن اگر وہ ہوائی حرکیات کے قانون کو لاگو کرتا ہے تو وہ میری اِس بات پر عمل کرسکتا ہے۔

رُوح کی شریعت

پس کلامِ خدا یوں فرماتا ہے،

''کیونکہ زندگی کے رُوح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کردیا'' (رومیوں 2:8)

''اس لئے کہ جو کام شریعت جسم کے سبب سے کمزور ہو کر نہ کرسکی وہ خدا نے کیا یعنی اُس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلودہ جسم کی صورت میں اور گناہ کی قربانی کے لئے بھیج کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا'' (رومیوں 3:8)

گناہ اور موت کی شریعت نے مجھ پر حکمرانی کی اور مَیں اس کے خلاف مزاحمت نہیں کرسکتا تھا۔ دس احکام ایسی قوت مہیا کرنے سے قاصر تھے جس کی مدد سے اس پر فتح پائی جاسکے۔ لیکن ایک دوسری شریعت یعنی زندگی کے رُوح کی شریعت بھی ہے لیکن یہ شریعت کہاں ہے؟ کیا یہ یسوع مسیح میں ہے!! یہ شریعت ہمیں مسیح میں ملتی ہے۔ خدا نے ابتدائی شریعت کے اثر کو زائل کرنے کے لیے دوسری فطری شریعت متعارف کروائی۔ جو لوگ اِس فطری شریعت کا تجربہ کرتے ہیں وہ راستبازی کی شریعت کو پورا کرتے ہیں، وہ رُوحانی باتوں پر توجہ دیتے ہیں، اُنہیں زندگی اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، اُن کے بدن گناہ کے اعتبار سے مرجاتے ہیں اور راستبازی کے اعتبار سے زندہ ہوجاتے ہیں اور وہ حقیقی طور پر خدا کے بیٹے بن جاتے ہیں (رومیوں 8:4-14)۔

شکست خوردہ لعنت

باب نمبر 12

لعنت کیا ہے؟

انسان کی نجات کے حوالے سے صلیب بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھے بغیر کوئی بھی نئے عہد نامے کا مطالعہ نہیں کر سکتا۔ یسوع کی مصلوبیت نجات کے منصوبے میں پہلے سے مقرر کردہ عنصر تھا جسے کافی عرصے پہلے خدا اور اُس کے بیٹے نے مقرر کیا تھا۔ رسولوں نے صلیب کی اہمیت کو سمجھا اور یہی بات اُن کی تعلیمات کا اہم مرکز رہی۔ پولس نے یوں لکھا،

''مگر ہم اُس مسیح مصلُوب کی مُنادی کرتے ہیں جو یہُودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور غیر قوموں کے نزدیک بیوقُوفی ہے'' (1 کرنتھیوں 23:1)

''کیونکہ میں نے یہ اِرادہ کر لیا تھا کہ تُمہارے درمیان یسُوع مسیح بلکہ مسیح مصلُوب کے سِوا اور کچھ نہ جانُوں گا'' (1 کرنتھیوں 2:2)

پولس نے مسیح کی منادی کی مگر غور کریں کہ اُس نے کس بات پر زیادہ زور دیا۔ اُس کے پیغام کی بنیاد محض مسیح نہیں بلکہ کسی خاص مقام پر موجود مسیح یعنی مسیح مصلوب تھا۔

صلیب اتنی اہم کیوں ہے؟ صلیب پر کیا ہوا؟ یہ ایسا سوال ہے جس کا مکمل جواب تلاش کرنے میں ہمیں صدیاں بیت جائیں گی مگر اس کے باوجود آج بھی ہم اس بارے میں محتاط انداز میں مطالعہ کر سکتے ہیں۔

لعنت سے آزاد ہوئے

آیئے گلتیوں 13:3 کے حوالے کا مطالعہ کرتے ہوئے اس بات پر غور کرتے ہیں:

''مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھُڑایا کیونکہ لِکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے'' (گلتیوں 13:3)

پولس رسول بیان کرتا ہے کہ مسیح نے ہمیں ایک خاص قسم کی لعنت سے چھڑایا ہے اور وہ ''شریعت کی لعنت'' ہے۔ مسیح ہمیں اُس لعنت سے واپس لے آیا۔ مگر اُس نے ایسا کیسے کیا؟ اُس نے خود لعنتی بن کر ایسا کیا۔ اُس نے اِس لعنت کو اپنے اوپر لے لیا۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے پولس رسول استثنا 23:21 کا حوالہ بیان کرتا ہے جس میں

یوں لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ خدا کی طرف سے لعنتی ہے۔ مسیح لکڑی پر لٹکایا گیا یوں وہ لعنتی بنا اور اس طریقے سے اُس نے لعنت کو خود برداشت کیا اور اسی طریقے سے اُس نے ہمیں لعنت سے چھڑایا ہے۔

اگر ہم اس مسئلے کو بہتر طریقے سے سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں خود سے یہ چند سوال پوچھنے پڑیں گے۔ لعنت کیا ہے؟ ہم شریعت کی لعنت کے ماتحت ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟ اور ہمیں اس سے آزاد کرنے کے لیے مسیح نے اس لعنت کو اپنے اوپر کیسے لیا؟

لعنت کیا ہے؟

لعنت بربادی سے متعلقہ ایک جملہ ہے۔ یہ نظریہ بائبل مقدس سے ہٹ کر بھی موجود ہے۔ ہم میں سے بیشتر ایسے لوگوں کی کہانیوں سے واقف ہوں گے جن پر لعنت کی گئی اور آہستہ آہستہ اُنہیں ہر قسم کی بُری آفات نے آگھیرا۔ کہانیوں کی کتب میں عموماً یہی موضوع پایا جاتا ہے۔ اس نظریے میں کسی قسم کی سچائی بھی پائی جاتی ہے۔

بائبل مقدس میں گنتی کی کتاب کے 22 ویں باب میں ہم پڑھتے ہیں کہ موآب کے بادشاہ بلق نے بلعام کو بلوایا تا کہ وہ آ کر اسرائیل پر لعنت کرے۔ اسرائیل فلسطین پر قابض ہو رہا تھا اور اپنے راستے میں آنے والی ہر قوم پر فتح پا رہا تھا اور اب موآب کی باری تھی۔ بلق جانتا تھا کہ اسرائیل نے جس پر بھی حملہ کیا فتح پائی اور وہ جانتا تھا کہ وہ اِن لوگوں پر خاص مدد کے بغیر کبھی بھی فتح نہیں پا سکتا، لہٰذا اُس نے بلعام کو بلوایا، کیونکہ بلعام خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ خدا کا نبی تھا اور وہ جسے بھی برکت دیتا، برکت پاتا اور وہ جس پر بھی لعنت کرتا، اُس کو لعنت ملتی۔

لیکن جب بلعام وہاں آیا تو جب بھی اُس نے اسرائیل پر لعنت کرنے کے لیے اپنا منہ کھولا تو ہر بار اُس کے منہ سے اُن کے لیے لعنت کی بجائے برکت کے الفاظ ہی نکلے، اور یوں اس سے ہمیں کوئی اور بات جاننے کو ملتی ہے۔ اس میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ لعنت ایسی چیز نہیں ہے جو کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔ کوئی بھی شخص کسی کے لیے لعنت کا اظہار کر سکتا ہے، وہ کسی کے لیے لعنت پر مبنی الفاظ بول سکتا ہے مگر وہ کسی دوسرے شخص کو برباد نہیں کر سکتا۔ یہ بات عموماً انسانوں میں پائی جاتی ہے مگر لعنت کے حوالے سے بائبل مقدس کا نظریہ یہ نہیں ہے۔

میرے کہنے کا کیا مطلب ہے اس کی وضاحت کے لیے آیئے متی 23 باب پر غور کرتے ہیں۔ اس حوالے میں مسیح یہودیوں سے یوں بات کر رہا ہے۔

''اے سانپو! اے افعی کے بچو! تُم جہنم کی سزا سے کیوں کر بچو گے؟ اِس لئے دیکھو میں نبیوں اور داناؤں اور

فقیہوں کو تُمہارے پاس بھیجتا ہُوں۔ اُن میں سے تُم بعض کو قتل اور مصلُوب کرو گے اور بعض کو اپنے عبادت خانوں میں کوڑے مارو گے اور شہر بشہر ستاتے پھرو گے۔ تا کہ سب راستبازوں کا خُون جو زمین پر بہایا گیا تُم پر آئے۔ راست باز ہابل کے خُون سے لے کر برکیاہ کے بیٹے زِکریاہ کے خُون تک جِسے تُم نے مقدس اور قربان گاہ کے درمیان قتل کِیا۔ میں تم سے سچ کہتا ہُوں کہ یہ سب کُچھ اِس زمانہ کے لوگوں پر آئے گا'' (متی 23:33-36)

لوگوں کے بارے میں اس سے زیادہ سنجیدہ، خوفناک لعنت پہلے کبھی نہیں کی گئی تھی! یہ لعنت اُس وقت پوری ہوئی جب رومی حکومت نے یروشلیم کا محاصرہ کرلیا تھا۔ اُس وقت یہودیوں کے لیے اتنے بُرے دن آ گئے کہ بھوکی ماؤں نے اپنے بچوں کو ہی کھانا شروع کر دیا! جب رومی افواج شہر میں داخل ہوئیں تو یہودیوں کا خون یروشلیم کی گلیوں میں پانی کی طرح بہا۔

اپنے اوپر خود لعنتیں کرنا

یہ لعنت تھی مگر اسرائیل پر کس نے لعنت کی تھی؟ یسوع نے وہ الفاظ ضرور بولے مگر اُن پر وہ لعنت کون لایا تھا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اسرائیلی خود ہی اپنے اوپر لعنت لائے! کیا مسیح اُن پر یہ ساری تباہیاں لایا تھا؟ جی نہیں، اُن کے اپنے اعمال کی وجہ سے اُن پر یہ لعنت آئی! مسیح نے صرف اُنہیں وقت سے پہلے اُس کی آگاہی دی تھی۔ اُس نے محض اس بات کی پیشگوئی کی تھی کہ اُن کے ساتھ کیا کچھ ہونے والا ہے۔ اُنہوں نے خود کو خدا سے دُور کر دیا اور خدا کو رد کر دیا تھا اِسی وجہ سے خدا نے اُن کا تحفظ نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن میں شیطان کو کام کرنے کا موقع مل گیا اور بالآخر اُس قوم پر تباہی آ گئی۔ جیسے کہ امثال 26:2 میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ''بے سبب لعنت بے محل ہے''۔

یہی بات پیدایش کے 9 ویں باب میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہاں پر ہم پڑھتے ہیں کہ طوفان کے بعد نوح نے مَے نوشی کی اور وہ اپنے خیمے میں ننگا پڑا رہا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ اُس کا سب سے چھوٹا بیٹا حام خیمے میں گیا اور اُس نے اپنے باپ کی برہنگی دیکھی۔ بائبل مقدس میں واضح طور پر یہ نہیں بتایا گیا کہ اُس نے کیا کیا مگر بتایا جاتا ہے کہ اُس نے اپنے باپ کا مذاق اُڑایا۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اُس نے اس سے بھی بڑھ کر حرکت کی تھی یعنی اُس نے اپنے باپ سے بدفعلی کی تھی مگر بائبل مقدس میں اس بات کو واضح نہیں کیا گیا۔ پیدایش 9:24-25 میں ہم یوں پڑھتے ہیں:

''جب نُوح اپنی مَے کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اُس کے چھوٹے بیٹے نے اُس کے ساتھ کِیا تھا اُسے معلُوم ہُوا۔ اور اُس نے کہا کہ کنعان ملعُون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا'' (پیدایش 9:24,25)

پس نوح ہوش میں آیا اور اُس نے کہا ''کنعان ملعون ہو''۔ وہ کون تھا جو خیمے میں آیا اور اِس کی برہنگی دیکھی تھی؟ وہ تو حام تھا، مگر حیرت کی بات ہے کہ حام کی بجائے کنعان کو لعنت دی گئی! کنعان کون تھا؟ وہ حام کا بیٹا تھا۔ غلطی تو حام نے کی مگر نوح نے اُس کے بیٹے پر لعنت کر دی۔ اگر لعنت دینا نوح کے اختیار میں تھا تو پھر یہ نوح کی طرف سے انتہائی انصافی کی بات ہوئی تھی۔ مگر کنعان کو نوح کی طرف سے لعنت نہیں ملی تھی! اُس کے پاس تو یہ اختیار ہی نہیں تھا۔ تو پھر نوح نے خدا کے رُوح سے تحریک پا کر حام کے بیٹے پر لعنت کیوں کی تھی؟ ہمیں آیات سے کونسی بات سیکھنی چاہیے؟

زندگی کا ایک اُصول ہے جو کہ یقینی ہے اور اِسے نتائج کا قانون کہا جاتا ہے۔ خدا انسان کے گناہوں کی سزا تو معاف کر سکتا ہے مگر اُس کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو کچھ ہم کرتے ہیں اُس کا اثر ہمارے بچوں پر پڑتا ہے! اگر کسی شخص کو اپنے گنہگارانہ رویے کی وجہ سے کوئی بیماری لاحق ہو جاتی ہے تو وہ بیماری اُسکے بچوں کو بھی متاثر کر سکتی ہے۔ بعد میں وہ شخص خدا سے اپنے گناہ کی معاف مانگ لے گا اور بے شک خدا اُسے معاف بھی کر دے گا مگر اِس شخص کو معافی ملنے کی وجہ سے اُس کے بچے معجزانہ طور پر شفایاب نہیں ہو جائیں گے۔ اثرات باقی رہیں گے۔

نوح کے بیٹے حام کے کردار میں کچھ ایسا تھا جو آگے اِس کے بیٹے کنعان میں منتقل ہو جائے گا۔ حام کے اِسی کردار کی وجہ سے مستقبل میں اُس کی نسل اُس کے بھائیوں کی غلام بن جائے گی۔ پس وہ لعنت کنعان پر آئی اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ خدا نے دانستہ طور پر کنعان کو سزا دینے کا ارادہ کیا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حام نے اپنی عادات اور رویے اپنے بیٹے میں منتقل کر دیئے اور اُس نے آگے اپنی نسل کو منتقل کر دیئے تھے۔ دراصل خدا فرماتا ہے کہ اس کے اثرات تیسری اور چوتھی پشت تک جاتے ہیں اور جب تک خاندان میں اس قسم کے بُرے کام رہتے ہیں یہ سلسلہ چلتا ہی جاتا ہے۔ ان مثالوں سے ایک ایسا اُصول واضح ہوتا ہے جس کے بارے میں ہمیں تفصیلاً سمجھنے کی ضرورت ہے۔ خروج 5:20 میں خدا یوں فرماتا ہے،

''... مَیں خُداوند تیرا خُدا غیور خُدا ہُوں اور جو مُجھ سے عداوت رکھتے ہیں اُن کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پُشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہُوں'' (خروج 5:20)

ہم اس بات کی وضاحت کیسے کر سکتے ہیں؟ کیا خدا دانستہ طور پر یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص بدی کرتا ہے تو اِس کی سزا خدا اُس کے بیٹے یا اُس کی نسل کو پشت در پشت دیتا رہے گا؟ کیا خدا کا یہی طریقہ کار ہے؟ بالکل بھی نہیں! دُنیا میں پائے جانے والے سیاہ فام لوگوں نے سب سے زیادہ دُکھ سہا ہے۔ بیشک یہ بات بھی سچ ہے کہ

افریقہ ماضی کی ''عظیم'' تہذیبوں میں سے ایک رہا ہے مگر یہ بات بھی سچ ہے کہ انسانی تاریخ کے تاریک ابواب میں یہ بات بھی شامل ہے کہ افریقی لوگوں کو اسیر رکھا جاتا تھا اور اُن پر ظلم وستم ڈھائے جاتے تھے، زیادہ تر اُن کے ساتھ اس طرح کا سلوک دوسرے لوگ ہی کیا کرتے تھے مگر اُن کے اپنے لوگ بھی اُن پر ظلم کیا کرتے تھے۔ انسانی تاریخ اس بات سے بھری ہوئی ہے کہ انسان ہی انسان کو اپنا غلام بناتا ہے مگر یوں دکھائی دیتا ہے کہ عموماً سیاہ فام لوگوں کو ہی غلام بنایا جاتا ہے۔ مگر اس سلسلے کا آغاز کہاں سے ہوا؟ عموماً یہ بتایا جاتا ہے کہ افریقی لوگ حام کی نسل ہیں۔

حام کو یہ لعنت خدا کی طرف سے ملی اور یہ سلسلہ آگے اُس کی نسل میں بھی چلتا گیا۔ خدا کے خلاف بغاوت کرنے والا سب سے بڑا باغی نمرود تھا جو کہ حام کی نسل میں سے تھا۔ نمرود نے ایک ایسی سلطنت قائم کی جو واضح طور پر خدا کے خلاف بغاوت کی علامت تھی (پیدایش 10:8-10)۔ جب حام کی نسل خدا کے حقیقی علم سے دُور ہوتی گئی تو وہ لعنت (بُری صفات) باپ سے بیٹے میں منتقل ہوتی گئیں۔ جب اُن کی پریشانی میں اضافہ ہوتا تھا تو وہ اور بھی مایوس ہوتے گئے اور بالآخر اُنہوں نے پتھروں اور لکڑی کے ٹکڑوں کی پوجا کرنی شروع کر دی اور اس قسم کے گھٹیا کام کرنے شروع کر دیئے۔

تنزلی کا یہ سلسلہ کہاں رُکتا، جب کوئی بھی شخص اُس سرزمین میں پیدا ہوتا تو وہ دیکھتا ہے کہ اُن کا کھانا پینا حسبِ معمول ہے، وہاں لکڑی اور پتھروں کو ہی دیوتا مانا جاتا تھا اور گھٹیا ترین کاموں کو بھی زندگی کا معمول سمجھا جاتا ہے؟ اس طرح کے ماحول میں کیا کوئی انسان کبھی تبدیلی لاسکتا ہے؟ اُن کی حالت تو مزید بدتر ہوتی گئی!

پس لعنت فطری حالات کی وجہ سے ہی آتی ہے اور یہی بات ہمیں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ عموماً خدا ان اثرات کے بارے میں مداخلت نہیں کرتا۔ وہ گناہ تو معاف کرسکتا ہے مگر اُس کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ بات یہی ہے۔

کسی لعنت کو کیسے توڑا جاسکتا ہے؟

اس حقیقت کو یاد رکھیں کہ خدا یوں فرماتا ہے کہ وہ والدین کی بدکاری بچوں پر ڈالتا ہے ''جو مُجھ سے عداوت رکھتے ہیں اُن کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پُشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہُوں''۔ اس جملے میں کیا ہمیں کوئی اُمید افزاء بات دکھائی دیتی ہے؟

پیدایش 27 باب میں بیان ہے کہ یعقوب اپنے باپ کے پاس آیا اور اُس نے دھوکے اور چالاکی کے ساتھ اپنے باپ سے وہ چیز لے لی جو اُس کے بھائی کی تھی۔ اُس نے اپنے بھائی کی برکت چُرالی۔ جب اس کے بعد عیسو برکت لینے کو آیا تو اُسے پتہ چلا کہ یہ تو پہلے ہی کوئی لے گیا ہے اور اگرچہ وہ اپنے باپ سے منت کرتا ہے کہ مجھے بھی

برکت دے مگر اُس کا باپ وہ برکت اِسے نہ دے سکا۔ اضحاق اپنی مرضی کو تبدیل نہ کر سکا کیونکہ لعنت کی طرح برکت بھی مستقبل کی پیشنگوئی اور رُوح القدس کی رہنمائی سے ملتی ہے اس لیے اضحاق اس میں ردوبدل نہ کر سکا۔ مگر آیت نمبر 40 میں وہ عیسو کو یہ کہتا ہے،

''تیری اوقات بسری تیری تلوار سے ہو اور تُو اپنے بھائی کی خدمت کرے! اور جب تُو آزاد ہو تو اپنے بھائی کا جوا اپنی گردن پر سے اُتار پھینکے'' (پیدایش 40:27)

لعنت کیسے ٹوٹی؟ خدا نے اضحاق کی بدولت عیسو کو یہ بتایا کہ وہ اپنے بھائی کی خدمت کرے گا مگر وہ دن آئے گا جب وہ اپنے بھائی کا جوا اپنی گردن سے اُتار پھینکے گا اور اِس لعنت سے آزاد ہو جائے گا۔ اس لعنت کو توڑنے کے لیے انسان کو اُس قوت کے تحت ہونا پڑتا ہے اور تب ہی وہ اُس جوئے کو توڑ سکتا ہے۔ لعنت کو توڑنے کا واحد طریقہ یہی ہے۔

تصور کریں کہ ایک ہزار سال پہلے افریقہ کے کسی حصے میں کوئی ایسا انسان ہے جو نصف برہنہ حالت میں پتھر اور لکڑی کی پوجا کر رہا ہے۔ اگر اُس انسان کو حقیقی خدا کا پتہ چل جاتا تو پھر اُس کے بچوں کے ساتھ کیا ہوتا؟ اُس کے خاندان میں سے وہ لعنت جاتی رہتی! افریقہ میں کوئی نیا فرقہ وجود میں آ جاتا، یہ قبیلہ اپنے اردگرد پھیلی ہوئی تاریکی سے بالکل ہی جُدا ہوتا اور یہ اپنے گردونواح کے سبھی لوگوں سے بالکل منفرد نظر آتے۔ جہالت کے باوجود اُن لوگوں میں بھی حقیقی مسیحیت کی پاکیزگی اور راستبازی کا ظہور ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ مگر اِس لعنت کو توڑنے کے لیے کوئی شخص درکار ہے۔

مگر اُن حالات میں پرورش پانے والا اور زندگی بھر اُن میں رہنے والا شخص اِس نظام کو کیسے توڑ سکتا ہے؟ اُنہی حالات میں پیدا ہونے والا اور پرورش پانے والا کوئی بھی شخص آسانی سے وہاں تبدیلی نہیں لا سکتا۔ اس کا صرف واحد حل یہی ہے کہ اُس شخص میں کوئی نئی بات متعارف کروائی جائے۔

اگرچہ اسیری بہت بُری چیز ہے لیکن مَیں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ خدا نے اس بُرائی کو ختم کر کے بھلائی پیدا کر دی ہے۔ میرے آباؤ اجداد میں سے کچھ لوگ اِس طرح کے خطرناک حالات اُس علاقے میں گئے مگر اس سے افریقہ کے بہت سے لوگوں کو انجیل کے بارے میں پتہ چلا اور اُن کی وجہ سے آج مَیں اس مقام پر ہوں یعنی مَیں خدا کا بچہ ہوں اور مَیں اپنی زندگی میں بے حد خوش ہوں۔ اس طرح سے وہاں بعد میں تبدیلی آ گئی اور حام کی بگڑی ہوئی زندگی میں ایک نیا بدلاؤ آ گیا اور یوں وہ لعنت مجھ تک پہنچ نہ سکی۔ یہ لعنت اس وجہ سے ٹوٹی کیوں کہ میرے آباؤ اجداد نے چند نئی باتوں کا تجربہ کیا تھا۔

باب نمبر 13

شریعت کی لعنت

گلتیوں 13:3 میں ہم یوں پڑھتے ہیں کہ ہمیں بچانے کی خاطر یسوع نے ''شریعت کی لعنت'' کو اپنے اوپر لیا۔ یہ شریعت کی لعنت کیا ہے؟ امثال 9:28 میں یوں مرقوم ہے،

''جو کان پھیر لیتا ہے کہ شریعت کو نہ سُنے اُس کی دُعا بھی نفرت انگیز ہے'' (اِمثال 9:28)

اس کا کیا مطلب ہے؟ نفرت انگیز چیز کیا ہوتی ہے؟ نفرت انگیز چیز ایسی چیز ہوتی ہے جو انتہائی بدمزہ ہو یعنی ایسی چیز جو کسی کی برداشت سے باہر ہو۔ ویبسٹرز نیو ورلڈ ڈکشنری میں نفرت انگیز کی یوں تعریف کی گئی ہے 'قابلِ نفرت اور ناگوار چیز''۔ جو بھی انسان خدا کی باتیں نہیں سُنتا وہ اپنے اور خدا کے درمیان ایک بڑی رکاوٹ حائل کر لیتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کی دُعا بھی نفرت انگیز ہوتی ہے۔ اگر اُس انسان کی دُعا ہی نفرت انگیز ہے تو پھر وہ شخص خود کیسا ہوگا؟ اس سے ہمیں یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ شریعت کی لعنت کا کیا مطلب ہے۔ جب کوئی شخص شریعت کو توڑتا ہے تب شریعت کی لعنت اُس پر پڑتی ہے۔ گلتیوں 10:3 میں یوں لکھا ہے،

''...چُنانچہ لِکھا ہے کہ جو کوئی اُن سب باتوں کے کرنے پر قائم نہیں رہتا جو شریعت کی کتاب میں لِکھی ہیں وہ لعنتی ہے'' (گلتیوں 10:3)

یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو شریعت کی تمام باتوں پر عمل نہیں کرتے اور وہ لعنتی کہلاتے ہیں۔ اِس شریعت کی لعنت سے بچنے کے لیے انسان کو ہو بہو وہی کچھ کرنا چاہیے جو شریعت حکم دیتی ہے لیکن بقول یعقوب رسول اگر وہ ایک ہی بات میں خطا کرتا ہے تو وہ پوری شریعت کو توڑ بیٹھتا ہے۔ کسی بھی انسان (ماسوائے مسیح) نے کبھی بھی شریعت کی کامل پاسداری نہیں کی۔ ہم میں سے کسی نے بھی ''اُن سب باتوں'' پر عمل نہیں کیا جن کا شریعت میں حکم ملا ہے، اس لیے اس کی لعنت پوری انسانیت پر ہے۔ یہ ایسی لعنت ہے جو شریعت کی نافرمانی کرنے اور اِس سے منہ پھیرنے کی وجہ سے آئی ہے۔

آدم ہی وہ انسان تھا جس نے یہ لعنت انسانیت میں متعارف کروائی تھی اور پوری انسانیت اِسی کے زیرِ اثر ہوگئی ہے۔ پیدایش 17:2 میں خدا نے آدم اور حوا کو خبردار کیا تھا۔ اُس نے اُنہیں واضح طور پر بتا دیا تھا کہ اگر وہ نیک و بد کی پہچان کے درخت میں سے کھائیں گے تو اس کے نتائج کیا نکلیں گے۔

''لیکن نیک و بد کی پہچان کے درخت کا کبھی نہ کھانا کیونکہ جس روز تُو نے اُس میں سے کھایا تُو مرا'' (پیدایش 17:2)

عام رائے یہ ہے کہ جب خدا نے آدم اور حوا کو یہ کہا کہ اگر وہ اُس ممنوعہ پھل کو کھائیں گے تو وہ مر جائیں گے، تو خدا اُن پر لعنت کر رہا تھا۔ لیکن آیئے اُس اُصول کو یاد رکھیں جس کے بارے میں ہم پہلے ہی بات کر چکے ہیں کہ خدا کسی پر لعنت نہیں کرتا۔ جسے ہم لعنت کے طور پر سمجھتے ہیں وہ دراصل خدا کی طرف سے انسانی چناؤ اور رویے کے نتائج کی پیشگوئی ہوتی ہے۔

جب خدا نے یہ کہا تھا کہ اگر ''تُو نے اُس میں سے کھایا تُو مرا'' تو وہ یہ نہیں کہہ رہا تھا کہ ''اگر تُم پھل کھاؤ گے تو مَیں تمہیں مار دُوں گا'' بالکل بھی نہیں! بلکہ وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اگر تُم پھل کھاؤ گے تو تُم اپنے اوپر ایسے حالات وارد کر لو گے جو تمہیں مار دیں گے۔ اُس نے اُنہیں بڑے پیار سے خبردار کیا تھا۔ مگر اُنہوں نے جواب دیا ''ہمارے خیال میں آپ کی بات میں سچائی نہیں ہے بلکہ اس سانپ کی باتوں میں سچائی نظر آ رہی ہے۔'' یوں اُنہوں نے خدا کے مشورے کو رد کیا اور وہ پھل کھایا۔

لیکن جہاں خدا کو عزت نہیں دی جائے وہ وہاں پر بالکل بھی نہیں رہتا۔ جس لمحے آدم نے دانستہ، جانتے ہوئے، باہوش وحواس انداز میں اس بات کا چناؤ کیا کہ وہ خدا کی قدر نہیں کرتا اُسی لمحے خدا اُس سے دُور چلا گیا ہے۔ خدا نے آدم کو اپنی من مرضی کرنے دی اور اُس نے آدم کے چناؤ کو تسلیم کیا۔ آدم نے خدا سے دُور ہونے کا انتخاب کیا۔ ایسے حالات میں جسمانی اور رُوحانی موت کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہی شریعت کی لعنت ہے؛ یہ ایسی لعنت ہے جو خدا کو رد کرنے حاصل ہوتی ہے اور اُس کی شریعت کی نافرمانی کرنے سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ بات بالکل سچ ہے کہ آدم اُسی دن نہ مرا مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ جب اُس نے گناہ کیا اُسی وقت مسیح نے اُس کی سزا اپنے اوپر لے لی اور اُس کی جگہ مرنے کا عہد کر لیا۔ آدم نے فوری طور پر مسیح کی قربانی سے مستفید ہونا شروع کر دیا، اگرچہ اُس وقت مسیح ابھی نہیں موا تھا۔ بائبل مقدس ہمیں بتاتی ہے کہ یسوع مسیح ایسا برہ ہے ''جو بنایِ عالم کے وقت سے ذبح ہوا ہے'' (مکاشفہ 8:13)۔

چونکہ اُس وقت فوراً ہی فضل آ گیا اس لیے ہم اس بات کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں اُس دن انسان کو کیا کچھ حاصل ہوا۔ لیکن اگر ہم چند سالوں آگے جائیں اور اُس وقت کے حالات پر غور کریں جب رعایتی وقت کے اختتام

کے بعد ہوگا اور زمین سے خدا کا رُوح چلا جائے گا تب ہمیں اس بات کا علم ہوگا کہ انسان نے دراصل اُس دن کیا کچھ کھویا تھا۔ اُس وقت کے لوگوں سے بائبل مقدس یوں فرماتی ہے،

''اور اپنے دُکھوں اور ناسُوروں کے باعث آسمان کے خُدا کی نسبت کُفر بکنے لگے اور اپنے کاموں سے توبہ نہ کی'' (مُکاشفہ 11:16)

وہ اپنے کاموں سے توبہ کیوں نہیں کریں گے؟ کیونکہ اُس وقت خدا کا رُوح زمین سے چلا جائے گا۔ خدا کے علاوہ وہ کسی سے توبہ نہیں کر سکتے۔ اُن میں خدا کی طرف رجوع لانے کی خواہش باقی نہ رہے گی، اُن کا رعایتی وقت ختم ہو جائے گا، اُنہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، اُن پر فضل نہیں ہوگا، خدا کے طرف سے اُن پر نُور نہیں چمکے گا اور وہ خدا کی طرف رجوع نہیں لا سکیں گے۔ جو لوگ اُن سات آفات میں سے آخری آفت کا تجربہ کریں گے وہ اس بات کو سمجھ پائیں گے کہ مکمل طور پر لعنتی ہونے کا کیا مطلب ہے۔ وہ موت مانگیں گے مگر وہ نہیں مریں گے کیونکہ تب مسیح انسان اور لعنت کے درمیان نہیں کھڑا ہوگا۔

اُس روز آدم اور حوا ٹھیک اِسی مقام پر تھے! اُنہوں نے اِسی چیز کا انتخاب کیا! مگر خدا نے نسلِ انسانی پر اپنی برکات نازل کرنے کا سلسلہ جاری و ساری رکھا کیونکہ اُس روز مسیح درمیان میں آ کھڑا ہوا۔

صرف خدا ہی نیک ہے

متی 17:19 میں ہمیں وہ بات جاننے کو ملتی ہے جو مسیحی ایمان کا عظیم عقیدہ ہے۔ یسوع ہمیں یہ بتاتے ہیں:

''... نیک تو ایک ہی ہے...'' (متی 17:19)

اِسی سچائی کو مکاشفہ 4:15 میں بھی دہرایا گیا ہے جہاں پر خدا کے متعلق یوں فرمایا گیا ہے،

''... صرف تُو ہی قدُوس ہے...'' (مُکاشفہ 4:15)

''صرف'' کا لفظ اس بات کو بیان کرتا ہے کہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔ خدا کے سوا کوئی بھی نیک نہیں ہے، بالکل بھی نہیں ہے۔ صرف خدا ہی نیک ہے۔ اس عظیم عقیدے سے مزید ایک سچائی سامنے آتی ہے۔ اور وہ یہ ہے: اس پوری کائنات میں اگر ہمیں کہیں بھی کوئی نیک بات دیکھنے کو ملتی ہے تو اس سے ہمیں یہ یقین دہانی ہوتی ہے کہ وہاں پر خدا کی حضوری موجود ہے! اگر کسی کو خدا کے علاوہ کہیں پر کوئی نیکی ملے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر ایک سے زائد خدا ہیں کیونکہ نیک تو ایک ہی ہے۔ یہ ایک بنیادی اُصول ہے اور اگر ہم اس بات کو نہیں سمجھتے تو پھر راستبازی کے حوالے سے

ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ دُرست ثابت نہیں ہوگا۔ یہی تو بنیاد ہے کہ خدا کے سوا کوئی بھی نیک نہیں ہے۔

پس جب ابتدا میں خدا نے کائنات کو خلق کیا تو تب یہ اچھی تھی۔ اُس نے دُنیا کو خلق کیا اور یہ بھی بہت اچھی تھی! اب اس سے ہم کیا نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں؟ ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اُس وقت یہ پوری کائنات خدا کی حضوری کی معمور تھی۔ یہ بات تو واضح ہے کہ خدا نے اس دُنیا کے ذریعے خود کو ظاہر کیا۔ خدا نے اِسے اس لیے بنایا تا کہ اس کے ذریعے خدا کی زندگی ہر درخت، ہر پتے، ہر شگوفے اور ہر پھول میں جاری وساری رہے اور اِنکی بدولت نمایاں ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ بات کہ زندہ، باشعور ہستیاں زندہ خدا کا مقدس بنیں۔ اُن کے بدن خدا کی ہیکل ہوں جن میں وہ سکونت کرے اور اپنا آپ ظاہر کر سکے۔

جب خدا نے زمین کو بنایا اور اِسے مرتب کیا تو خدا کے ذہن میں یہی منصوبہ تھا۔ اس سے بڑھکر بات یہ ہے کہ اُس وقت سب کچھ اچھا تھا۔

مگر لوسیفر نے اس کائنات میں کسی ایسی چیز کا تعارف کروادیا جو کہ اصل منصوبے کا حصہ بالکل نہ تھی۔ پہلی مرتبہ لوسیفر نے کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ تقسیم ظاہری نہیں تھی بلکہ یہ نظریاتی تقسیم تھی۔ لوسیفر نے ایک ایسا خیال متعارف کروایا جس میں یہ کہا گیا کہ خدا سے جُدا ہو کر بہتر طور پر زندہ رہا جا سکتا ہے۔

جب ہم پیدایش کا مطالعہ کرتے ہیں تو وہاں پر شیطان نے عورت سے کہا (ردوبدل کرتے ہوئے) ''خدا تمہیں سچ نہیں بتا رہا! خدا جانتا ہے کہ جس روز تُم اُس پھل کو کھاؤ گے تُم تو خدا کی مانند بن جاؤ گے!'' خدا نے اُنہیں اہم بات یہ بتائی تھی کہ تُم اچھے ہو۔ مگر کسی طرح سے شیطان اُنہیں یہ بتا رہا تھا ''تمہیں اچھا بننے کے لیے خدا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں صرف اچھے اور بُرے میں فرق پتہ ہونا چاہیے۔ اگر تُم اچھے اور بُرے میں فرق کرنا جانتے ہو تو تُم خدا کی مانند ہو!'' ایک طرح سے وہ یہ کہہ رہا تھا کہ خدا کا بنیادی مقصد انسان کو اخلاقی سوجھ بوجھ مہیا کرنا ہے اور اگر کوئی شخص اچھے اور بُرے میں فرق کرنا جان لیتا تو پھر خدا کی کچھ وقعت باقی نہیں رہتی۔

دُنیا کے تمام جھوٹے مذاہب میں یہی جھوٹی تعلیم پائی جاتی ہے۔ تمام جھوٹے مذاہب یہی تعلیم دیتے ہیں کہ انسان کو محض اخلاقی تعلیم کی ضرورت ہے اور اس کے علاوہ وہ باقی سب کچھ خود ہی کر لے گا۔ یہ بات سچ نہیں ہے۔ ہر جھوٹے مذہب کی بنیاد اِسی بات ہے کہ اگر آپ کے پاس مناسب اخلاقی تعلیم ہے تو پھر آپ اچھے بننے کے اہل ہیں۔ مگر نیک تو خدا ہی ہے! اور خدا کے بغیر ہم ''کچھ بھی نہیں کر سکتے''۔ نیکی کرنے کے لیے انسان کی زندگی خدا کی زندگی سے پیوست ہونی چاہیے۔

لہٰذا جو شخص بھی راستبازی کی تلاش کر رہا ہے اُسے خدا کو تلاش کرنا چاہیے اور اُسے اپنے اندر ہی تلاش کرنا حماقت ہے۔ جو انسان اپنے طور پر نیکی کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ ایسے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے جو ظاہری طور پر راستبازی محسوس ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ شیطانی چال ہوتی ہے۔

لعنت کا داخلہ

جب شیطان نے کائنات میں نئے اُصول متعارف کروا دیئے تو یہ تبدیل ہوگئی۔ شیطان نے ''بدی'' کو متعارف کروایا جس نے کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ اب کائنات میں زندگی کے حوالے سے دو راہیں بن گئیں: ایک طرف ایسی زندگی تھی جو خدا کی حضوری سے معمور تھی اور جہاں سب کچھ اچھا تھا۔ جبکہ دوسری طرف ایسی زندگی تھی جو خدا سے جُدا تھی اور وہاں پر کچھ بھی اچھا نہیں تھا بلکہ وہاں سب کچھ بُرا ہی تھا۔

جب ہم اس تقسیم کی بات کرتے ہیں تو اس بات کو یاد رکھیں کہ یہ کوئی ظاہری تقسیم کا معاملہ نہیں تھا۔ جس بنیادی بات نے ایک کو دوسرے سے جُدا کر دیا وہ خدا کی زندگی کا عنصر تھا۔ جہاں بھی اچھائی ہوتی ہے وہاں خدا کی زندگی موجود ہوتی ہے! جبکہ دوسری طرف خدا کی زندگی موجود نہیں ہوتی۔ اُس طرف جتنے بھی موجود ہیں وہ اپنی خطاؤں اور گناہوں میں مردہ ہوتے ہیں۔ وہ نفسانی ہیں اور نفسانی سوچ خدا کی مخالف ہوتی ہے، ایسی سوچ خدا کی شریعت کے تحت نہ ہوتی ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔

یوں ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ جو انسان مکمل طور پر خدا سے جُدا ہو جاتا ہے وہ جزوی طور پر بُرا نہیں ہوتا بلکہ وہ مکمل طور پر بُرا ہوتا ہے کیونکہ خدا کے سوا کوئی بھی نیک نہیں ہے۔ اِسی بات کے تناظر میں جو شخص مکمل طور پر خدا کے ساتھ مکمل طور پر متحد ہوتا ہے وہ مکمل طور پر نیک ہوتا ہے (جیسے ابتدا میں آدم تھا) کیونکہ خدا میں ذرا بھی بدی نہیں ہے۔

پہلے تو یہ انسان خدا کی طرف تھا جہاں پر سب کچھ اچھا تھا جبکہ لوسیفر اور اُس کے فرشتے دوسری طرف تھے جہاں سب کچھ بُرا تھا اور وہاں بالکل بھی نیکی نہ تھی۔ لیکن جب آدم نے خدا کو رد کرنے کا انتخاب کیا تو اُس نے خود کو خدا کی مخالف طرف منتقل کر لیا جہاں پر شیطان تھا۔ اس طریقے سے آدم انسانیت میں لعنت لانے کا سبب بنا یعنی وہ خدا سے جُدائی کی لعنت لایا۔

اُمید کی کرن

آیئے کچھ دیر کے لیے غور کرتے ہیں کہ اگر مسیح مداخلت نہ کرتا تو پھر انسانیت کی حالت کیسی ہوتی۔ اگر ہم یہ

سمجھ جائیں کہ یسوع نے دراصل کیا کچھ کیا ہے تب ہم اِس بات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔

جب کوئی شخص اچھے راستے کو چھوڑ کر بُرے کا چناؤ کر لیتا ہے تو اس کے فطری نتائج یہ برآمد ہوں گے کہ اُس کے تمام بچے اُس بُرے راستے پر ہی پیدا ہوں گے یعنی وہ خدا اور اُس کے رُوح سے جُدا ہو جائیں گے۔ اِس انسان کے کاموں کا اثر اِس کے بچوں پر بھی پڑے گا۔ وہ لعنتی پیدا ہوں گے۔

اِس لعنت کو کیسے توڑا جا سکتا ہے؟ بہت آسان ہے۔ اُس انسان کو واپس دوسری طرف آنا پڑے گا۔ اُس انسان کو اُس طرف کا انتخاب کرنا پڑے گا جس طرف خدا موجود ہے۔ لیکن کیا کوئی اچھی طرف یعنی بُرائی سے اچھائی کی طرف آ سکتا ہے؟

اس کا جواب ہے، نہیں۔ کیوں نہیں؟ کیونکہ وہاں پر ہر کوئی خدا کے بغیر ہی ہے اور وہاں پر شفاعت کرنے والی خدا کی رُوح بھی نہیں ہے اور یوں خدا کے بغیر کوئی بھی خدا کی راہ کا چناؤ نہیں کر سکتا! پس انسانیت بڑی مشکل میں پھنسی ہوئی تھی اور شیطان اس بات پر مطمئن تھا کہ وہاں سے نکلنا انسانیت کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اُسے اس بات کا یقین تھا کہ جب ہم اُس کے اُصول یعنی خدا سے آزادی کے اُصول کو قبول کر لیں گے تو پھر ہم ہمیشہ کے لیے اُسی کے ہو کر رہ جائیں گے! مگر بالکل شروع میں، باغ میں خدا نے کچھ ایسا کہا جس سے اُس (شیطان) پر خوف طاری ہو گیا:

''اور مَیں تیرے اور عورت کے درمیان اور تیری نسل اور عورت کی نسل کے درمیان عداوت ڈالوں گا۔ وہ تیرے سر کو کُچلے گا اور تُو اُس کی ایڑی پر کاٹے گا'' (پیدایش 15:3)

خدا نے وعدہ کیا کہ عورت کی نسل سانپ کے سر کو کُچلے گی۔ شیطان کا سر سے مراد اُس کے اُصول، فلسفہ اور وہ بنیاد ہے جس پر اُس کی حکومت قائم ہے یعنی خدا سے آزادی اور خدا سے دُوری کا اُصول۔ خدا نے فرمایا کہ عورت کہ نسل اُس کے سر کو کُچلے گی اور یہ سن کر شیطان کو دلی طور پر صدمہ پہنچا کیونکہ اگرچہ اُس کی اپنی ایک دُنیا اور حکومت تھی مگر خدا کی ان باتوں کا یہ مطلب تھا کہ کوئی ایسا منصوبہ بنایا جا چکا ہے جس کے ذریعے شیطان پر تباہی آنے والی ہے۔ خدا یہ کہہ رہا تھا کہ کوئی ایسی ہستی آنے والی ہے جو شیطان کی اس لعنت کو تہس نہس کر دے گی!

باب نمبر 14

مسیح لعنتی بنا

ابتدا میں خدا نے انسان کو اچھا بنایا۔ اُس وقت انسان کے پاس ایسا کوئی چناؤ نہیں تھا کہ آیا اُسے اچھا اور خدا کے ساتھ متحد بنایا جائے یا پھر اُسے بُرا یا خدا سے جُدا بنایا جائے۔ یہ چناؤ اُس کے لیے خدا نے خود کیا تھا۔ مگر اُس وقت کائنات میں پہلے ہی سے یہ دو آراء موجود تھیں یعنی اچھائی اور بُرائی، خدا کے ساتھ زندگی اور خدا کے بغیر زندگی۔

چونکہ خدا آزادی اور انصاف پر یقین رکھتا ہے اس لیے خدا نے انسان کو اس میں انتخاب کرنے کا حق کیوں نہ دیا؟ شیطان بھی اِسی بات پر معترض تھا۔ اگر خدا عادل ہے اور کائنات میں اُس وقت دو قسم کے فلسفے موجود تھے تو پھر خدا نے انسان کو ان میں سے چناؤ کا حق کیوں نہ دیا؟ خدا نے انسان کو اپنی مرضی کا چناؤ کرنے کا موقع کیوں نہ دیا؟ خدا نے انسان کے سامنے وہ دونوں چناؤ کیوں نہ رکھے تا کہ وہ اپنی سوچ کے مطابق ان میں سے انتخاب کر لیتا؟

آزاد مرضی

اِسی لیے تو خدا نے باغ کے بیچ میں وہ درخت لگایا۔ اس طریقے سے خدا انسان کو چناؤ کا حق مہیا کر رہا تھا۔ اس میں خدا اُنہیں آزادی دے رہا تھا کہ اگر انسان یہ چاہتا کہ خود کو خدا کی مرضی سے جُدا کر لے تو وہ کر سکتا ہے۔ خدا نے اُنہیں پہلے ہی اچھا خلق کیا تھا۔ اب انسان کو بُرائی کا چناؤ کرنے کا بھی حق دے دیا گیا۔

جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ ساری کشمکش آزاد مرضی پر ہی مبنی ہے کیونکہ خدا ایسا خدا نہیں ہے جو کسی ایسی جگہ حکومت کرے جہاں اُس کی عزت نہ کی جائے۔ اِسی لئے تو خدا نے انسان کو آزاد مرضی کا حق دیا تھا۔ بدقسمتی سے انسان اس آزادی کو استعمال کرتے ہوئے شیطان کی طرف چلا گیا۔ اب اگر انسان دوبارہ سے خدا کی طرف آنا چاہتا ہے تو پھر بھی وہ آزاد مرضی کے ذریعے ہی آ سکتا ہے!

جب انسان بُرائی کی جانب چلا گیا تو خدا نے قطعاً مداخلت نہ کی۔ انسان نے اپنی مرضی سے اُس بُرائی کی سمت کا چناؤ کیا تھا اور خدا نے انسان کے اس چناؤ کی قدر کی! خدا انسان کو بچانا چاہتا تھا مگر وہ انسان کی آزاد مرضی کو ختم کرتے ہوئے اس بارے میں مداخلت نہ کر سکا۔ تاہم انسان بہت بُری حالت میں پھنس گیا کیونکہ اس حالت میں وہ

خدا کے پاس واپس جانے کا چناؤ نہیں کرسکتا تھا۔ بُرائی کی طرف جانے کے بعد انسان کے لیے واپس آنا ناممکن ہو چکا تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیونکہ جب انسان نے خود خدا سے جُدا کرنے کا انتخاب کیا تو پھر انسان پر خدا کے رُوح کا اثر ورسوخ نہ رہا۔ اب خدا کا رُوح انسان کے ساتھ مل کر منت نہیں کرسکتا تھا اور اب وہ انسان کو توبہ کی طرف مائل نہیں کرسکتا تھا کیونکہ انسان اپنی مرضی کی بدولت ہی خدا سے جُدا ہوا تھا۔ تاہم خدا کے رُوح کی مدد کے بغیر کوئی بھی گنہگار خدا کے پاس نہیں آسکتا۔ نفسانی سوچ خدا کی دشمن ہوتی ہے اور اس میں خدا کی طلب نہیں ہوتی۔ انسان خدا کے دشمن بن گئے اور وہ اپنے اُس مقام کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ آزاد مرضی نے انسان کو خدا سے آزاد کیا تھا مگر اب انسان کو اُسی آزاد مرضی نے قید کر دیا تھا اور اس سلسلے میں خدا بھی مداخلت نہیں کرسکتا تھا۔

خدا کو دوبارہ سے اپنی زندگی بنی نوع انسان کی زندگی میں متعارف کروانی پڑی، مگر انسان کی مرضی یعنی آزاد مرضی کو ختم کیے بغیر ہی اُسے ایسا کرنا تھا! مگر گناہ میں گِرا ہوا انسان ایسا نہیں کرسکتا تھا۔ تاہم، خدا صرف یہی کچھ کرسکتا تھا کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بطورِ انسان بھیجے اور وہ انسان کی جگہ ایسا انتخاب کرے۔

براہ مہربانی اس بات کو یاد رکھیں کہ ہم اس بات کو انسان کی اصل مشکل کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں یعنی مسیح کی مداخلت کے بغیر انسانیت کی حالت کیسی تھی۔ یہی حقیقت ہے؛ انسان کے ساتھ یہی کچھ ہوا تھا۔ ہم نے بغیر سوچے سمجھے اور یہ جانے بغیر کہ ہم یہاں سے نکل نہیں سکیں گے خود کو ایک گڑھے میں پھینک دیا! انسان نے اپنی مرضی سے گناہ کا انتخاب کیا اور اب انسان کو اپنی مرضی سے ہی واپس آنا تھا مگر ایسا کرنا ناممکن تھا۔

سب کا متبادل ایک

شاید کوئی یوں کہے کہ ''یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے کہ آدم کے کیے فیصلے کی سزا مَیں بھگتوں''۔ لیکن کیا یہ عدل اور انصاف سے متعلقہ سوال ہے؟ اگر مَیں کچھ کروں اور جج میرے بیٹے کو سزا سنائے تو یہ ناانصافی کی بات ہوگی لیکن اگر مَیں کچھ کرتا ہوں اور اس کے نتائج میرے بیٹے کو بھگتنا پڑیں تو اس میں ناانصافی والی کوئی بات نہیں ہے، یہی زندگی کی حقیقت ہے۔ اس میں کسی کا قصور نہیں ہے بلکہ نظامِ فطرت ایسے ہی چلتا ہے۔ نتائج فطری طور پر بے قصور لوگوں کو متاثر کرتے ہوئے آگے منتقل ہوتے جاتے ہیں۔ یہی تو نظامِ کائنات ہے، اگرچہ خدا معاف کر دیتا ہے مگر خدا خود مداخلت نہیں کرتا اور نتائج کو منسوخ نہیں کرتا۔

یوں آدم کی وجہ سے ان نتائج کا سامنا تمام انسانیت کو کرنا پڑا۔ جب اُس کی وجہ سے آدم کو ان نتائج کا سامنا

کرنا پڑا تو پھر آدم انہیں کسی بھی طریقے سے منسوخ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُس وقت انسان بُری سمت میں جا چکا تھا اور وہ اچھی سمت میں آنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا تھا۔ لہٰذا آدم کی زندگی سے پیدا ہونے والی ہر زندگی بُری سمت میں ہوتے ہوئے ابدی ہلاکت میں پھنسی ہوئی تھی یعنی وہ خدا سے جُدا تھی۔ یہی حقیقت ہے۔

اس سلسلے میں خدا کو کیا کرنا پڑا؟ اگر خدا کو کوئی ایسا انسان مل جاتا جو اچھی سمت میں آنے کا فیصلہ کر سکتا تو خدا انسان کو بچا سکتا تھا۔ اگر خدا کو کوئی ایسا انسان مل جاتا جو خدا سے محبت رکھتا تب انسانیت دوبارہ سے خدا کے ساتھ متحد ہو سکتی تھی۔ اُس ایک زندگی کی بدولت یہ لعنت ختم ہو سکتی ہے۔ بے شک یوں یہ مسئلہ مکمل طور پر حل نہیں ہوتا کیونکہ اگر کوئی ایک انسان ہی واپس آتا تو وہ صرف اپنے آپ کو ہی واپس لا سکتا تھا۔ لیکن آیئے پہلے ان اہم باتوں سے آغاز کرتے ہیں۔

نجات دہندہ کی خوبیاں

آیئے یہ سوال پوچھیں کہ کیا یہ لعنت ختم کی جا سکتی تھی؟ کیا خدا نے کوئی ایسا وسیلہ ایجاد کیا ہے جس کی بدولت لعنت ایک انسان کے ذریعے ٹوٹ سکے؟ لعنت کو توڑنے کے لیے اُس انسان کو کیا کرنا پڑے گا یا اُسے کیسا بننا پڑے گا؟

پہلی بات، وہ پیدایشی طور پر نیک ہو۔ وہ ایسا انسان ہو جو خدا کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے طور پر یعنی فطری طور پر نیک ہو۔ ایسا کیوں ہے؟ کیونکہ لعنت کی وجہ سے خدا سے دُوری ہوئی تھی اور اس کے نتائج یہ نکلے کہ جو بھی اِس کے ماتحت ہوتے ہیں وہ مکمل طور پر بُرے بن ہوتے ہیں یعنی وہ اچھائی یا خدا کی سمت کا چناؤ نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اگر کوئی لعنت کے ماتحت رہتے ہوئے بھی خدا کی سمت کا چناؤ کرتا ہے تو اُسے خدا سے جُدا ہو کر بھی نیک انسان ہی رہنا چاہیے۔

مگر ایسا کون ہے جو خدا سے جُدا ہو اور پھر بھی نیک رہے؟

کل کائنات میں صرف ایک ہی انسان ہے جو اس معیار پر پورا اُترتا ہے۔ یہ انسان ایسا ہے جو خدا کی مانند ہے۔ لعنت کے ماتحت وہ شخص خدا کا بیٹا ہے۔ یسوع خدا سے جُدا ہو سکتا تھا اور پھر بھی نیک ہی رہ سکتا تھا کیونکہ وہی خدا کا اکلوتا بیٹا ہے اور وہ خدا جیسی فطرت رکھتا ہے! یسوع الٰہی ہوتے ہوئے بھی نیک ہے۔ اگرچہ انسانی فطرت باغِ عدن میں ناکام ہو گئی مگر انسانی فطرت، الٰہی فطرت کے ساتھ متحد ہو کر کامیاب ہو سکی، چاہے خدا کا رُوح اُس سے جُدا بھی ہو جائے۔

انسانیت کو واپس لانے کے لیے یسوع میں مزید کونسی خوبیاں ہونی چاہیے؟ اُسے انسان بھی ہونا چاہیے! اُس کس قسم کا انسان ہونا چاہیے؟ اُسے بھی ایسا کمزور انسان بننا تھا جو اُن تمام نتائج کو برداشت کر سکے جو انسان پر تب آئے جب انسان نے خود کو خدا سے آزاد کرنے کی کوشش کی تھی۔

مگر اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ وہ لعنت کے ماتحت ہو اور خدا سے جُدا ہو کر یعنی گری ہوئی حالت میں ہوتے ہوئے بھی خدا کی طرف واپس جانے میں کامیاب ہو جائے۔ اس کل کائنات میں کوئی انسان یا فرشتہ بھی ایسا نہ کر سکا۔

خدا سے مکمل طور پر جُدا ہو کر بھی یسوع خدا کے پاس واپس آنے میں کامیاب ہو گیا اس کی صرف ایک ہی وجہ تھی کہ یسوع میں زندگی کا ایسا عنصر پایا جاتا تھا جس کی بدولت وہ لعنت کو ختم کر سکا! اُس میں الوہیت کا عنصر موجود تھا جو کہ پہلے کسی بھی انسان میں نہیں پایا جاتا تھا۔

یسوع کے لیے خدا کا شکر ہو! خدا بذات خود ایسا نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ خود سے جُدا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اِس لعنت کو اپنے اوپر بھی نہیں لے سکتا تھا۔ کوئی بھی ایسا نہ کر سکا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یسوع ہی خدا کا حقیقی بیٹا ہے۔ یسوع گری ہوئی حالت میں بھی انسان رہا یہ بات بالکل سچ ہے مگر ہمیں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مکمل طور پر الٰہی بھی تھا۔ یہ دونوں باتیں سچ ہیں!

مسیح کی خوبیاں:

آیئے بائبل مقدس کے مطابق ان سب باتوں کا جائزہ لیتے ہیں:

ا۔ مسیح الٰہی ہستی تھا (یوحنا 1:14؛ 1 یوحنا 1:1، 2)

ب۔ یوں وہ پیدائشی طور پر نیک تھا (لوقا 1:35)

پ۔ اُس نے گری ہوئی انسانی فطرت کو اپنایا (گلتیوں 4:4؛ عبرانیوں 2:16؛ رومیوں 8:3)

ت۔ اُس نے مصلوب ہو کر ہمارے گناہوں کو برداشت کیا (1 پطرس 2:24)

ٹ۔ وہ ہماری خاطر صلیب پر گناہ بنا (2 کرنتھیوں 5:21)

ث۔ وہ صلیب پر لعنتی بنا (گلتیوں 3:13)

ج۔ صلیب پر لٹکے ہوئے اُسے خدا نے ملعون کہا (استثنا 21:23)

چ۔ صلیب پر اُس نے خدا سے دُوری کا سامنا کیا (متی 27:46)

ح۔ اُسے گناہ کی سزا سُنائی گئی (رومیوں 8:3)

مسیح خود لعنتی بنا

یسوع اس زمین پر آیا اور بائبل مقدس فرماتی ہے کہ وہ ہماری خاطر خود لعنتی بنا لیکن وہ کہاں پر لعنتی بنا؟

وہ ''لکڑی پر لٹکایا گیا'' ''جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے'' (گلتیوں 13:3)۔ کچھ لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ یسوع کو پیدا ہوتے ہی یہ لعنت مل گئی تھی اور یہ لعنت اُس گرے ہوئے بدن میں موجود تھی جو اُسے ملا تھا مگر بائبل مقدس ایسا بالکل نہیں کہتی۔ 1 پطرس 24:2 میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ اُس نے صلیب پر ہمارے گناہوں کی سزا برداشت کی! اُس صلیب پر لٹکنے کی وجہ سے وہ لعنتی بنا۔ جس بات کو ہم پہلے جان چکے ہیں اُسے یاد رکھیں کہ لعنت تو ایک نتیجہ یا اثر ہے اور یہ خدا سے مکمل طور پر جُدائی کا نتیجہ تھا۔

جب پولس یہ کہہ رہا تھا کہ ''جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے'' تو وہ استثنا 32:21 کا حوالہ بیان کر رہا تھا جہاں پر یوں لکھا ہے کہ،

''تو اُس کی لاش رات بھر درخت پر لٹکی نہ رہے بلکہ تُو اُسی دن اُسے دفن کر دینا کیونکہ جِسے پھانسی مِلتی ہے وہ خُدا کی طرف سے ملعُون ہے تا نہ ہو کہ تُو اُس مُلک کو ناپاک کر دے جسے خُداوند تیرا خُدا تُجھ کو میراث کے طور پر دیتا ہے'' (اِستثنا 32:21)

کیا واقعی جو بھی انسان صلیب پر مصلوب کیا جاتا ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون کہلاتا ہے؟ بے شک ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ بے شمار لوگ ایسے ہیں جنہیں ناحق اور ایسے گناہوں کی پاداش میں صلیب پر چڑھا دیا جاتا ہے جو انہوں نے گناہ بالکل بھی نہیں کیے ہوتے تو پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت خصوصی طور پر مسیح سے متعلقہ ہے یعنی اِس آیت میں یہ پیشنگوئی کی گئی ہے کہ یسوع کے ساتھ کیا ہوگا۔

غور کریں کہ آیت میں کیا کہا گیا ہے ''جِسے پھانسی مِلتی ہے وہ خُدا کی طرف سے ملعُون ہے''۔ کُل کائنات ہر انسان جو خدا سے جُدا ہوتا ہے وہ اپنی مرضی سے ہوتا ہے یا پھر انسانیت کی وجہ سے یعنی آدم کی دانستہ مرضی سے خدا سے جُدا ہوتا ہے۔ خدا نے کسی انسان سے الگ ہونے کا چناؤ نہیں کیا تھا بلکہ ہم نے ہی اُس سے جُدا ہونے کا چناؤ کیا تھا۔ چاہے حالات جیسے بھی ہوں خدا ہمیشہ سے ہمارے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہے۔ یہی تو اندازِ محبت ہے۔ تاہم مسیح کے معاملے میں ہمیں اس بات کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں خدا نے خود اپنے بیٹے کو ملعون قرار دیا۔ کائنات کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا کہ خدا نے کسی کو ملعون ٹھہرایا۔ خدا نے اُسے چھوڑنے کا چناؤ کیا جو ہمیشہ خدا کے ساتھ متحد رہنا چاہتا تھا۔ اُسے ایسا کرنا پڑا کیونکہ ہماری نجات کی قیمت خدا اور اُسکے بیٹے دونوں کو ادا کرنی پڑی!

یہ بات یسعیاہ 53 باب کے عین مطابق ہے جس میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ ''ہم نے اُسے خُدا کا مارا کُوٹا

اور ستایا ہُوا سمجھا'' ''خُداوند نے ہم سب کی بدکرداری اُس پر لادی'' ''خُداوند کو پسند آیا کہ اُسے کُچلے'' (یسعیاہ 10,6,4:53)۔ خدا نے یہ سب کچھ اپنے بیٹے کے ساتھ کیا؛ خدا نے اُس سے اپنا منہ پھیر لیا۔ اُس نے اپنے بیٹے پر جس نے کبھی بھی شریعت کی کسی بات کی بھی نافرمانی نہیں کی تھی، اُسی پر شریعت توڑنے والی لعنت ڈال دی گئی اور اُس سے خدا نے اپنا منہ پھیر لیا اور اس کائنات میں اُسے بالکل تنہا چھوڑ دیا۔

خدا نے اپنے بیٹے کو خطرناک حالات میں ڈال دیا اور اُس سے اپنا منہ بھی پھیر لیا۔ جب یسوع صلیب پر تھا تو خدا نے اپنے بیٹے سے اپنا منہ پھیر لیا اور شیطان کے زور اور حملوں کو برداشت کرنے کے لیے یسوع کو تنہا ہی چھوڑ دیا گیا اور اس کے ساتھ ساتھ یسوع پر انسانی لعنت کا بوجھ اور دباؤ بھی تھا۔ جب یسوع مکمل طور پر اپنے باپ سے جُدا ہو گیا تو وہ پریشان اور ذہنی طور پر مضطرب ہو گیا۔ وہ جس نے اس کل کائنات میں سب سے زیادہ اپنے باپ سے رفاقت رکھی تھی اب وہ مکمل طور پر جُدائی کے غم میں مبتلا تھا اور وہ شدید صدمے میں تھا۔ اُس پریشانی کے عالم میں وہ انتہائی دُکھ میں یوں چلا اُٹھا ''اے میرے خُدا! اے میرے خُدا! تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟'' (متی 46:27)

شیطان نے یوں سوچا ہوگا ''اب اس کا کام تمام ہوا! بالآخر مَیں جیت ہی گیا ہوں! خدا سے جُدا ہو کر کوئی بھی خدا سے وفادار نہیں رہ سکتا! اگرچہ یہ خدا کا بیٹا ہے مگر بطورِ انسان کمزور ہے اور یہ بھی خدا کی سمت کا چناؤ نہ کر سکا!''

مگر اُسی وقت اُس کی حکومت پاش پاش ہو گئی۔ ٹھیک اُسی وقت اُس کا سر کُچل دیا گیا۔ یسوع نے لعنت کا مقابلہ کیا! جُدائی کی لعنت نے اپنے سامنے آنے والے تمام لوگوں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ خدا کی بجائے خودی کا انتخاب کریں مگر یسوع نے اس کا مقابلہ کیا۔ اُس نے فرمایا، مَیں خدا کو چُنتا ہوں! ''اے باپ! مَیں اپنی رُوح تیرے ہاتھوں میں سونپتا ہوں''۔

دو قسم کے درخت

دو قسم کے درخت تھے جن پر انسانی تقدیر کا فیصلہ ہوا۔ پہلا ایسا سرسبز و شاداب درخت تھا اور اُس کے ذریعے آدم نے موت کا انتخاب کیا۔ جبکہ دوسرا سوکھا ہوا درخت تھا اور اُس پر یسوع نے زندگی کا انتخاب کیا۔ دراصل صلیب دوسرا ''نیک و بد کی پہچان کا درخت'' تھا۔

جب آدم اُس درخت کے پاس آیا جہاں اُس نے نسلِ انسانی کو گناہ کے ہاتھوں بیچ دیا تھا تب وہاں فردوس کا سماں تھا اور وہاں کے حالات اچھے تھے۔ آدم اور اُس کے گرد و نواح میں زندگی اور خوبصورتی تھی۔ ہمیشہ کے لیے خدا

کی خدمت اور تابعداری کرنے کے لیے آدم کے پاس ہر قسم کا وسیلہ موجود تھا۔ مگر جب یسوع پہاڑ کے سوکھے درخت کے پاس آیا جہاں پر دوبارہ سے انسانی تقدیر کا فیصلہ ہونا تھا، تو یہ مقام بڑا خوفناک تھا اور اِس کے گردونواح میں موت اور تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ اُس جگہ کا نام یہ تھا: گلگتا، ''کھوپڑی کا مقام''۔ یسوع وہاں پر بے جان، بے یارومددگار انسانیت کی نمائندگی کر رہا تھا۔

باغِ عدن کے درخت کے حوالے سے شیطان نے یوں کہا تھا ''اگر تُم خدا کی نافرمانی کرو گے تو تُم ہمیشہ کے لیے جیتے رہو گے۔'' پہاڑ کے سوکھے درخت کے نزدیک اُس نے یسوع سے یہ کہا تھا ''اگر تُم خدا کی فرمانبرداری کرو گے تو تُم ہمیشہ کے لیے مر جاؤ گے۔'' آدم نے جھوٹی بات پر بھروسہ کیا مگر یسوع نے اس جھوٹی بات کو رد کر دیا۔

پس یوں اُس سوکھے درخت پر ایسی انسانی زندگی موجود تھی جس نے لعنت کو تہس نہس کر دیا۔ خدا کا شکر ہو! کوئی تو ایسی انسانی زندگی ہے جس پر شیطان کا اختیار نہیں چلتا! ایک انسان آزاد ہوا، مگر اِس کا ہم سے جو باقی ہیں کیا تعلق ہے؟

زندگی بخش رُوح

جیسے آدم نے اپنی شکست، گناہ آلودہ زندگی آگے اپنے بچوں میں منتقل کر دی اُسی طرح سے اِس ایک انسان نے فتح مند زندگی حاصل کی اور اِسے آگے دوسروں میں منتقل کیا۔ جس اُصول کے تحت ایک انسان کی بدولت تمام انسانیت گنہگار بن گئی اُسی اُصول کے تحت اس ایک انسان نے تمام انسانیت کو بحال کر دیا۔ اِسی لیے تو اُسے ''پچھلا آدم'' کہا گیا ہے (1 کرنتھیوں 45:15)۔ جب مسیح نے اُس درخت پر لعنت پر فتح پائی اور خدا کے ساتھ تعلق بحال کرنے کے انسانیت کی راہ ہموار کر دی تو خدا نے اس نجات بخش زندگی کو دوسروں میں منتقل کر دیا تا کہ وہ نئی مخلوق بن سکیں۔

اِسی وجہ سے یسوع کا واپس آسمان پر جانا اور جلال پانا ضروری تھا۔ جب یسوع محض خون اور گوشت کے بدن میں تھا تو وہ اپنے سوا کسی کو بھی زندگی مہیا نہ کر سکا۔ اُسے ایسی قوت درکار تھی جس کے ذریعے وہ اپنی زندگی دوسروں میں منتقل کر سکے۔ بائبل مقدس میں ہمیں یوں بتایا گیا ہے،

''چُنانچہ لِکھا بھی ہے کہ پہلا آدمی یعنی آدم زِندہ نفس بنا۔ پچھلا آدم زندگی بخشنے والی رُوح بنا'' (1 کرنتھیوں 45:15)

یسوع ''زندگی بخشنے والی رُوح'' یا ''زندگی مہیا کرنے والی رُوح'' بنا۔ یہ یسوع کی زندگی کا ایسا اہم جزو ہے جسے زیادہ تر لوگ نہیں سمجھتے۔ یہ سچائی پوشیدہ کیوں ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ یہ مانتے ہیں کہ رُوح القدس ہی یسوع مسیح کی زندگی ہے اور یوں رُوح القدس کو حاصل کرنے سے انسان کو یسوع کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ یسوع کی زندگی نے لعنت پر فتح پائی اور یہی تو ایسی زندگی ہے جو خدا کی زندگی سے منسلک ہے۔ افسیوں 10:4 میں پولس رسول یوں لکھتا ہے:

''اور یہ اُترنے والا وہی ہے جو سب آسمانوں سے بھی اُوپر چڑھ گیا تا کہ سب چیزوں کو معمُور کرے'' (اِفسیوں 10:4)

یسوع واپس آسمان پر کیوں گیا؟ تا کہ وہ تمام چیزوں کو معمور کر سکے۔ جب یسوع زمین پر تھا تو وہ صرف ایک ہی انسان کو معمور کر سکا یعنی اپنے آپ کو! زمین پر جسمانی بدن میں ہوتے ہوئے یہ بات اُس کے لیے ناممکن تھی کہ وہ اپنے سوا کسی اور کو معمور کر سکتا۔ اُس واپس جانا تھا اور باپ سے جلال پانا تھا تا کہ وہ اپنی فتح مند زندگی کو آگے ہم سب میں منتقل کر سکے۔ اب جو کوئی بھی خدا اور اُس کے بیٹے کی صورت میں مہیا کردہ تحفے پر ایمان رکھے گا، وہ اِس زندگی کو حاصل کرے گا۔ یقیناً یہ سبھی نئے سرے سے پیدا ہوں گے! اس منصوبے کے لیے خدا کا شکر ہو!

ایمان رکھنا

جیسے ایک انسان کی بدولت تمام انسانیت میں موت آئی اُسی طرح سے ایک انسان کی بدولت تمام انسانیت میں زندگی آئی تا کہ انسان ایمان کی بدولت اس کا تجربہ کر سکے۔ آج ہم اِس حالت میں ہیں۔ جب ہم اِس بات کو سمجھ لیتے ہیں تو ہمیں یہ بات جاننے کو ملتی ہے کہ یہ کتنی افسوس کی بات ہے انسان اپنی کاوشوں سے نجات کا منصوبہ بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یہ خطرناک منصوبہ اور ناممکن ہدف ہے۔ نیکی کرنے سے قبل انسان کو زندگی حاصل کرنی پڑتی ہے، جب وہ زندگی حاصل کر لیتا ہے تب ہی وہ نیک کام کر سکتا ہے۔

کاش کہ خدا ہماری مدد فرمائے کہ ہم اس بات کی خوبصورتی اور کاملیت کو سمجھ پائیں کہ خدا نے مسیح کی زندگی اور موت کے ذریعے ہمارے لیے کیا کچھ کر دیا ہے!

مشابہ اور غیر مشابہ

باب نمبر15

مسیحی اور شریعت

کیا مسیحیوں کے لیے یہ بات ضروری ہے کہ وہ شریعت کے کاموں کو پورا کریں؟ پولس رسول اس بات کا واضح جواب گلتیوں کے نام لکھے گئے خط میں دیتا ہے:

''اور مسیح یسُوع میں نہ تو ختنہ کُچھ کام کا ہے نہ نامختُونی مگر ایمان جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے'' (گلتیوں6:5)

دوسرے لفظوں میں ختنے اور نامختونی کا کوئی فائدہ نہیں ہے؛ یہاں مسئلہ بے تاثیر ہونے کا ہے۔ نجات کے حوالے سے ایسی کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ ایسا ایمان ہو جو محبت کی راہ سے اثر کرتا ہے۔ صرف یہی مسیحیت ہے۔ مسیح کی نظر میں مختون شخص کو نامختون شخص پر فوقیت حاصل نہیں ہے اور اِسی طرح سے نامختون شخص کو مختون شخص پر بھی کسی قسم کی کوئی فوقیت نہیں ہے۔ آیئے اس اُصول کو دھیان میں رکھیں کہ ختنہ شریعت کا ایسا کام ہے جس کا شریعت مطالبہ کرتی ہے۔

لیکن اگر یہ بات سچ ہے تو پھر پولس کی مندرجہ ذیل بات سے کیا مراد ہے؟

''دیکھو میں پولُس تُم سے کہتا ہوں کہ اگر تُم ختنہ کراؤ گے تو مسیح سے تُم کو کُچھ فائدہ نہ ہوگا۔ بلکہ میں ہر ایک ختنہ کرانے والے شخص پر پھر گواہی دیتا ہُوں کہ اُسے تمام شریعت پر عمل کرنا فرض ہے۔ تم جو شریعت کے وسیلہ سے راست باز ٹھہرنا چاہتے ہو مسیح سے الگ ہو گئے اور فضل سے محرُوم'' (گلتیوں5:2-4)

یہاں پر پولس یہ کہتا ہے کہ ختنہ کروانے میں کوئی نہ کوئی خرابی ہے جبکہ اوپر بیان کردہ آیت میں وہ بیان کرتا ہے کہ اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ کیا وہ کسی کشمکش کا شکار ہے؟ آیئے غور کرتے ہیں کہ مسئلہ کیا ہے: اس میں مسیح بمقابلہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ جب کوئی بھی مسیحی ختنہ کروانے کا انتخاب کرتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شریعت کی تابعداری کی بنیاد پر خدا کا منظورِ نظر بننا چاہتا ہے۔ چونکہ وہ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے منظورِ نظر بننے کا اُمیدوار ہوتا ہے اس لیے منطقی طور پر ایسے شخص کی یہ ذمہ داری بن جاتی ہے کہ وہ پوری شریعت کو مانے اور اُس کے مطابق کام کرے۔ شریعت میں بیان کردہ 613 احکام ماننا اُس پر فرض ہو جاتے ہیں۔

لیکن اصل مسئلے کو یاد رکھیں: جب کوئی انسان اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ شریعت اُس سے کچھ مطالبہ کر رہی ہے تب اُس شخص کی نظر میں مسیح کی کوئی اہمیت نہیں رہتی! ایسا کیوں ہے! اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس شخص نے اس بات کو

تسلیم ہی نہیں کیا ہوتا کہ اُس کے لیے مسیح کافی ہے۔ اُس نے اس حقیقت کو قبول نہیں کیا ہوتا کہ خدا نے مسیح کے ذریعے اُس کی تمام ضروریات کو پورا کر دیا ہے۔ جو کوئی شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اُسے مسیح سے ہٹ کر کسی اور کی ضرورت ہے تو دراصل اُس نے اپنی تمام ضروریات کے حوالے سے مسیح کو قبول ہی نہیں کیا ہوتا۔ چونکہ ایسا شخص یہ ایمان رکھتا ہے کہ خدا کے ساتھ اُس کے تعلق کا دارومدار شریعت کی پاسداری پر ہے تو پھر اُس شخص کو شریعت کے تمام احکام ماننے چاہیے کیونکہ شریعت میں ہمیں یہی تو حکم دیا گیا ہے۔ شریعت کے تمام احکام کو اچھے طریقے سے ماننے کی بدولت ہی ہم شریعت کو ماننے والے بن سکتے ہیں۔ یہی بات پولس ہمیں سکھاتا ہے،

''کیونکہ جتنے شریعت کے اعمال پر تکیہ کرتے ہیں وہ سب لعنت کے ماتحت ہیں۔ چُنانچہ لکھا ہے کہ جو کوئی ان سب باتوں کے کرنے پر قائم نہیں رہتا جو شریعت کی کتاب میں لکھی ہیں وہ لعنتی ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ شریعت کے وسیلہ سے کوئی شخص خُدا کے نزدیک راست باز نہیں ٹھہرتا کیونکہ لکھا ہے کہ راست باز ایمان سے جیتا رہے گا اور شریعت کو ایمان سے کُچھ واسطہ نہیں بلکہ لکھا ہے کہ جس نے اِن پر عمل کیا وہ اِن کے سبب سے جیتا رہے گا'' (گلتیوں 3:10-12)

مگر یہاں پر پولس رسول کی بیان کردہ بات اُس کی پہلے بیان کردہ بات کے برعکس دکھائی دیتی ہے۔ پہلے پولس یوں کہتا ہے کہ ختنہ ہو یا نہ ہو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور یہاں پر وہ یوں کہتا ہے کہ اگر کوئی ختنہ کرواتا ہے تو اُسے مسیح سے کچھ واسطہ نہیں ہے! دکھائی دینے والے اس تضاد کی وضاحت کیسے کی جاسکتی ہے؟

آیئے خود سے یہ سوال پوچھیں 'کن وجوہات کی بنا پر انسان کو ختنہ کروانا پڑتا؟' اگر کوئی شخص یہودی ہوتا تو اُس کی پیدائش کے آٹھویں دن اُس کا ختنہ کیا جاتا۔ یہ بات کوہِ سینا پر موسیٰ کو ملنے والی شریعت میں شامل تھی اور یہودی مذہب میں اس بات پر سختی سے عمل کیا جاتا تھا۔ مگر یہ بات محض اُن کے مذہب کا حصہ ہونے سے کہیں بڑھ کر تھی۔ صدیوں تک یہ بات اُن کے رہن سہن اور ثقافت کا اہم حصہ بھی تھی۔

پولس کا خط غیر یہودی لوگوں یعنی گلتیہ کے بھائیوں کو لکھا گیا۔ یہ ایسے ایماندار مسیحی تھے جو بالکل بھی یہودی نہ تھے۔ ختنہ کروانا اُن کی ثقافت میں شامل نہیں تھا اسی لیے یہ اُن کے رہن سہن کا حصہ بھی نہیں تھا؛ تاہم یہ خیال سوچے بغیر کہ خدا اُن سے یہ مطالبہ کرتا ہے یہودی مسیحی لوگ اپنی ثقافت اور قومی روایات کی وجہ سے اس سلسلے کو جاری رکھ سکتے تھے۔ مگر گلتیہ کے ایمانداروں کے پاس تو ختنہ کروانے کی صرف یہی وجہ تھی کہ اگر وہ نجات پانا چاہتے ہیں تو اُنہیں ایسا کرنا پڑے گا۔ اس اہم بات پر غور کریں۔ ختنہ بذاتِ خود کچھ بھی نہیں ہے۔ یہودی مسیحیوں نے یہ کروایا اور یہ کوئی بڑی بات

نہیں تھی۔ اگر غیر قوم سے آنے والے مسیحی یہ کروا لیتے تو اس میں کیا مسئلہ تھا؟ یہودی بھائیوں اور غیر قوم سے آنے والے بھائیوں میں کیا فرق تھا؟ کچھ بھی نہیں، مگر یہاں ایک بڑی اہم بات ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ہم کیا کرتے ہیں بلکہ ہم کیا ایمان رکھتے ہیں اس سے فرق پڑتا ہے۔ ایک مرتبہ تو پولس نے تیمتھیس کو لیا اور اُس کا ختنہ کر دیا (اعمال 16:1-3)۔ مگر اُس نے ایسا کیوں کیا؟ کیا اُس کا یہ ماننا تھا کہ ایسا کرنا نجات کے لیے ضروری ہے؟ بالکل بھی نہیں! بائبل مقدس یوں فرماتی ہے کہ پولس نے یہودیوں کے دماغ میں پائے جانے والے تعصب ختم کرنے کے لیے تیمتھیس کا ختنہ کر دیا کیونکہ وہ تیمتھیس کو اُن میں کام کرنے کے لیے بھیجنے والا تھا۔ تیمتھیس آدھا یہودی تھا اور یوں وہ یہودیوں میں بہتر طور پر خدمت کر سکتا تھا۔ اُس کا ختنہ اس وجہ سے نہیں ہوا تھا کہ پولس اس بات پر ایمان رکھتا تھا کہ ایسا کرنا ضروری ہے یا یہ نجات کی شرط ہے۔

ہمارا ایمان بڑا اہم جزو ہے۔ ہم ایمان کے ذریعے ہی نجات پاتے ہیں، پس اگر ہمارا ایمان غلط ہے تو پھر ہم کھوئے ہوئے ہی ہیں! یہی اصل مسئلہ ہے۔ اگر ایمان مجھے یہ بتاتا ہے کہ نجات پانے کے لیے میرے لیے مسیح کافی نہیں ہے اور اس کے ساتھ مجھے شریعت کے کاموں کو بھی کرنے کی ضرورت ہے تو پھر مَیں کھویا ہوا ہوں! پولس اِسی بات کو واضح کر رہا تھا۔ اگر مَیں اس میں مزید کسی بات کا اضافہ کر رہا ہوں تو پھر یہ ثابت شدہ بات ہے کہ میرے ایمان میں وہ نجات نہیں ہے جو مسیح کے ذریعے ملتی ہے اور اِسی لیے تو جو کچھ مسیح نے میرے لیے کیا مَیں اُس میں کسی بات اضافہ کر رہا ہوں۔ شریعت کے کاموں کا اضافہ کرنے والی ایسی کوشش اس بات کا ثبوت ہے کہ مَیں نے مسیح کے کام کو قبول نہیں کیا اور یوں مَیں ابھی تک کھویا ہوا ہی ہوں۔

شریعت کے کام بذاتِ خود کچھ نہیں ہیں۔ وہ تو محض انسانی رویے کے اعمال ہیں۔ لیکن جب کوئی انسان یہ ایمان رکھتا ہے کہ نجات حاصل کرنے کے لیے اُسے یہ کرنے چاہیے تب یہ اعمال مسئلہ بن جاتے ہیں۔ تب یہ ایمان اور نجات کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔

مسیح کی راستبازی کی خبر سُننے کے بعد یہ غیر قوم سے آنے والے مسیحی لوگ ختنہ کروانا چاہتے تھے اب وہ ایسا کیوں کر رہے تھے؟ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں پر یہودیوں کا ایک ایسا گروہ بھی موجود تھا جو یہ سمجھتا تھا کہ محض مسیح پر ایمان رکھنا ہی نجات کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ لوگ اس بات پر قائل تھے کہ جو بھی مسیحی بنتا ہے اُسے نجات پانے کے لیے شریعت کے کام بھی کرنے کی ضرورت ہے۔ جہاں پولس انجیل کی منادی کیا کرتا تھا وہ وہاں پر جاتے اور نئے ایمان

لانے والوں کو اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتے کہ اُن کو مسیح پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ شریعت کو بھی ماننا چاہیے۔ یہ لوگ گلتیہ میں بھی موجود تھے۔ ہمیں اس بارے میں کسی قسم کا گمان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ بائبل مقدس اس بات کو واضح کر دیتی ہے۔ یہ مسئلہ اتنا بڑھ چکا تھا کہ ایک مرتبہ تو اِسی حوالے سے یروشلیم میں ایک خصوصی اجلاس بلایا گیا تا کہ اِس مسئلے پر بات چیت کی جا سکے۔

''پھر بعض لوگ یہُودیہ سے آ کر بھائیوں کو تعلیم دینے لگے کہ اگر مُوسیٰ کی رسم کے مُوافق تُمہارا ختنہ نہ ہو تو تم نجات نہیں پا سکتے۔ پس جب پولُس اور برنباس کی اُن سے بہت تکرار اور بحث ہوئی تو کلیسیا نے یہ ٹھہرایا کہ پولُس اور برنباس اور اُن میں سے چند اور شخص اِس مسئلہ کے لئے رسُولوں اور بزرگوں کے پاس یروشلیم جائیں'' (اعمال 15:1-2)

''مگر فریسیوں کے فرقہ میں سے جو ایمان لائے تھے اُن میں سے بعض نے اُٹھ کر کہا کہ اُن کا ختنہ کرانا اور اُن کو مُوسیٰ کی شریعت پر عمل کرنے کا حُکم دینا ضرور ہے'' (اعمال 15:5)

پولس اور بزرگ اکٹھے ہوئے اور اس مسئلے پر بڑی تکرار اور بحث ہوئی۔ بالآخر اُس اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا:

''چُونکہ ہم نے سُنا ہے کہ بعض نے ہم میں سے جن کو ہم نے حُکم نہ دیا تھا وہاں جا کر تمہیں اپنی باتوں سے گھبرا دیا اور تُمہارے دِلوں کو اُلٹ دیا۔ اِس لئے ہم نے ایک دِل ہو کر مُناسب جانا کہ بعض چُنے ہوئے آدمیوں کو اپنے عزیزوں برنباس اور پولُس کے ساتھ تُمہارے پاس بھیجیں۔ یہ دونوں ایسے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں ہمارے خُداوند یسُوع مسیح کے نام پر نِثار کر رکھی ہیں۔ چُنانچہ ہم نے یہُوداہ اور سِیلاس کو بھیجا ہے۔ وہ یہی باتیں زُبانی بھی بیان کریں گے۔ کیونکہ رُوح القُدس نے اور ہم نے مُناسب جانا کہ اِن ضروری باتوں کے سِوا تُم پر اور بوجھ نہ ڈالیں۔ کہ تُم بُتوں کی قُربانیوں کے گوشت سے اور لہُو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے پرہیز کرو۔ اگر تُم اِن چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو گے تو سلامت رہو گے۔ والسلام'' (اعمال 15:24-29)

''مگر غیر قوموں میں سے جو ایمان لائے اُن کی بابت ہم نے یہ فیصلہ کر کے لِکھا تھا کہ وہ صرف بُتوں کی قُربانی کے گوشت سے اور لہُو اور گلا گھونٹے ہوئے جانوروں اور حرام کاری سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں'' اعمال 21:25)

یہاں پر ہم دیکھتے ہیں اس مسئلے کو واضح اور نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہودی ایماندار (اُن میں زیادہ تر اتفاقاً فریسی ہی تھے) یہ مطالبہ کرتے تھے کہ غیر قوم سے آنے والے ایمانداروں کو ختنے سمیت شریعت کو بھی پورا کرنا چاہیے۔ غلط فہمی کا شکار ایسے بھائی مسیحیت کو حقیقی طور پر نہیں سمجھتے تھے۔ جہاں تک اُن کی بات کی جائے تو وہ یہ سمجھتے تھے

کہ مسیحیت اُن کے مذہب میں اضافی طور پر شامل ہوئی ہے اور مسیحیت کو توریت (شریعت) کے ساتھ ہی ماننا چاہیے۔ اِسی وجہ سے وہ یوں محسوس کرتے تھے کہ جو کوئی بھی مسیحی بنتا ہے اُسے یہودیت کو بھی قبول کرنا چاہیے اور اِن کے نظام کا حصہ بننا چاہیے۔ مگر یہ بات درست نہ تھی۔ مسیحیت شریعت میں کوئی اضافی چیز نہیں تھی۔ یہ یہودی مذہب میں اضافی نہیں تھی۔ بیشک شریعت میں مسیح کی آمد اور مسیح کو ہی پیش کیا گیا ہے یعنی شریعت کا ابدی اور حتمی ہدف مسیح ہے (رومیوں 4:10)۔ جب یسوع موا اور جی اُٹھا تو شریعت (ساری توریت) کا مقصد پورا ہو گیا اور پھر خدا کے منصوبے میں اِس کی اہمیت باقی نہ رہی۔ اب یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جِسے نئے مذہب یعنی مسیحیت میں شامل کیا جائے بلکہ اِسے مسیحیت سے تبدیل ہونا چاہیے۔

''پس شریعت کیا رہی؟ وہ نافرمانیوں کے سبب سے بعد میں دی گئی کہ اُس نسل کے آنے تک رہے جس سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ فرشتوں کے وسیلہ سے ایک درمیانی کی معرفت مُقرر کی گئی۔ اب درمیانی ایک کا نہیں ہوتا مگر خُدا ایک ہی ہے'' (گلتیوں 19:3)

''پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا اُستاد بنی تا کہ ہم ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہریں۔ مگر جب ایمان آ چکا تو ہم اُستا کے ماتحت نہ رہے'' (گلتیوں 3:24-25)

اگر وہ تُخم (مسیح) آتا تب ہی شریعت کا نظام ختم ہو سکتا تھا۔ یہ اُستاد کی مانند تھی یعنی ایسے رہنما اور رہبر کی مانند تھی جو مسیح کی آمد تک خدا کے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ جب یسوع آ گیا اور لوگوں کے ایمان نے حقیقت کا روپ دھار لیا تو پھر شریعت کی ضرورت نہ رہی۔ خدا کے لوگ اب اُستاد کی رہنمائی میں نہ رہے بلکہ خدا کے رُوح کی بدولت مسیح کی رہنمائی میں آ گئے۔

مسیحیوں کو اب شریعت کی پاسداری کرنے یا اِس پر مبنی کام نہیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت کا نظام مسیح کی بدولت ختم ہو گیا اور اب شریعت پر مبنی کام کرنے سے مسیحی اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ وہ حقیقی طور پر مسیح کی نجات پر ایمان نہیں رکھتے۔

بے شک، اس بات پر فوری طور پر یہ سوال ہمارے ذہن میں آتا ہے کہ ''دس احکام کے متعلق کیا خیال ہے؟'' کیا وہ بھی شریعت کا حصہ نہیں ہیں؟ کیا ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ بھی ختم ہو چکے ہیں؟ اس سوال کا جواب اِسی کتاب کے باب ''رُوح کی شریعت'' میں دیا جائے گا۔

باب نمبر16

دو عہد

''جس نے ہم کو نئے عہد کے خادم ہونے کے لائق بھی کیا۔لفظوں کے خادم نہیں بلکہ رُوح کے کیونکہ لفظ مار ڈالتے ہیں مگر رُوح زندہ کرتی ہے''(2 کرنتھیوں6:3)

''جب اُس نے نیا عہد کہا تو پہلے کو پرانا ٹھہرایا اور جو چیز پُرانی اور مدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے''(عبرانیوں13:8)

نئے عہد کے خادم

خدا نے ہمیں نئے عہد یا نئے وعدے کے خادم بنایا ہے۔اگر خدا نے ہمیں نئے عہد کے خادم بنایا ہے تو یقیناً پھر ہم پرانے عہد کے خادم نہیں رہ سکتے۔پولس یہی بات کہہ رہا ہے اور مندرجہ ذیل آیات میں وہ اس بات کی بہتر طور پر وضاحت کرتا ہے۔وہ دو قسم کے عہود میں نمایاں فرق کو بھی واضح کرتا ہے۔

غور کریں کہ اُس نے کہا ہے کہ لفظ مار ڈالتے ہیں مگر رُوح زندہ کرتی ہے۔جب اُس نے ''لفظ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے تو اس سے کیا مُراد ہے؟ پرانے عہد میں ایسا کیا ہے جو''مار'' دیتا ہے؟ پولس اس کی وضاحت مندرجہ ذیل آیت میں کرتا ہے کہ اس سے کیا مُراد ہے:

''اور جب موت کا وہ عہد جس کے حروف پتھروں پر کھودے گئے تھے ایسا جلال والا ہوا کہ بنی اسرائیل مُوسیٰ کے چہرے پر اُس جلال کے سبب سے جو اُس کے چہرے پر تھا غور سے نظر نہ کر سکے حالانکہ وہ گھٹتا جاتا تھا۔تو رُوح کا عہد تو ضرور ہی جلال والا ہوگا''(2 کرنتھیوں3:7-8)

اس میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ پولس کس بارے میں بات کر رہا ہے۔وہ کسی ایسی بات کا بیان کر رہا ہے''جس کے حروف پتھروں پر کھودے گئے تھے''۔جب یہ ملے تو موسیٰ کا چہرہ جلال سے منور ہو گیا اور لوگ اُس کے چہرے کو دیکھ نہ پائے۔خروج34:28-30 میں ہم اُسی حوالے کو پڑھتے ہیں جس کے بارے میں پولس بیان کر رہا ہے۔یوں مرقوم ہے،

''سو وہ چالیس دِن اور چالیس رات وہیں خداوند کے پاس رہا اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا اور اس نے اُن لوحوں پر اُس عہد کی باتوں کو یعنی دس احکام کو لکھا۔ اور جب مُوسیٰ شہادت کی دونوں لوحیں اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے کوہ سینا سے اترا آتا تھا تو پہاڑ سے نیچے اُترتے وقت اُسے خبر نہ تھی کہ خداوند کے ساتھ باتیں کرنے کی وجہ سے اُس کا چہرہ چمک رہا ہے۔ اور جب ہارون اور بنی اسرائیل نے موسیٰ پر نظر کی اور اُس کے چہرہ کو چمکتے دیکھا تو اس کے نزدیک آنے سے ڈرے۔'' (خروج 34:28-30)

یہاں پر ہمیں بالکل واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ اُن پتھر کی لوحوں پر کیا کچھ لکھا ہوا تھا یعنی ''عہد کی باتوں کو یعنی دس احکام''۔ وہ کونسا عہد تھا؟ بے شک وہ پرانا عہد تھا۔

آیئے چند مزید حوالوں کا مطالعہ کرتے ہیں جو اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ پرانے عہد کی بنیاد دس احکام ہی تھے۔

''اور خُداوند نے اُس آگ میں سے ہو کر تُم سے کلام کیا۔ تم نے باتیں تو سُنیں لیکن کوئی صورت نہ دیکھی ۔فقط آواز ہی آواز سنی۔ اور اُس نے تم کو اپنے عہد کے دسوں احکام بتا کر ان کے ماننے کا حکم دیا اور اُن کو پتھر کی دو لوحوں پر لکھ بھی دیا۔'' (استثنا 4:12-13)

استثنا 5:1-22 میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ پرانے عہد کی بنیاد دس احکام ہی تھے۔

عہود میں فرق

ہم کیسے اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں پر پولس کیا کہہ رہا ہے؟ کیا وہ یہ سکھا رہا ہے کہ دس احکام منسوخ ہو چکے ہیں؟ کیا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ نئے عہد کی وجہ سے پرانا عہد ختم ہو گیا ہے؟ جی نہیں، وہ ایسا کچھ بھی نہیں کہہ رہا! جب ہم 2 کرنتھیوں 3:6 کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں پر پولس دو قسم کے عہد میں فرق کو واضح کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''لفظوں کے خادم نہیں بلکہ رُوح کے''۔ اس جملے میں دو قسم کے عہد میں واضح فرق دیکھا جا سکتا ہے۔

''لفظوں'' کی اصطلاح کہیں لکھی ہوئی بات کا حوالہ پیش کرتی ہے (اس میں یہ پتھر پر لکھے ہوئے ہیں)۔ نئے عہد یا پرانے عہد میں ہوتے ہوئے بھی لوگوں کی اشد ضرورت برقرار رہتی ہے۔ اُن کا ہدف راستبازی حاصل کرنا ہے یعنی گناہ کی وجہ سے آنے والی موت سے چھٹکارا پانا تھا۔ پرانے عہد کے تحت لوگوں نے دس احکام کی باتوں (لفظوں) کی پاسداری کرتے ہوئے راستبازی تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ان کی سخت پابندی کرتے ہوئے اُنہوں نے یہ اُمید لگائی کہ اُنہیں خدا کی مقبولیت حاصل ہو گی اور وہ اُس پاک مقام تک پہنچ جائیں گے جہاں پر خدا

اُنہیں برکت دے گا اور اِن سے کیے ہوئے اپنے وعدے بھی پورے کرے گا۔ ایسا کبھی نہ ہوا۔ راستبازی تلاش کرنے کا یہ نظام بالکل بھی کارگر ثابت نہ ہوا۔ اس نظام نے تو لوگوں کو مجرم ہی ٹھہرایا۔ پولس اِسے ''مجرم ٹھہرانے والا عہد'' کہا ہے (2 کرنتھیوں 9:3)۔

ہمیں اس بات کو دھیان میں رکھنا چاہیے کہ بذاتِ خود احکام میں کسی قسم کی خرابی نہیں ہے۔ پولس کہتا ہے کہ حکم ''پاک اور راست اور اچھا ہے'' (رومیوں 12:7)۔ مگر انسان کو راستباز بنانے کے وسیلے کے طور پر یا انسان میں نیک رویہ پیدا کرنے کے حوالے سے یہ غیر موزوں ہیں۔ پولس یوں کہتا ہے،

''...اگر کوئی ایسی شریعت دی جاتی جو زندگی بخش سکتی تو البتہ راست بازی شریعت کے سبب سے ہوتی'' (گلتیوں 21:3)

''اور جس حُکم کا منشا زندگی تھا وہی میرے حق میں موت کا باعث بن گیا'' (رومیوں 10:7)

انسان کو راستبازی کی ضرورت تھی۔ احکام راستبازی کو بیان کرتے اور اِن کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لہٰذا اس میں مسئلہ کیا تھا؟ خدا نے پتھر کی لوحوں پر لکھے ہوئے پرانے عہد کو کیوں ختم کر دیا؟

''کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ شریعت تو رُوحانی ہے مگر میں جسمانی اور گُناہ کے ہاتھ بِکا ہوا ہوں'' (رومیوں 14:7)

پرانا عہد انسان میں کبھی بھی راستبازی پیدا نہ کر سکا۔ اس میں بنیادی طور پر دو فریق شامل ہیں جن کی وجہ سے راستبازی کے حصول پر مبنی ہدف پورا نہیں ہو سکا۔ شریعت نے اپنا کام بخوبی سرانجام دیا۔ پتھر کی دونوں لوحوں پر راستبازی کے متعلق لکھا گیا اور اِس کی تابعداری کا مطالبہ کیا گیا۔ مگر پتھر کی لوحوں پر لکھے ہوئے الفاظ تو محض الفاظ ہی تھے یعنی وہ بے جان الفاظ تھے اور وہ نفسانی انسان سے راستبازی کا مطالبہ کر رہے تھے۔ انسان راستبازی کا اُمیدوار تھا۔ اُس نے اس پاک اور کامل شریعت کی تابعداری کرنے کی بار بار کوشش کی مگر وہ تو محض نفسانی ہی رہا۔ اِس قسم کے حالات میں رتی بھر بھی اُمید نہ تھی کہ وہ شریعت کی تابعداری کر کے کبھی راستبازی حاصل کر سکے گا۔ چاہے اُس نے جتنی بھی کوشش کی مگر وہ ہمیشہ ناکام ہی ہوا۔ یوں پرانا عہد جو کہ تحریری شریعت (لفظوں) پر مبنی تھا وہ راستبازی کے حصول میں انسان کی اشد ضرورت کو پورا نہ کر سکا اور اس لیے اس نظام کو تبدیل ہونا چاہیے۔

عبرانیوں 7:8 میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ پہلے (پرانے) عہد میں کوئی کمزوری تھی اور اسی وجہ سے خدا نے دوسرا عہد متعارف کروایا۔

''کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دُوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈا جاتا'' (عبرانیوں 8:7)

ہمیں یہ بات ملحوظِ خاطر رکھنی چاہیے کہ جس عہد کو ''نیا عہد'' یا دوسرا عہد کہا جاتا ہے، دراصل یہی حتمی عہد ہے۔ یہ ایسا عہد ہے جس کی بدولت ہر زمانے میں انسان کو نجات ملی اور گلتیوں 3:16، 17 میں پولس رسول اِسی بات پر زور دیتا ہے۔ تاہم بطور قوم اسرائیل کے حوالے سے خدا نے کوہِ سینا پر اُن کے ساتھ جو عہد کیا تھا وہ اُن کے ساتھ ہونے والا پہلا عہد تھا۔ پولس کہتا ہے کہ اُس عہد میں ایک خرابی تھی اور اِسی وجہ سے اِسے تبدیل کیا گیا۔ عبرانیوں 8:8، 9 میں وہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ اس میں کیا خرابی تھی:

''پس وہ اُن کے نقص بتا کر کہتا ہے کہ خُداوند فرماتا ہے دیکھ! وہ دن آتے ہیں کہ میں اِسرائیل کے گھرانے اور یہُوداہ کے گھرانے سے ایک نیا عہد باندھوں گا۔ یہ اُس عہد کی مانند نہ ہوگا جو میں نے اُن کے باپ دادا سے اُس دن باندھا تھا جب مُلک مصر سے نکال لانے کے لئے اُن کا پکڑا تھا۔ اس واسطے کہ وہ میرے عہد پر قائم نہیں رہے اور خداوند فرماتا ہے کہ میں نے اُن کی طرف کُچھ توجہ نہ کی'' (عبرانیوں 8:8-9)

مسئلہ لوگوں میں تھا۔ پرانا عہد ایسی شریعت پر مبنی تھا جس میں کوئی خرابی نہ تھی کیونکہ وہ تو ''پاک اور راست اور اچھا ہے''۔ مگر جن لوگوں سے یہ راستبازی کا مطالبہ کرتا تھا وہ ''جسمانی اور گُناہ کے ہاتھ'' بِکے ہوئے ہیں۔ یہ نظام اس وجہ سے کامیاب نہ ہوسکا کیونکہ شریعت اور لوگ ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ ایسے حالات میں اس کی تابعداری کرنا ناممکن تھا اور اسی وجہ سے خدا یہ چاہتا تھا کہ یہ عہد محدود وقت کے لیے ہو۔

''پھر خُداوند فرماتا ہے کہ جو عہد اسرائیل کے گھرانے سے اُن دنوں کے بعد باندھوں گا وہ یہ ہے کہ میں اپنے قانُون اُن کے ذہن میں ڈالوں گا اور اُن کے دلوں پر لکھوں گا اور میں اُن کا خُدا ہُوں گا اور وہ میری اُمت ہوں گے'' (عبرانیوں 8:10)

پرانے اور اِس نئے عہد میں کیا فرق تھا؟ پرانے عہد میں خدا کے مطالبات پتھر کی لوحوں پر لکھے ہوئے تھے۔ نئے عہد میں یہ دلوں پر لکھ دیئے گئے۔ پرانا عہد صرف تحریری (لفظی) شریعت کی صورت میں موجود تھا مگر نئے عہد میں یہ رُوح کی شریعت تھی (یعنی اُن الفاظ کی زندہ حقیقت ہے)۔ پرانے عہد میں راستبازی کو محض بیان کیا گیا اور اِس کا مطالبہ کیا گیا مگر نئے عہد میں خدا کے رُوح کی بدولت ایماندار کے دل میں راستبازی ڈال دی جاتی ہے۔

آپ دیکھ سکتے ہیں کہ دس احکام راستبازی کو بیان کرتے ہیں۔ وہ واضح انداز میں انسانیت کے لیے خدا کی

مرضی کا پرچار کرتے ہیں۔مگر وہ بذاتِ خود راستبازی نہیں دے سکتے۔راستبازی کسی قسم کی مشق کرنے یا کچھ عادات اپنانے کے ذریعے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ فطرتی خوبی ہے یعنی یہ زندگی کا ایسا عنصر ہے جسے پیدا ہونے کی بدولت ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا احکام سے انسانی مسئلے کا حل نہیں نکلتا۔ جہاں تک گنہگار کی بات ہے تو نفسانی اور ''گناہ کے ہاتھ'' بکا ہوا ہونے کی وجہ سے شریعت اِسے صرف یہ بتا سکتی ہے کہ یہ کتنا گنہگار اور بے یارومددگار ہے اور یہ انسان کو آگاہ کرتی ہے کہ گنہگار انسان خود کو تبدیل اور اپنی حالت کو بہتر نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اِسے گناہ کے حوالے سے مجرم ٹھہراتی ہے مگر یہ اِسے گناہ سے چھٹکارہ نہیں دلا سکتی۔

حقیقی منبع

اگر ہم حقیقی راستبازی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں راستبازی کا منبع تلاش کرنا چاہیے۔ہمیں وہ مقام ڈھونڈنا چاہیے جہاں سے راستبازی صادر ہوتی ہے۔شریعت محض راستبازی کو بیان کرسکتی ہے مگر مجھے یہ جاننا ہے کہ درحقیقت راستبازی کا اصل مقام کونسا ہے۔

جب آئزک نیوٹن نے کششِ ثقل کے قانون کو دریافت کیا تو اُس نے اپنے مشاہدات تحریر کیے اور اپنے الفاظ میں اُس یہ بیان کیا کہ کششِ ثقل کا نظام کیا ہے۔آج ہر سکول میں طلبہ اُن الفاظ کو پڑھتے ہیں اور وہ اُن الفاظ کو ''نیوٹن کا کششِ ثقل کا قانون'' کہتے ہیں۔تاہم اتنا بے وقوف کوئی بھی نہیں ہے جو یہ مان لے کہ کششِ ثقل کا قانون نیوٹن کے الفاظ میں پایا جاتا ہے۔لوگ جانتے ہیں کہ نیوٹن کی باتیں محض ''الفاظ'' ہیں اور اگر وہ کششِ ثقل کو جاننا چاہتے ہیں تو اُنہیں محض ان الفاظ کو دیکھنے کے علاوہ کہیں اور تلاش کرنی پڑے گی۔الفاظ کسی شخص کو کششِ ثقل کو سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں مگر ان سے تجربہ حاصل نہیں ہوگا۔دس احکام کا راستبازی سے بھی ایسا ہی تعلق ہے۔احکام راستبازی کو بیان کرسکتے ہیں مگر ان سے راستبازی پیدا نہیں ہوسکتی۔

اور اِسی وجہ سے پولس یوں کہتا ہے، ''مگر اب شریعت کے بغیر خُدا کی ایک راست بازی ظاہر ہوئی ہے جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے'' (رومیوں 3:21)

پس ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ایک ایسی راستبازی ہے جو ''شریعت کے بغیر'' ہے یعنی یہ شریعت کے الفاظ کے بغیر ہے۔ یہ شریعت کی مخالف نہیں ہے بلکہ یہ شریعت سے آزاد ہے کیونکہ یہ شریعت کے ذریعے پیدا نہیں ہوسکتی۔کوئی بھی انسان شریعت کی بدولت اِسے حاصل نہیں کرسکتا کیونکہ اِسے شریعت مہیا نہیں کرسکتی۔ایک ایسا مقام ہے جہاں پر حقیقی

طور پر راستبازی موجود ہے۔ اِس کا حصول شریعت کی پاسداری کرنے پر مبنی نہیں ہے۔وہ مقام یسوع مسیح ہے(رومیوں3:22؛2 کرنتھیوں5:21؛فلپیوں3:9)۔اب کوئی بھی انسان مسیح جو کہ راستبازی کا منبع ہے اُس کے پاس آ سکتا ہے، جو بذاتِ خود زندہ شریعت ہے، وہی شریعت کی بیان کردہ زندہ حقیقت ہے اور وہ مسیح کی بدولت کامل راستبازی کا ایسا مفت تحفہ حاصل کر سکتا ہے جس کا وہ متلاشی ہوتا ہے۔

فطری راستبازی

اس سوال پر غور کریں: کیا شریعت خدا کے لیے بنائی گئی؟ کیا یہ خدا کو بُرے کاموں سے منع کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھی؟ خدا صرف نیکی ہی کیوں کرتا ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ احکام اُسے بدی کرنے سے منع کرتے ہیں؟ یہ کتنا نامعقول خیال ہے! نیکی کرنے کے لیے خدا کو کسی قسم کی شریعت کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے۔وہ تو خود نیکی ہے یعنی وہ خود زندہ شریعت ہے۔احکام تاثر بیان کرتے ہیں کہ وہ کیسا ہے۔

جب کوئی شخص ایمان کی بدولت مسیح کو قبول کر لیتا ہے تو رُوح القدس کی بدولت خدا کی وہ زندگی بھی اُسے مل جاتی ہے۔وہ شخص الٰہی فطرت کا حصے دار بن جاتا ہے یعنی خدا کی فطرت اُس کی فطرت بن جاتی ہے۔کیوں اُسے لفظوں کی شریعت کی مزید کوئی ضرورت نہیں رہتی؟ اب اُسے مسیح کا مزاج اور خدا کی فطرت مل جاتی ہے۔پھر وہ انسان وہی کچھ کرتا ہے جو اچھا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ شریعت اُس سے اس بات کا تقاضا کرتی ہے بلکہ مسیح اُس میں زندہ ہوتا ہے اور مسیح تو صرف مقدس زندگی ہی گزار سکتا ہے یعنی وہ تو کامل طور پر شریعت کے ساتھ ہم آہنگ ہے۔

تصور کریں کہ کسی شخص کو ایک خوبصورت عورت کی تصویر ملتی ہے۔اُس شخص کو اِس عورت کو دیکھنے سے ہی اس سے پیار ہو جاتا ہے اور وہ روزانہ جہاں کہیں جاتا ہے اِس تصویر کو اپنے ساتھ ہی رکھتا ہے۔وہ اِس سے بات کرتا ہے، اِسے گلے لگاتا ہے اور رات دن اپنے پاس ہی رکھتا ہے۔کیا ایسا کرنے سے اُسے تسلی ملے گی؟ جی نہیں، بلکہ اُسے تو پاگل ہی سمجھا جائے گا۔اُسے حقیقی طور پر ناکامی کا سامنا کرنے پڑے گا کیونکہ تصویر تو محض ایک مثال ہے۔یہ اصل نہیں ہے۔اس کے لیے اُسے اصل کی تلاش کرنی پڑے گی۔تصویر میں تو بہت سی باتیں محدود حد تک ہوتی ہیں۔یہ اصل جیسی ہوتی ہے مگر اِس میں اصل خصوصیات نہیں ہوتیں۔بے شک تصویر مددگار ثابت ہوتی ہے یعنی اس کی بدولت کسی انسان کی شناخت کرنا آسان ہوتا ہے مگر اس کی بدولت صرف یہی اچھا کام کیا جا سکتا ہے۔لہٰذا بائبل مقدس شریعت کے متعلق یوں فرماتی ہے،

''پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا اُستاد بنی تا کہ ہم ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہریں'' (گلتیوں 24:3)

''کیونکہ ہر ایک ایمان لانے والے کی راست بازی کے لئے مسیح شریعت کا انجام ہے'' (رومیوں 4:10)

تو پھر خدا نے شریعت کیوں مہیا کی؟

جب ہم ان سب باتوں کو مطالعہ کرتے ہیں تو ہمارے ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے: تو پھر خدا نے شریعت کا نظام کیوں مقرر کیا ہے؟ اُس نے ایسی خدمت کیوں مقرر کی ہے جس کے ذریعے راستبازی پیدا ہی نہ ہو سکے؟ بائبل مقدس اُن چند وجوہات کو بیان کرتی ہے جن کی وجہ سے خدا نے شریعت مہیا کی ہے:

''اور بیچ میں شریعت آ موجود ہوئی تا کہ گُناہ زیادہ ہو جائے مگر جہاں گُناہ زیادہ ہُوا وہاں فضل اُس سے بھی نہایت زیادہ ہوا'' (رومیوں 20:5)

پہلی بات، ہمیں بتایا گیا ہے کہ شریعت اس لیے دی گئی تا کہ ''گناہ زیادہ ہو جائے''۔ انسانی حالت مایوس کُن تھی۔ وہ گنہگار اور کھویا ہوا تھا مگر وہ اِس بات کو کیسے جان سکتا ہے؟ وہ اپنی حالت کو کیسے دیکھ سکتا تھا تا کہ اِس کا علاج کروا سکتا؟ شریعت کا ایک مقصد یہ تھا۔ شریعت اس لیے آئی تا کہ ''گناہ زیادہ ہو جائے'' یوں یہ ''میرے حق میں موت کا باعث بن گیا'' (رومیوں 10:7)۔ جیسے کہ پولس کہتا ہے کہ ''بغیر شریعت کے مَیں گناہ کو نہ پہچانتا۔'' شریعت اس لیے دی گئی تا کہ انسان اِسے ماننے کی کوشش کرے اور اِسے ماننے کی کوشش کرتے ہوئے اُسے اس بات کا احساس ہوگا کہ مجھ میں کچھ ایسا ہے جس پر مَیں اپنے طور پر غلبہ نہیں پا سکتا۔ اُسے اس بات کا احساس ہوگا کہ مجھے کسی اور کی ضرورت ہے اور یوں وہ مسیح کی جانب آئے گا۔

''پس شریعت کیا رہی؟ وہ نافرمانیوں کے سبب سے بعد میں دی گئی کہ اُس نسل کے آنے تک رہے جس سے وعدہ کیا گیا تھا اور وہ فرشتوں کے وسیلہ سے ایک درمیانی کی معرفت مقرر کی گئی'' (گلتیوں 19:3)

لیکن شریعت کا ایک اور مقصد بھی ہے۔ ''وہ نافرمانیوں کے سبب سے'' دی گئی۔ جب گناہ بہت بڑھ گیا اور انسانی دل میں پیدائشی طور پر ہر قسم کی برائیاں موجود تھیں تو پھر انسان کو کسی حد تک سزا اور اصلاح کی ضرورت پڑی۔ یہاں تک کہ جو خدا کے لوگ کہلاتے تھے اُنہیں بھی ایک ایسا نظام درکار تھا جس کی بدولت وہ نفسانی دل کے فطری کاموں سے گریز کر سکیں۔ اِس وجہ سے خدا نے اسرائیل کو ''شریعت کے ماتحت'' کیا۔ خدا نے اُنہیں ایک ایسے

نظامِ حکومت کے تحت رکھا جہاں شریعت کی حکمرانی تھی۔ یہ کوئی حتمی منصوبہ نہیں تھا بلکہ اس کی معیاد کچھ دیر کی تھی۔ ایسا منصوبہ کبھی بھی حقیقی راستبازی مہیا نہیں کرسکتا بلکہ انسان کے فطری طور پر بُرے رویے کو کنٹرول کرنے کی ضرورت تھی اور اِسی وجہ سے شریعت" نافرمانیوں کے سبب سے بعد میں دی گئی کہ اُس نسل کے آنے تک رہے"((گلتیوں 3:19)۔غور کریں کہ یہ نظام"اُس نسل کے آنے تک" رہنا تھا۔"مگر جب ایمان آ چُکا تو ہم اُستاد کے ماتحت نہ رہے"(گلتیوں 3:25)۔

اگر کچن کا پانی والا پائپ پھٹ جاتا ہے تو اُس میں لکڑی کا ٹکڑا لگا دیا جاتا ہے تاکہ یہ بعد میں اچھے طریقے سے ٹھیک کروایا جا سکے۔ وہ لکڑی کا ٹکڑا جزوی طور پر پانی کو ضائع ہونے سے بچا سکتا ہے مگر پائپ کو اِسی حالت میں نہیں چھوڑا جاتا۔ جب تک وہ پائپ بہتر انداز میں ٹھیک نہ کروالیا جائے تب تک وہ لکڑی کا ٹکڑا تو محض عارضی وسیلے کے طور پر کام کرتا ہے۔

بائبل مقدس یہ بتاتی ہے کہ خدا بھی شریعت کے ذریعے یہی کچھ کر رہا تھا، اُس نے ایسا نظام مقرر کیا جس میں انسان کو مخصوص نظام کے تحت ایک خاص انداز سے کام کرنا اور اپنا طرزِ زندگی اختیار کرنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ نظام کبھی بھی انسان کو بچا نہیں سکے گا۔ وہ جانتا تھا کہ لوگ اِس شریعت کو کامل طور پر مان نہیں سکیں گے لہٰذا اس نظام کو ہمیشہ تک قائم رکھنا اُس کا مقصد بالکل نہیں تھا۔ مگر مسیح کی آمد تک اِسے قائم رکھنے کے چند مقاصد تھے۔

بے شک اخلاقی شریعت اچھی اور کامل ہے اور یہ نیک و بد کی پہچان کے معیار کے طور پر ہمیشہ کے لیے قائم رہے گی۔ مگر شریعت کے ماتحت وہ سارا نظامِ حکومت اطمینان بخش نہیں تھا کیونکہ شریعت تو محض ہمیں یہ بتا سکتی ہے کہ ہم نے اپنا برتاؤ کیسا رکھنا ہے مگر یہ ہمیں ایسا برتاؤ کرنے کے قابل نہیں بنا سکتی۔

بچوں کو قابو میں رکھنے کا طریقہ کار

10 سالہ بچی کو اپنی والدین کے اُصولوں پر چلنا پڑتا ہے۔ جب اُس کی عمر 19 سال ہو جاتی ہے تو اُس کے والدین اُس کے لئے مزید اُصول مقرر کر دیتے ہیں۔ تاہم اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اُس کی زندگی میں بے ترتیبی آجائے گی۔ اگر اُس نے بچپن کے اُن اُصولوں کو اچھے انداز میں مانا ہوگا تو اُس میں بہتر انداز میں اچھے اور بُرے میں فرق کرنے کی سوجھ بوجھ ہوگی اور جب وہ جوان ہو جائے گی تو اگرچہ اب وہ اُصولوں سے آزاد ہو گئی ہے لیکن پھر بھی وہ اُن اُصولوں کو بہتر طور پر مانے گی۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا نے کس وجہ سے یہودیوں کو شریعت دی تھی۔ وہ خدا کے رُوحانی بچے تھے مگر وہ خدا کے اُصولوں کو نہ سمجھے۔ وہ چار سو سال تک غلامی میں رہے مگر اُنہیں صرف عصا اور لعنت کا ہی پتہ چلا۔ اُنہوں نے اپنے بارے میں بالکل نہ سوچا، اس لیے خدا نے اُنہیں شریعت کے ماتحت کر دیا تا کہ اُن کی تربیت ہو سکے اور وہ انجیل کو بہتر انداز میں سمجھ سکیں۔

بے شک اُس وقت صرف لوگ ایسے تھے جو انجیل کو سمجھتے تھے۔ جن لوگوں کو بنیادی طور پر انجیل کی سمجھ ہوگی صرف وہی نجات پائیں گے کیونکہ شریعت کسی کو بھی نہیں بچا سکتی بلکہ ایسا انجیل کی بدولت ہی ہو سکتا ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر اسرائیلیوں نے انجیل کو نہ سمجھا، خدا اُنہیں اُس مقام پر لانے کی کوشش کر رہا تھا جہاں پر وہ انجیل کو سمجھ سکیں اور اِس کے مطابق زندگیاں گزار سکیں۔

جب یسوع آ گیا تو بطورِ نظام شریعت کا مقصد اختتام پذیر ہو گیا۔ خدا کے بچے بلوغت کو پہنچ چکے تھے اور جو کچھ اُنہوں شریعت کے حوالے سے بچپن میں سیکھا تھا اُس میں اُنہیں گریجوایٹ ہونا تھا۔

اب ہم اس بات کو سمجھ چکے ہیں کہ شریعت کے ماتحت ہونے کا کیا مطلب ہے۔ اس کا مطلب ہے قانون کے ذریعے حکمرانی کرنا۔ شریعت سے آزاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب مَیں قوانین کی حکمرانی کے ماتحت نہیں رہا۔ میرا فطرتی رویہ تبدیل ہو چکا ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ قوانین نے میری اصلاح کی ہے۔

لہٰذا گلتیوں 3:24، 25 میں ہمیں بتایا گیا ہے،

''پس شریعت مسیح تک پہنچانے کو ہمارا اُستاد بنی تا کہ ہم ایمان کے سبب سے راست باز ٹھہریں۔ مگر جب ایمان آ چکا تو تم اُستاد کے ماتحت نہ رہے'' (گلتیوں 3:24-25)

مسیح کے خادم

پس ہم اس بات کو واضح طور پر دیکھ چکے ہیں کہ ہم پرانے عہد کے خادم نہیں ہیں۔ پتھر کی لوحوں پر لکھے ہوئے احکام (الفاظ) مسیحیوں کی خدمت کا اہم مرکز نہیں ہیں۔ ہم الفاظ کے ذریعے نہیں بلکہ رُوح کے وسیلے ''نئے عہد کے خادم'' بن سکے ہیں۔

''اور خداوند رُوح ہے...'' (2 کرنتھیوں 3:17)۔ مسیح بذات خود ہی نئے عہد کی حقیقت ہے۔ وہ بذاتِ خود ہی شریعت کی زندہ حقیقت ہے۔ جو کچھ احکام میں بیان کیا گیا ہے وہ اُن سب کا حقیقی روپ ہے۔ اب ہم مُردہ

الفاظ کے خادم نہیں ہیں جو کہ بے جان لوحوں پر لکھے ہوئے ہیں بلکہ اب ہم اُس زندہ حقیقت کے خادم ہے جس کی جانب یہ الفاظ اشارہ کرتے تھے۔ مسیح ہماری خدمت کا محور اور مرکز ہونا چاہیے۔ ہم سب میں صرف مسیح ہی سب کچھ ہونا چاہیے (کلسیوں 3:11)

شریعت مقرر ہوئی

تو پھر دس احکام کی کیا اہمیت ہے؟ چونکہ اُنہوں نے ہماری رہنمائی مسیح کی جانب کروادی ہے تو کیا اب یہ منسوخ ہوچکے ہیں؟ ہم جانتے ہیں کہ دس احکام پر مبنی ''خدمت'' یا نظامِ حکمرانی ختم ہوچکی ہے (2 کرنتھیوں 3:11، 13) لیکن کیا اس کا یہ مطلب بنتا ہے کہ دس احکام بذاتِ خود ختم ہوچکے ہیں؟ بالکل بھی نہیں!

''پس کیا ہم شریعت کو ایمان سے باطل کرتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ شریعت کو قائم رکھتے ہیں'' (رومیوں 3:31)

جب خدا نے اسرائیل کو دس احکام دیئے تو اُس وقت خدا کے ذہن میں دو مقاصد تھے۔ پہلا، وہ اسرائیل کو بتانا چاہتا تھا کہ اِن کی اصل حالت کیا ہے یعنی وہ اس بات کو جان سکیں کہ اُن کی فطرت میں گناہ کس قدر سرائیت کر چکا ہے (رومیوں 7:10؛ 5:20) تا کہ وہ اس کا علاج تلاش کریں (گلتیوں 3:24)۔ دوسرا، وہ اُن کے فطری طور پر گنہگارانہ رویے پر کچھ پابندیاں عائد کرنا چاہتا ہے تا کہ وہ اپنی زندگی کے راستے سے مکمل طور پر بھٹک نہ سکیں (گلتیوں 3:19)۔ کیا خدا نے اُن کے گناہ کو ظاہر کرنے اور یہ بتانے کے لیے اُنہیں راستبازی کا مصنوعی یا جھوٹا معیار دیا تھا کہ اُنہیں کیسا طرزِ زندگی اپنانا چاہیے؟ اگرچہ جو کچھ خدا نے اُنہیں مہیا کیا تھا وہ راستبازی کی حقیقی وضاحت نہیں تھا تو کیا خدا نے اُنہیں یہ کہا کہ ''یہ راستبازی کا راستہ ہے''؟ بالکل بھی نہیں! پتھر کی لوحوں پر لکھے ہوئے دس احکام خدا کی شریعت کے اصل مطلب کو بیان نہیں کر سکتے تھے۔ یسوع نے ہمیں بتایا ہے کہ اُن کی اہمیت محض لفظی نہیں ہے (متی 5:20-28)۔ دس احکام سچائی کا اظہار تو کر سکتے ہیں مگر وہ کبھی بھی سچائی بتا نہیں سکتے۔ پولس کے ان الفاظ پر غور کریں:

''یعنی یہ سمجھ کر کہ شریعت راست بازوں کے لئے مقرر نہیں ہوئی بلکہ بے شرع اور سرکش لوگوں اور بے دِینوں اور گنہگاروں اور ناپاکوں اور رِندوں اور ماں باپ کے قاتلوں اور خونیوں اور حرام کاروں اور لونڈے بازوں اور بردہ فروشوں اور جھوٹوں اور جھوٹی قسم کھانے والوں اور اِن کے سِوا صحیح تعلیم کے اور برخلاف کام کرنے والوں کے واسطے ہے'' (1 تیمتھیس 1:9-10)

پولس یہ بالکل نہیں سکھاتا ہے کہ شریعت منسوخ ہو چکی ہے۔ اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں شریعت کی اشد ضرورت ہے۔ وہ لوگ بے شرع، سرکش وغیرہ ہیں۔ اُنہیں گناہ کرنے سے باز رکھنے اور اُن کی اصل حالت کو ظاہر کرنے کے لیے اُنہیں اب بھی شریعت کی ضرورت ہے۔ چونکہ وہ ابھی تک مسیح کے پاس نہیں آئے اِس لیے اُنہیں اِس استاد کی ضرورت ہے۔

مگر شریعت ''راستباز انسان'' کے لیے نہیں ہے۔ کیوں نہیں؟ کیونکہ مسیح کی راستبازی حاصل کرنے کی بدولت وہ راستباز انسان فطری طور پر شریعت کے ساتھ جُڑا ہوا ہے۔ وہ ایسی راستبازی کو حاصل کر چکا ہوتا ہے جو شریعت کا ہدف ہے اور اُس نے اِسے شریعت کے بغیر ہی حاصل کر لیا ہوتا ہے (رومیوں 3:21)۔ شریعت نے اُس کی رہنمائی مسیح کی جانب کر کے اپنا کام پورا کر دیا ہوتا ہے لیکن اب اُس کا رابطہ شریعت کے ساتھ نہیں بلکہ مسیح کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ اس لیے جن باتوں کا شریعت مطالبہ کرتی ہے وہ ساری باتیں مسیح میں موجود ہیں کیونکہ وہ زندہ شریعت ہے اور جو انسان حقیقی طور پر مسیح کی راستبازی کو قبول کر لیتا ہے وہ شریعت کے ساتھ مکمل طور پر متحد ہو کر چلنا شروع کر دے گا (رومیوں 8:4؛ رومیوں 3:31؛ 1 یوحنا 2:6)۔

اِس بات کو جاننا مشکل نہیں ہے۔ خدا گنہگار انسان سے یہ نہیں کہتا کہ ''یہ ہیں دس احکام۔ یہ تمہیں بتاتے ہیں کہ تمہیں کیسا طرزِ زندگی اپنانا چاہیے۔'' بلکہ جب کوئی گنہگار انسان مسیح کو قبول کر لیتا ہے تو خدا اُسے یوں کہتا ہے ''اب تم سے پرانا طرزِ زندگی اپنائے رکھنے کا مطالبہ نہیں کیا جا رہا۔'' اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جب کوئی انسان گنہگار ہوتا ہے تو خدا اُس کے لیے کچھ خاص قسم کے اُصول مقرر کر دیتا ہے اور اُسے کہتا ہے کہ اگر تُم اِن کی تابعداری نہ کرو گے تو مجرم ٹھہرو گے مگر جونہی وہ شخص مسیحی بن جاتا ہے تو پھر جو کچھ گنہگار کے لیے غلط تھا وہ اس مسیحی کے غلط نہیں رہتا۔ مگر یہ بات بے وقوفی کے زمرے میں آتی ہے۔ چاہے مَیں گنہگار رہوں یا ایماندار اگر کسی بات کو خدا نے غلط قرار دیا ہے تو وہ غلط ہی رہتی ہے۔ اس میں فرق یہ ہے کہ مَیں بطورِ گنہگار قوانین کو ماننے کی کوشش تو کر رہا ہوتا ہوں مگر میری فطرت میرے کاموں کے خلاف ہی رہتی ہے۔ اب مَیں مسیح میں ہوں اور اُس کی فطرت میری فطرت بن چکی ہے۔ میری ساری زندگی مسیح کی زندگی کا تاثر پیش کرتی ہے۔ راستباز زندگی بسر کرنے کے لیے یہ قوانین جو کچھ کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں مجھے وہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مسیح میں ہوتے ہوئے یہ میرا معمول کا طرزِ زندگی بن جاتا ہے۔

باب نمبر 17

پرانا عہد کیوں؟

عہد کی عمومی تعریف یہ ہے کہ اس میں دو فریق شامل ہوتے ہیں، وہ آپس میں کچھ کرنے پر متفق ہوتے ہیں اور اُن دونوں کو مخصوص ذمہ داریاں سرانجام دینا پڑتی ہیں۔ مگر بائبل مقدس میں اس کی یہ تعریف نہیں ہے۔

مَیں اُس عہد کی مثال دینا چاہتا ہوں جو خدا نے نوح کے زمانے میں طوفان کے بعد دُنیا سے کیا تھا۔ طوفان کے بعد خدا نے یوں کہا:

''میں اپنی کمان کو بادل میں رکھتا ہوں۔ وہ میرے اور زمین کے درمیان عہد کا نشان ہوگی۔...اور میں اپنے عہد کو جو میرے اور تُمہارے اور ہر طرح کے جان دار کے درمیان ہے یاد کروں گا اور تمام جان داروں کی ہلاکت کے لئے پانی کا طوفان پھر نہ ہوگا'' (پیدایش 9:13-15)

غور کریں کہ اگرچہ اس عہد میں دو فریق یعنی خدا اور زمین کے سب جانداروں شامل تھے مگر ظاہری طور پر اِس عہد میں صرف ایک ہی فریق شامل تھا۔ یہ تو ایک وعدہ تھا کہ خدا اُن کے لیے کچھ کرے گا اور اس سے فائدہ اُٹھانے والے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کریں گے۔ کچھ نہ کرنے کے باوجود بھی یہ اُن کا تھا۔ پس ایک طرح سے یہ ایسا معاہدہ تھا جو خدا نے اپنے آپ سے ہی کیا تھا۔ دراصل یہ تو ایک وعدہ ہے مگر بائبل مقدس میں اِسے عہد کہا گیا ہے۔ ضروری ہے کہ ہم اس بات کو سمجھیں کیونکہ اگر ہم عہد کے تصور کو سمجھ نہیں پاتے تو پھر ممکنہ طور پر نئے عہد کے بارے میں ہمارا عقیدہ غلط ثابت ہوسکتا ہے۔

نیا عہد کیا ہے؟

حزقی ایل 36:25-27 اور عبرانیوں 8:10-11 میں خدا نئے عہد کی اصطلاح کی وضاحت کرتا ہے۔ خدا فرماتا ہے،

''تب تم پر صاف پانی چھڑکوں گا اور تُم پاک صاف ہوگے اور میں تُم کو تُمہاری تمام گندگی سے اور تُمہارے سب بُتوں سے پاک کروں گا اور میں تُم کو نیا دِل بخشوں گا اور نئی رُوح تُمہارے باطِن میں ڈالوں گا اور تُمہارے جسم میں

سے سنگین دل کو نکال ڈالوں گا اور گوشتین دل تم کو عنایت کروں گا اور میں اپنی رُوح تُمہارے باطن میں ڈالوں گا اور تُم سے اپنے آئین کی پیروی کراؤں گا اور تُم میرے احکام پر عمل کرو گے اور اُن کو بجالاؤ گے'' (حزقی ایل 36:25-27)

''پھر خُداوند فرماتا ہے کہ جو عہد اِسرائیل کے گھرانے سے اُن دنوں کے بعد باندھوں گا وہ یہ ہے کہ میں اپنے قانون اُن کے ذہن میں ڈالوں گا اور اُن کے دِلوں پر لِکھوں گا اور میں اُن کا خُدا ہُوں گا اور وہ میری اُمت ہوں گے اور ہر شخص اپنے ہم وطن اور اپنے بھائی کو یہ تعلیم نہ دے گا کہ تُو خُداوند کو پہچان کیونکہ چھوٹے سے بڑے تک سب مُجھے جان لیں گے'' (عبرانیوں 8:10-11)

انسان کو نئی پیدائش (یوحنا 3:3) اور مسیح کے رُوح کے نزول کے ذریعے نئی زندگی حاصل کرنے کے علاوہ اور کسی ذریعے سے نجات حاصل نہیں ہوتی (یوحنا 3:3)۔ اِسی وجہ سے یسوع کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ ''بنایِ عالم کے وقت سے ذبح ہوا ہے'' (مکاشفہ 13:8)۔ جسے ہم نیا عہد کہتے ہیں وہ دراصل نئی فطرت سے متعلقہ ہے۔ خدا نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنے لوگوں کو نئی فطرت یا نئی زندگی عطا فرمائے گا اور یہی بات نئے عہد کی بنیاد ہے۔ اس تجربے کے بغیر کبھی کسی نے نجات نہیں پائی! اگرچہ یسوع کی آمد سے قبل یہ نیا عہد مقرر اور نافذ نہ ہوا تھا مگر اِس نئے عہد کا وعدہ ابتدا سے یعنی اُس وقت سے موجود تھا جب انسان گناہ میں گرا اور اِسی وعدے پر ایمان رکھنے کی وجہ سے لوگ خدا کے ساتھ نجات بخش رشتے میں شامل ہوئے۔

ابدی عہد

پس اِسے خدا کی طرف سے انسان کو نجات دلانے والا ''نیا عہد'' کہنے کی بجائے اِسے ''ابدی عہد'' کہنا زیادہ بہتر ہے۔ ابدی عہد کا نفاذ ہی دراصل نیا عہد ہے۔

ابدی عہد ایسا ذریعہ ہے جس کی بدولت خدا انسان کو بچاتا ہے اور اس کے علاوہ نجات کا کوئی بھی دوسرا وسیلہ نہیں ہے۔ اس عہد میں خدا فرماتا ہے کہ ''مَیں اپنی زندگی تُمہیں دُوں گا، مَیں اپنی رُوح اور آئین تم میں ڈالوں گا اور تُم میری راہوں پر چلو گے اور مَیں تمہارے گناہوں اور خطاؤں کو پھر یاد نہ کروں گا۔'' یہی نیا عہد ہے۔ اس نئے عہد میں خدا وہ کرتا ہے جس کی ضرورت ہے۔ انسان نے صرف خدا کی طرف سے کئے گئے کام پر ایمان رکھنا ہے اور اس بات کو قبول کرنا ہے کہ یہ سچ ہے۔ نئے عہد کا تجربہ کرنے کے لیے انسان کو صرف خدا کے وعدہ پر ایمان رکھنا چاہیے۔

جب ہم بائبل مقدس میں سے پڑھتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قدیم زمانے کے بہت سے وفادار

لوگ خدا کی فطرت، کردار اور اُس کی راہوں کے بارے میں ہماری نسبت کم آگاہی رکھتے تھے۔ لیکن اِسی وجہ سے ہم نے ایمان کی بدولت نجات پائی ہے۔ اگر نجات صرف شریعت کو سمجھنے یا عقیدے کی صحیح آگاہی پر مبنی ہوتی تو پھر اُن میں سے بیشتر لوگ نجات نہ پا سکتے۔ لیکن نیا عہد مکمل طور پر خدا کے وعدے پر ایمان رکھنے پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی شرائط نہیں ہیں۔ راحب کسبی نے غیر دانستہ طور پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہوئے جھوٹ بولا۔ یہ ایسا کرنا غلط تھا مگر اُس کا مقصد دُرست تھا۔ اپنے مضبوط ایمان کی وجہ سے ہی اُس نے خود کو اسرائیل کے خدا کے سپرد کر دیا یہاں تک کہ اُس نے اُس خدا کی طرف سے جھوٹ بول دیا جو کبھی بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ لیکن وہ بچ گئی کیونکہ نجات صرف شریعت کے علم پر ہی مبنی نہیں ہے۔ وہ شریعت سے بخوبی واقف نہ تھی مگر وہ خدا اور خدا کے ذریعے مسیح پر ایمان رکھتی تھی۔ اپنے ایمان کی وجہ سے وہ ابدی عہد کی حصے دار بن گئی۔

یہ ابدی عہد ہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے خدا ہر زمانے کے تمام لوگوں کو یکساں طور پر بچا سکتا ہے، کیونکہ اس کا دارومدار اس بات پر نہیں ہے کہ کوئی شخص کتنا زیادہ جانتا ہے۔ ہماری نسبت ایک ہزار سال پہلے کا انسان خدا کے بارے میں اتنا علم نہیں رکھتا تھا جتنا اس وقت ہم رکھتے ہیں کیونکہ اُس وقت اُن کے پاس بائبل مقدس بھی نہیں تھی۔ مگر اُن سب کو ایسا تجربہ ضرور حاصل ہوا جس کی مدد سے اُنہوں نے خدا پر مضبوط ایمان رکھا اور ابدی عہد میں صرف یہی چیز درکار ہے۔ پس ہم اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں خدا نے کاموں یا علم کی بجائے ایمان کی بنیاد پر نجات ممکن کر دی ہے۔

پرانے عہد کی بنیاد

اب ہمارے ذہن میں یہ سوال آتا ہے کہ پرانا عہد کیا تھا؟ پرانے عہد کو بائبل مقدس میں چند مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے مگر یہ بات بڑی اہم ہے کہ ہم اُس خاص اصطلاح کو سمجھیں جو اس پرانے عہد کو ''شریعت'' یا ''شریعت اور نبیوں'' کے طور پر بیان کرتی ہے۔ عموماً موسیٰ کے زمانے سے لے کر مسیح کے آنے تک کے عبادت کے مکمل نظام اور حکومت کو ''پرانا عہد'' یا ''شریعت'' کہا جاتا ہے (گلتیوں 4:24-25؛ یرمیاہ 31:32)۔ جب ہم ''شریعت'' کے لفظ کو دیکھتے ہیں تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں پر پولس پرانے عہد کی بات کر رہا ہے یعنی وہ سارا نظام جس میں قوانین، عبادات، کہانیاں، تعلیمات، طرزِ زندگی اور لوگوں کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

خروج 19 باب میں ہم پرانے عہد کے آغاز کو دیکھتے ہیں اور یہاں پر ہمیں اُصول دکھائی دیتے ہیں جن پر

یہ عہد قائم تھا۔ خدا نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ موسیٰ سے یہ عہد متعارف کروایا:

''سو اب اگر تُم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں سے تُم ہی میری خاص ملکیت ٹھہرو گے کیونکہ ساری زمین میری ہے اور تُم میرے لئے کاہنوں کی ایک مملکت اور ایک مُقدس قوم ہو گے۔ اِن ہی باتوں وک تُو بنی اِسرائیل کو سُنا دینا'' (خرُوج 19:5-6)

''اور سب لوگوں نے مِل کر جواب دیا کہ جو کُچھ خُداوند نے فرمایا ہے وہ سب ہم کریں گے اور مُوسیٰ نے لوگوں کا جواب خُداوند کو جا کر سُنایا'' (خرُوج 19:8)

یہ کوئی ایسا عہد نہیں تھا جو خدا نے نوح کے زمانے میں لوگوں سے کیا تھا اور یہ ایسے ابدی عہد کی مانند بھی نہیں تھا جو مکمل طور پر خدا کے وعدوں پر مبنی ہو، جس میں لوگوں سے ایمان رکھنے کے سوا اور کوئی بھی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ پرانے عہد میں لوگوں کو کسی قسم کا فائدہ حاصل کرنے سے کے لیے کچھ کرنا پڑتا تھا۔

پرانے عہد میں خدا نے یہ وعدہ کیا تھا کہ بنی اسرائیل باقی تمام لوگوں پر سرفراز ہوں گے اور وہ شاہی کاہنوں کا فرقہ بنیں گے مگر اِس کے لیے کچھ شرائط درکار تھیں۔ اُنہیں خدا کی بات اور عہد کو ماننا تھا اور اِس شرط پر وہ اُنہیں تمام لوگوں پر سرفراز کرے گا۔

اس عہد میں کوہِ سینا پر موسیٰ کو ملنے والا عبادتی نظام اور طرزِ زندگی بھی شامل تھا۔ پرانے عہد کے اُس نظام کو دس احکام کے طور پر بیان کیا گیا جیسے کہ مندرجہ ذیل آیت میں واضح طور پر بیان ہوا ہے،

''سو وہ چالیس دِن اور چالیس رات وہیں خُداوند کے پاس رہا اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا اور اُس نے اُن لوحوں پر اُس عہد کی باتوں کو یعنی دس احکام کو لِکھا'' (خرُوج 34:28)

عہد کے صندوق میں وہ تحریری احکام رکھے ہوئے تھے۔ خدا اسرائیل سے یہ توقع رکھتا تھا کہ وہ خدا کے عہد اور اُس کی شریعت کو مانیں۔ جب خدا نے اُنہیں اپنے حکم ماننے کو کہا تو اس سے یہ بات واضح تھی کہ خدا اُنہیں اپنی پوری شریعت بشمول دس احکام کو ماننے کا کہہ رہا تھا۔ پرانے عہد میں رہتے ہوئے برکت پانے اور خدا کے مقبولِ نظر لوگ بننے کی یہی شرط تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا خدا اُن سے یہ توقع رکھتا تھا کہ خدا سے برکت پانے سے پہلے وہ خدا کے حکموں پر عمل کرتے ہوئے اُس کے عہد کو مانیں؟ کیا خدا سے برکت پانے کے لیے انسان کو خدا کا تابعدار ہونا پڑتا ہے؟ اس کا

جواب ہے، بالکل نہیں۔انسان نیکی کر کے خدا کی نظر میں مقبول نہیں ٹھہر سکتا۔ یہ ناممکن سی بات ہے۔اس بات کو دوسرے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے یعنی نیکی کرنے کے لیے انسان کو خدا کی مقبولیت حاصل ہونی چاہیے مگر وہ نیکی کر کے خدا کی نظر میں مقبول نہیں ٹھہر سکتا۔اگر انسان کی نجات کے لیے خدا کی یہ شرط مقرر کر دیتا تو پھر کوئی بھی انسان نہ بچ سکتا۔بہر حال پرانے عہد سے متعلقہ اصطلاحات یہ ہیں۔

بائبل مقدس میں سب سے پہلے خروج 19:6-8 میں ذکر ہوا ہے اور یہاں پر اس کی اصطلاح بڑی واضح ہے۔ابتدا سے ہی خدا نے تابعداری کا مطالبہ کیا اور اِسے بطورِ شرط عائد کر دیا تھا۔وہ یوں فرماتا ہے کہ ''اگر تُم ایسا کرو گے تو...تمہارا اجر ہوگا''۔یہ ایسا عہد تھا جس میں لوگوں سے کچھ کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔اُنہیں تابعداری کرنی تھی یعنی اُنہیں شریعت کی تعمیل کرنی تھی۔یہ بات تو واضح ہے کہ یہ عہد خدا کی طرف سے باندھا گیا تھا اور بے شک ہمارے ذہنوں میں فوری طور پر یہ سوال آتا ہے کہ ''خدا نے ایسا کیوں کیا؟ اگر ابدی عہد موجود تھا اور صرف وہی نجات کا واحد راستہ تھا تو پھر خدا نے ایسا عہد کیوں تجویز کیا جو بچانے کی اہلیت نہیں رکھتا اور اِسے پورا کرنے والے مکمل طور پر اِسے پورا بھی نہ کر سکے؟ خدا نے ابدی عہد پر ہی زور کیوں نہ دیا اور لوگوں کی رہنمائی اس جانب کیوں نہ کروائی؟ بائبل مقدس ہمیں اس کی چند وجوہات بیان کرتی ہے۔

پرانے عہد کی وجوہات

شریعت کے مقاصد یہ تھے:

ا۔ بدی کو آشکارہ کرنا، لوگوں کو اچھے اور بُرے میں فرق کو واضح کرنا (رومیوں 7:7، 13)

ب۔انسانی نااہلی کو واضح کرنا (رومیوں 7:21-23)

پ۔انسانی ضرورت کو آشکارہ کرنا (رومیوں 7:18، 24)

ت۔انسان پر یہ واضح کرنا کہ یہ گنہگار ہے (رومیوں 5:20)

ٹ۔جسمانی اور عارضی مفاد کو فروغ دینا (احبار 26:3-12)

ث۔بدی کو روکنا (گلتیوں 3:19)

ج۔آسمانی حقائق کا اظہار کرنا (عبرانیوں 9:23)

چ۔آنے والے واقعات کو بیان کرنا (کلسیوں 2:16، 17)

ح۔انسان کو مسیح (نئے عہد) کے پاس لانا (گلتیوں 24:3)

اوپر بیان کردہ نقاط میں سے آخری نقطہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ شریعت ہمارے اُستاد کی مانند تھی اور شاید یہی تمام نقاط کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔شریعت یا پرانے عہد کا مقصد لوگوں کی رہنمائی مسیح کی جانب کرنا تھا۔خدا کے منصوبوں میں ہر چیز کا ایک خاص مقام ہے اور خدا کے ابدی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ہر چیز اپنا کام پورا کرتی ہے۔خدا یہ چاہتا ہے کہ لوگ مسیح کے پاس آئیں مگر اُنہیں مسیح کے پاس آنے کے لیے سب سے پہلے اپنی ضرورت کو محسوس کرنا پڑتا ہے۔پس خدا اپنی حکمت کی بدولت کیا کرتا ہے؟ وہ ایسا نظام مقرر کر دیتا ہے جس کے ذریعے لوگ اپنی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں کیونکہ اس اہم مرحلے سے گزر کر ہی وہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ناراستوں کے لیے بنایا گیا

اب ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ نیا عہد ہی ہمیشہ سے حقیقی نجات کی بنیاد رہا ہے۔لیکن آیئے اس اہم سوال پر بھی غور کرتے ہیں: وہ کون لوگ ہیں جو نئے عہد کا تجربہ کر سکتے ہیں؟ بے شک اس کا جواب یہ ہے کہ خدا کے حقیقی لوگ اس کا تجربہ کر سکتے ہیں! صرف اُنہی میں خدا کا رُوح بسا ہوتا ہے جو اُنہیں اس قابل بناتا ہے کہ وہ خدا کی راہوں پر چل سکیں۔

جبکہ دوسری طرف وہ کون لوگ ہیں جنہیں شریعت مسیح کی طرف لاتی ہے؟ بے شک، اس کا جواب ہے، اُن لوگوں کو جو خدا کے لوگ نہیں ہوتے۔اگر ہم اس بات پر غور کریں تو ہم یہ بات واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں کہ پرانا عہد خدا کے حقیقی لوگوں کے لیے نہیں ہے۔پرانا عہد ایسے لوگوں کے لیے ہے جو خدا کے لوگ نہیں ہیں (1 تیمتھیس 9:1)۔

جب ہم یہ بات سمجھ لیتے ہیں کہ ابدی عہد یا نیا عہد ابتدا سے موجود ہے تو پھر کوئی اور بات ہمارے ذہنوں میں آنا شروع ہو جاتی ہے۔اگر پرانا عہد لوگوں کی رہنمائی مسیح کی جانب کروانے کا مقررہ راستہ ہے تو پھر یہ جواز تو پیدا ہوتا ہے کہ پرانے عہد کو نئے عہد کے ساتھ ہی رہنا چاہیے۔اگر ابتدا سے ہی نیا عہد موجود تھا تو پر ابتدا سے کوئی ایسا طریقہ بھی موجود ہوگا جو لوگوں کی رہنمائی مسیح کی جانب کرواتا ہوگا۔پس ایک طرح سے یوں کہا جا سکتا ہے کہ یہ دونوں عہد کسی مخصوص وقت تک محدود نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق دو مختلف تجربات سے ہے۔ایک تجربے میں ایسا انسان شامل ہوتا ہے جو مسیح کے بغیر ہوتا ہے جبکہ دوسرے تجربے میں ایسا انسان ہوتا ہے جو مسیح کے ساتھ ہوتا ہے۔یہ بات واضح ہے کہ یہ دونوں تجربے ابتدا سے موجود ہیں۔

لہٰذا اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نے محض کچھ لوگوں کے گروہ (اسرائیل) کو کیوں چُن لیا اور اس گروہ کو پرانے عہد کے تحت کیوں کر دیا کیونکہ اُن سے یہ بات واضح ہوتی تھی کہ وہ مسیح کے بغیر تھے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بطور گروپ وہ پرانے عہد کے تحت تھے یعنی وہ ایسا گروہ تھا جو مسیح کے بغیر تھا۔

کیا یہ خدا کے لوگوں کے لیے نہیں ہے؟

جب کوئی انسان خدا کا بیٹا بن جاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ انسان مسیح کے رُوح میں حصہ دار بن چکا ہے (رومیوں 9:8) کیا بطورِ قوم اسرائیل خدا کے بچے تھے؟ کیا بطورِ قوم وہ حقیقی طور پر نئے سرے سے پیدا ہوئے تھے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خدا کے حقیقی لوگ نہیں تھے! پس خدا نے بطورِ قوم اسرائیل کو جو کچھ بھی دیا، جو بھی عہد خدا نے اسرائیل کے ساتھ باندھا، اُس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ خدا کے حقیقی لوگ تھے۔ خدا کے لوگوں میں ابدی زندگی ہوتی ہے۔ کیا بطورِ قوم اسرائیل میں ابدی زندگی تھی؟ جی نہیں! اور خدا نے اُن سے کبھی بھی ابدی زندگی کا وعدہ بھی نہیں کیا تھا۔ خدا نے ابدی زندگی کا وعدہ اس وجہ سے نہیں کیا تھا کیونکہ پرانے عہد کا تعلق ابدی زندگی کے ساتھ نہیں ہے۔ پرانا عہد صرف اس فانی دُنیا کے فائدوں کو ہی بیان کرتا ہے۔

جب پولس یہ کہتا ہے کہ ہم ''دُنیوی ابتدائی باتوں کے پابند ہو کر غلامی کی حالت میں رہے'' ہیں (گلتیوں 3:4) تو وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا کیونکہ پرانا عہد کا تعلق صرف اِنہی باتوں سے ہے یعنی دُنیا اور اِس دُنیا کے مفادات۔ اگر لوگ مخصوص قسم کا رویہ اپنائیں تو پھر خدا اُنہیں کچھ مخصوص فوائد محض عارضی فوائد مہیا کرے گا۔ نیا عہد ابدی مفاد مہیا کرتا ہے۔ لہٰذا جب خدا نے بنی اسرائیل کے ساتھ عہد باندھا تھا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اُنہیں ہمیشہ کی زندگی حاصل ہو۔ خدا کی طرف سے اسرائیل کے ساتھ کئے گئے وعدوں میں آپ کو کہیں بھی ابدی زندگی کا وعدہ نہیں ملے گا کیونکہ خدا کا مقرر کردہ وہ عہد نجات کے لیے نہیں تھا۔ پرانا عہد نجات مہیا نہیں کر سکتا بلکہ وہ تو محض نجات کی علامت تھا۔

کیا اُن اسرائیلیوں کے لیے حقیقی نجات حاصل کرنا ممکن تھا؟ جی ہاں ایسا ممکن تھا! اُس قوم میں سے جو بھی یسوع مسیح کے پاس آتا اُسے یہ حقیقی نجات حاصل ہو جاتی۔ وہ ایمان کی بدولت اس وعدے کو قبول کر سکتے تھے مگر مقرر کردہ نظام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا اس لیے کہ خدا نے اُنہیں بطور قوم ایک نظام کے ذریعے ''مانو اور جیتے رہو'' کے اُصول کے ماتحت کر دیا تھا۔ اُس کے وعدے یہ تھے ''تُو اپنے باپ اور ماں کی عزت کرنا تا کہ تیری عمر اُس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو؛ مَیں تمہیں ایک اچھے اور وسیع ملک میں جہاں دُودھ اور شہد بہتا ہے

لے جاؤں گا۔'' اُن سے یہی وعدہ کیا گیا تھا! تابعداری کرنے پر اُن سے کبھی بھی ہمیشہ کی زندگی کا وعدہ نہ ہوا۔ خدا نے اُن سے صرف عارضی فوائد کا وعدہ کیا کیونکہ ابدی زندگی اور ابدی فوائد حاصل کرنے کی صرف ایک ہی شرط ہے یعنی ایمان رکھنا اور یہ باتیں پرانے عہد میں نہیں تھیں۔ جیسے کہ پولس ہمیں بتاتا ہے کہ شریعت کا تعلق ایمان سے نہیں بلکہ ''عمل'' سے ہے (گلتیوں 12:3)۔

کیا ہم کسی مخصوص گروہ کی وجہ سے بچے ہیں؟

عموماً خدا کے لوگوں کو ایک ''گروپ'' کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ ہم اسرائیل کو ایسی قوم سمجھتے ہیں جو خدا کی ملکیت ہے اور اگر آج بھی ہم خدا کے لوگوں کے بارے میں سوچتے ہیں تو یہی بات ہمارے دماغ میں آجاتی ہے۔ لیکن جب ہم ''بحیثیتِ قوم'' کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو ہم ایک ایسے سنجیدہ مسئلہ کی نشاندہی کر دیتے ہیں جو بے شمار مسیحیوں کو پریشان اور اُلجھن میں ڈال دیتا ہے۔ کوئی بھی ''بحیثیت قوم'' نجات نہیں پاتا۔ خدا قومیت کی بنیاد پر لوگوں کو نجات نہیں دیتا۔ خدا لوگوں کو انفرادی طور پر نجات دیتا ہے، اس لیے خدا نے اپنا ابدی عہد کسی بھی صورت میں مخصوص قوم، گروپ یا اُمت کے ساتھ نہیں کیا۔ ایسا ناممکن تھا! خدا اپنا ابدی عہد صرف انفرادی طور پر کرتا ہے کیونکہ ایمان انفرادی سطح پر پایا جانا چاہیے۔ یہ ''مخصوص قوم'' یعنی کسی خاص اُمت کے ساتھ نہیں ہوسکتا۔ اِسی وجہ سے کوئی بھی کلیسیائی گروپ بطورِ کلیسیا یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ حقیقی طور پر صرف وہی ''خدا کے لوگ'' ہیں۔ چرچز خدا کے ہاتھ میں بطورِ آلہء کار ہوسکتے ہیں جنہیں خدا اپنے مخصوص مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرسکتا ہے مگر وہ خدا کے ساتھ نجات یافتہ تعلق رکھتے ہوئے خدا کے لوگ نہیں ہوسکتے۔ ایسا صرف انفرادی طور پر ہی ہوسکتا ہے۔

پرانے عہد میں بے شک خدا نے عبرانی قوم کو دُنیا کو سکھانے کے لیے بطورِ وسیلہ مقرر کیا اور اِنہیں استعمال کیا تھا۔ جب سے پرانے عہد کی ابتدا ہوئی ہے اُس وقت سے جنہوں نے بھی اس کے مقصد کو سمجھا اُنہوں نے اس سے فائدہ حاصل کیا حتیٰ کہ آج بھی اگر دُنیا میں جو بھی اس نظام کو سمجھتا اور محتاط انداز سے اس کا مطالعہ کرتا ہے وہ اِس کے ذریعے مسیح کو دیکھ سکتا ہے۔ اپنی نفسانی خودغرضی کی وجہ سے عبرانی یہ سوچتے تھے کہ یہ نظام صرف اُن کے فائدے کے لیے بنایا گیا ہے اور وہ خود کو دوسری اقوام سے بہتر سمجھتے تھے۔ مگر خدا کا اصل مقصد یہ تھا کہ اُن کے وسیلے دُنیا کو برکت دی جائے اور اُن کے ذریعے دُنیا کی مدد ہوسکے تاکہ وہ مسیحا تک رسائی کرسکیں۔ یہ سارا نظام اُن تمام حقائق کو بیان کرنے کا ذریعہ تھا جو مسیح میں پائے جاتے ہیں۔

اسرائیلی مکمل طور پر اُلجھن کا شکار ہوگئے اور آج بھی بہت سے مسیحی اُن کی مانند سوچتے ہوئے پریشان ہوجاتے ہیں کہ نجات اُس نظام میں موجود تھی اور یہ کہ خدا دوسرے لوگوں کی بجائے یہودیوں کو بچانا چاہتا ہے۔ مگر خدا اِس دُنیا میں کسی جگہ ایسا سکول مقرر کرتے ہوئے دُنیا کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا جہاں پر لوگ مسیح کی طریق کو جان اور دیکھ سکیں اور یہ جان سکیں کہ ہمیں مسیح کی ضرورت کیوں ہے۔

اپنی غلط فہمیوں کو استعمال کرنا

خدا ہمیشہ سے انسان کو بچانے کے لیے کوشاں رہا ہے، کسی بھی ممکنہ وسیلے کی بدولت بعض اوقات غیر متوقع وسائل کو بھی استعمال کرتے ہوئے۔ شروع سے خدا نے انسان کی غلط فہمیوں کو بطورِ وسیلہ استعمال کیا ہے تاکہ اِن کے ذریعے لوگوں کو مسیح کے پاس لایا جاسکے۔ لوگوں میں ہمیشہ سے یہ تاثر رہا ہے کہ اگر وہ فرمانبرداری اور نیک اعمال کریں تو خدا اِن سے خوش ہوگا۔ جو لوگ ایماندار اور وفادار رہے ہیں بہت جلد وہ اس بات کو جان لیں گے کہ اُن کی تمام تر کاوشیں فضول تھیں اور اُنہیں مدد کی ضرورت ہے۔ اس کی بدولت خدا اُنہیں اُس مقام پر لے آتا ہے جہاں پر وہ اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ اُنہیں مسیح کی ضرورت ہے اور مسیح پر ایمان رکھنے کی بدولت وہ مسیح کی زندگی حاصل کر سکتے اور نئے سرے سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

آج بھی شریعت اِسی مقصد کو پورا کرتی ہے۔ شریعت نے میری زندگی میں کئی مرتبہ ایسا کیا ہے۔ کئی مرتبہ مَیں نے اچھا بننے کی بھرپور کوشش کی۔ مَیں اتنی بھرپور کوشش کیوں کرتا تھا؟ کیوں کہ مَیں خدا کے معیار کے مطابق زندگی بسر کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس میں ناکام ہونے پر مَیں نے ایسا کرنا چھوڑ دیا اور خدا سے یوں کہا ''اے خدایا! میری مدد فرما! مَیں ایسا نہیں کرسکتا!'' شریعت آج بھی بطورِ اُستاد ہے۔ خدا کے منظورِ نظر بننے کے لیے شریعت کو ماننے والا جھوٹا خیال انسانی نفسیات میں پایا جاتا ہے اور خدا اب بھی کئی مرتبہ اِس جھوٹے خیال کے ذریعے ہمیں اُس مقام پر لے جاتا ہے جہاں پر ہم مسیح کی جانب آجائیں۔

لہٰذا ایک طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ پرانا اور نیا (ابدی) عہد دونوں ابتدا سے موجود ہیں اور یہ دونوں آخر تک موجود رہیں گے۔ نیا عہد مسیح کے مرنے کے بعد ہی رائج ہوا لیکن جن لوگوں نے مستقبل میں رائج ہونے والے اس عہد پر ایمان رکھا وہ بھی نجات پاگئے۔ تاہم ایک وقت میں خدا نے لوگوں کو سکھانے کی غرض سے پرانے عہد پر مبنی ایسا نظام رائج کیا تھا جس کو ماننے کے وسیلے کوئی نسل یا پوری قوم زندگی پائے گی۔ جب مسیح آیا تو دُنیا ایسے دُور میں داخل

ہوگئی جہاں ایمان کی بھرپور روشنی اور ماننے اور زندگی پانے والی بات کا مطلب بالکل واضح ہوگیا۔

''جس نے ہمیں نجات دی اور پاک بلاوے سے بلایا ہمارے کاموں کے موافق نہیں بلکہ اپنے خاص ارادہ اور اُس فضل کے موافق جو مسیح یسُوع میں ہم پر ازل سے ہوا۔ مگر اب ہمارے منجی مسیح یسُوع کے ظہور سے ظاہر ہوا جس نے موت کو نیست اور زندگی اور بقا کو اُس خوشخبری کے وسیلہ سے روشن کر دیا'' (2 تیمتھیس 1:9-10)

پس ہم وقت کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنی پرانے عہد کا وقت اور نئے عہد کا وقت مگر حقیقت میں اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ لوگ دو طریقوں سے نجات پا سکتے ہیں۔ لوگ عموماً ایسا ہی سوچتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ پہلے پرانا عہد تھا اور اب نیا عہد ہے یعنی خدا ان دونوں طریقوں سے لوگوں کو بچاتا ہے۔ پہلے خدا نے پرانے عہد کے ذریعے لوگوں کو بچایا اور اب وہ نئے عہد کے ذریعے لوگوں کو بچاتا ہے، مگر ایسا بالکل نہیں ہے! یہ جھوٹا خیال ہے اور اِسے ختم ہونا چاہیے۔ چاہے ابتدائی دور ہو یا موجودہ وقت ہو انسان صرف نئے عہد کی بدولت ہی نجات پاتا ہے۔

محض اِس دُنیا کا

پس اب ہم یہ نتائج اخذ کر سکتے ہیں جن کو ہمیں اپنے ذہنوں میں رکھنا چاہیے۔ پرانے عہد کی بدولت کوئی بھی نجات نہیں پا سکتا۔ نہ کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ ہی کبھی ایسا ہوگا۔ خدا کا یہ مقصد بالکل نہیں تھا۔ پرانے عہد کے تحت ملنے والی خدا کی برکات محض عارضی برکات تھیں اور وہ محض دُنیاوی تھیں اس لیے اس سے جُڑے ہوئے احکام کو ''جسمانی'' کہا گیا ہے (عبرانیوں 7:16)۔ پولس اُنہیں ''دُنیوی ابتدائی باتوں'' (گلتیوں 4:3)، ''دُنیوی ابتدائی باتوں'' کے طور پر بیان کرتا ہے۔

پولس کہتا ہے کہ پرانے عہد کے تحت ہم ''دُنیوی اِبتدائی باتوں کے پابند ہو کر غلامی کی حالت میں رہے'' (گلتیوں 4:3)، ان میں وہ اُن تمام آئین اور احکام کا حوالہ دیتا ہے جو بنی اسرائیل کو ملے تھے۔ بہت سے مسیحی یہ کہتے ہیں کہ اس میں خدا کی طرف سے دی گئی شریعت کی بات نہیں ہو رہی۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا ایسی کوئی بھی بات مقرر نہیں کر سکتا جسے جسمانی، دُنیوی یا دُنیاوی باتوں پر مبنی کہا جا سکے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ پرانا عہد ایسا ہی تھا کیونکہ اس عہد کے ذریعے محض دُنیاوی یعنی جسمانی چیزوں کا فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ پرانے عہد میں کچھ بھی ابدی نہیں تھا لہٰذا یوں کہنا درست ہوگا کہ یہ ''جسمانی''، ''عارضی'' اور ''دُنیوی باتوں'' پر مبنی تھا۔ ابدی باتوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہ بات حقیقت ہے کہ یہ ایسی اہم تعلیم ہے جو لوگوں کی رہنمائی ابدی باتوں کی طرف کرتی ہے۔

یہودیوں کا یہ ماننا تھا کہ نجات اِن باتوں کو ماننے پر مبنی ہے اس وجہ سے وہ خدا کو اپنے معیار تک لے آئے۔ اگر آپ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ خدا آپ کو ہمیشہ کی زندگی اس وجہ سے مہیا کرے گا کیونکہ آپ نے کسی برّے کی قربانی گزرانی ہے، آپ نے شریعت کی باتوں کو اپنے ماتھے پر نقش کرلیا ہے اور آپ دس احکام کو مانتے ہیں تو پھر ایسا کرنے سے آپ خدا کو کیسا ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؟ خدا کے بارے میں آپ کا نظریہ دُرست نہیں ہے۔

اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اِن باتوں سے نجات حاصل نہیں ہوتی بلکہ ان باتوں سے محض نجات کی وضاحت ہوتی ہے تو پھر آپ قربانی گزرانے، عیدیں منانے، رسومات ادا کرنے اور تحریری احکام ماننے کی بجائے اہم بات کا مظاہرہ کریں گے اور آپ عظیم سچائی کو دیکھیں گے اور یوں کہیں گے ''خدا ایسا خدا ہے جو ظاہری نہیں بلکہ حقیقی کام کرتا ہے۔'' لیکن اگر آپ یہ سوچتے ہیں کہ ظاہری اور رسمی باتوں سے خدا خوش ہوتا ہے تو پھر آپ خدا کو ایک بچے کی سطح پر لاتے ہیں اور اُسے ایسا بنا دیتے ہیں جس کی سوچ انسانی سوچ سے زیادہ نہیں ہے۔

عارضی سزائیں اور جزائیں

اب یہاں پر ایک آخری نقطہ ہے جس پر ہمیں غور کرنا چاہیے: چونکہ پرانا عہد اس دُنیا اور دُنیاوی باتوں سے متعلقہ تھا تو پھر اس سے جُڑی ہوئی سزائیں اور جزائیں بھی عارضی تھیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُن وعدوں کا تعلق ہماری اِس زندگی کے ساتھ ہے لیکن عموماً ہمیں یہ بات ماننے میں مشکل درپیش ہوتی ہے کہ اس سے متعلقہ سزاؤں کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔ شریعت کے نظام سے جُڑی ہوئی سزائیں بھی ابدی نہ تھیں بلکہ وہ بھی عارضی تھیں!

پس اگر کسی شخص کو سبت والے دن لکڑیاں چُننے کی وجہ سے سنگسار کیا جاتا تھا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ہمیشہ کی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے؟ شاید نہیں! بے شک اگر کوئی شخص خدا سے دُور ہو اور وہ دانستہ طور پر سبت والے دن لکڑیاں چُننے کے لیے باہر جاتا ہے تو اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اِس شخص کا خدا کے ساتھ اچھا تعلق نہیں ہے۔ لیکن فرض کریں کہ اگر کوئی ایسا شخص جس کی بیوی بیمار ہو وہ سبت والے دن باہر جا کر لکڑیاں چُنتا ہے تاکہ اپنی بیوی کے لیے گرم سوپ تیار کرے اور لوگ اُسے پکڑ لیتے ہیں تو پھر لوگ اُس کے ساتھ کیا کریں گے؟ لوگ اِسے سنگسار کر دیں گے! پرانے عہد کے مطابق اس شخص کو بطورِ گنہگار سنگسار کیا جائے گا! مگر ابدی عہد کے مطابق اس کے ساتھ کیا کیا جائے گا؟ اگرچہ اُس شخص کو بطورِ گنہگار سنگسار کر دیا گیا لیکن اگر اُس شخص کا ایمان ٹھیک تھا تو پھر وہ شخص ہمیشہ کی زندگی پائے گا۔ یہی کچھ تو زنا میں پکڑی گئی عورت کے ساتھ ہوا تھا۔ صلیب پر ڈاکو کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا تھا۔ پس ہمیں پرانے عہد

کے تحت ملنے والی سزاؤں اور پرانے عہد کے تحت لوگوں کو ملنے والے فائدوں کو نہیں دیکھنا چاہیے اور یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ ان باتوں سے لوگوں کی ابدی منزل کا پتہ چلتا ہے۔ وہ محض ظاہری اور عارضی تھے۔

جب ہم لوگوں کے ابدی مقام سے متعلقہ سوال کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر ہمیں پرانے عہد سے ہٹ کر دیکھنا پڑے گا۔ اِسی وجہ سے پولس نے یہ کہا ''راحب بچ گئی' اگرچہ وہ ایسی عورت تھی جس کے بارے میں بیشتر لوگ یہی سوچتے تھے کہ وہ ہمیشہ کی زندگی حاصل نہیں کر سکے گی۔ جب ہم ایسے لوگوں پر غور کرتے ہیں تو آپ یہ بتانے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ''وہ کیسے لوگ تھے؟'' مگر خدا الگ انداز سے دیکھتا ہے اور اگر ہم خدا کے مقاصد کو سمجھنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں بھی الگ انداز سے ہی دیکھنا پڑے گا۔

جو لوگ پرانے عہد کے ماتحت رہتے ہیں وہ کبھی بھی باطنی تبدیلی کا تجربہ نہیں کر سکتے۔ وہ محض ظاہری تبدیلی کا تجربہ کرتے ہیں۔ پرانے عہد کے ماتحت ہوتے ہوئے وہ ہمیشہ زمین اور اِس کے طریقہ کار اور اِس کی نفسانی فطرت کے ساتھ جُڑے رہتے ہیں۔ لیکن جب وہ نئے عہد کے تحت مسیح کے ساتھ جُڑ جاتے ہیں تو پھر اُن میں حقیقی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور وہ حقیقی طور پر ابدی چیزوں کے وارث ٹھہرتے ہیں۔

باب نمبر 18

رُوح کی شریعت

''کیونکہ زندگی کے رُوح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا'' (رومیوں 2:8)

اس آیت کے ذریعے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ راستبازی کی حقیقی نوعیت کیا ہے اور یہ ایماندار میں کیسے کام کرتی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے، یہ بات سمجھنے کے لیے سب سے پہلے ہمیں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ پولس رومیوں کے نام لکھے گئے خط میں تین قسم کی شریعتوں کا ذکر کرتا ہے۔

1۔ پہلی، دس احکام کی شریعت

2۔ دوسری، گناہ اور موت کی شریعت

3۔ تیسری، زندگی کے رُوح کی شریعت

مندرجہ ذیل آیات میں پولس دس احکام کی شریعت کے بارے میں بات کرتا ہے:

''پس ہم کیا کہیں؟ کیا شریعت گناہ ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ بغیر شریعت کے مَیں گناہ کو نہ پہچانتا مثلاً اگر شریعت یہ نہ کہتی کہ تُو لالچ نہ کر تو مَیں لالچ نہ کرتو مَیں لالچ کو نہ جانتا'' (رومیوں 7:7)

''پس شریعت پاک ہے اور حکم بھی پاک اور راست اور اچھا'' (رومیوں 12:7)

''کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ شریعت تو رُوحانی ہے مگر مَیں جسمانی اور گناہ کے ہاتھ بِکا ہوا ہوں'' (رومیوں 14:7)

''کیونکہ باطنی انسانیت کی رُو سے تو مَیں خُدا کی شریعت کو بہت پسند کرتا ہوں'' (رومیوں 22:7)

ان آیات میں دس احکام کی بات ہو رہی ہے اور اِن سے ہمیں یہ چند باتیں جاننے کو ملتی ہیں:

1۔ دس احکام پاک، راست اور اچھے ہیں۔

2۔ دس احکام یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم گنہگار ہیں۔

3۔ دس احکام رُوحانی ہیں مگر ہم فطری طور پر جسمانی اور گناہ کے غلام ہیں۔

4۔ پولس نے دس احکام کو پسند کیا۔

ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ احکام بہت اچھے ہیں مگر مندرجہ ذیل آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُن میں کوئی مسئلہ ہے:

''غرض میں ایسی شریعت پاتا ہوں کہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہوں تو بدی میرے پاس آموجود ہوتی ہے ۔کیونکہ باطنی انسانیت کی رُو سے تو مَیں خُدا کی شریعت کو بہت پسند کرتا ہوں۔مگر مجھے اپنے اعضا میں ایک اور طرح کی شریعت نظر آتی ہے جو میری عقل کی شریعت سے لڑ کر مجھے اس گناہ کی شریعت کی قید میں لے آتی ہے جو میرے اعضا میں موجود ہے'' (رومیوں 7:21-23)

اب پولس ایک اور شریعت کی بات کرتا ہے۔یہ کوئی قانونی شریعت نہیں ہے یعنی یہ تحریر کردہ احکام نہیں ہیں یا ایسے قوانین نہیں ہے جن کو ماننے کا مطالبہ حکومت کرتی ہے۔یہ کیسی شریعت ہے؟ اس شریعت کا کام یہ ہے: جب پولس کوئی نیک کام کرنا چاہتا ہے تو وہ بدی کرنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔یہ شریعت خدا کے احکام ماننے کی خواہش سے زیادہ زور آور ہوتی ہے اور یہ اُسے گناہ کا غلام بنا دیتا ہے۔وہ اس شریعت کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ ''گناہ کی شریعت کی قید میں لے آتی ہے جو میرے اعضا (میرے بدن) میں موجود ہے''۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ دو مختلف قسم کی شریعتیں ہیں۔ایک عدالتی شریعت ہے جبکہ دوسری فطری شریعت ہے۔عدالتی یا قانونی شریعت ایسا آئین یا قوانین کا مجموعہ ہوتا ہے جنہیں حکومت کی جانب سے مقرر کیا جاتا ہے۔دس احکام قانونی شریعت ہے۔اِن میں لوگوں کو کچھ کرنے کو کہا جاتا ہے اور پھر انہیں سُن کر انسان اپنے ردعمل کا مظاہرہ کرنا پڑتا ہے۔اُسے یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ وہ انہیں مانے یا نہ مانے۔کسی انسان کی اپنی مرضی ہے کہ وہ انہیں مانے یا نہ مانے۔ جب ہم قانونی شریعت کی بات کرتے ہیں تو اِس میں سزائیں بھی شامل ہوتی ہیں۔اگر کوئی اِسے مانتا ہے تو اُسے اچھا صلہ ملتا ہے اور اگر کوئی اِس کی نافرمانی کرتا ہے تو اُسے سزا ملتی ہے۔اس کی سزائیں اور جزائیں حکمران تجویز کرتے ہیں۔

جبکہ فطری شریعت فطرت پر مبنی ہوتی ہے۔جب ہم فطری شریعت کے بارے میں سوچتے ہیں تو ہم ان قوانین کے بارے میں سوچتے ہیں یعنی کششِ ثقل کا قانون، حرکت کا قانون اور نتائج کا قانون۔یہ شریعت قانونی شریعت جیسی نہیں ہے اور اس کی کارکردگی اُس سے مختلف ہوتی ہے۔فطری شریعت میں ایسے مجوزہ حکومتی قوانین نہیں ہوتے کہ ''یہ کرو یا وہ کرو'' اور اِن کی جزائیں اور سزائیں بھی نہیں ہوتیں۔فطری شریعت ایسے فطری اُصول پر مبنی ہوتی ہے جس کے ہمیشہ ایک جیسے ہی نتائج حاصل ہوتے ہیں اِسی وجہ سے اِسے شریعت کہا گیا ہے۔مثلاً اگر ہم کششِ ثقل کے قانون پر غور کریں تو اِسے شریعت کہا جاتا ہے کیونکہ جب بھی کوئی چیز اوپر ہوا میں پھینکی جاتی ہے تو وہ ہمیشہ نیچے ہی آتی ہے۔ہر بار ایسا ہی ہوتا ہے۔اسی لیے اِسے شریعت کہا جاتا ہے۔

جب پولس یہ کہتا ہے ''غرض میں ایسی شریعت پاتا ہوں کہ جب نیکی کا ارادہ کرتا ہوں تو بدی میرے پاس آموجود ہوتی ہے'' تو وہ یہاں پر فطری شریعت کی بات کر رہا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا کہ کسی نے اُسے بدی کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ ایسا ایک اُصول کی وجہ سے ہوتا ہے: یعنی جب وہ نیکی کرنا چاہتا ہے تو اُس سے بدی ہوجاتی ہے اور بدی سے کنارہ کرنے کے باوجود بھی اُس سے بدی ہوجاتی ہے۔ اِس اُصول کے خلاف مزاحمت نہیں ہوسکتی اور اِسی وجہ سے پولس اِسے شریعت قرار دیتا ہے یعنی ہر بار ایسے ہی ہوتا ہے۔

پس جس پہلی شریعت کی بات کی گئی ہے وہ دس احکام پر مبنی قانونی شریعت ہے۔ دوسری شریعت گناہ کی شریعت ہے اور یہ فطری شریعت ہے۔

ان دونوں میں سے کونسی شریعت زیادہ طاقتور ہے؟ اس بارے میں پولس یہ کہتا ہے:

''اُس لئے کہ جو کام شریعت جسم کے سبب سے کمزور ہو کر نہ کرسکی وہ خُدا نے کیا یعنی اس نے اپنے بیٹے کو گناہ آلودہ جسم کی صورت میں اور گناہ کی قربانی کے لئے بھیج کر جسم میں گناہ کی سزا کا حکم دیا'' (رومیوں 3:8)

یہاں پر پولس یہ کہتا ہے کہ شریعت (دس احکام) جسم کے سبب سے کمزور ہے۔ ''شریعت'' کیسے کمزور تھی؟ یہ کمزور تھی کیونکہ یہ راستبازی مہیا نہ کرسکی۔ یہ گناہ پر غلبہ نہ پاسکی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ گنہگار جسم (نفسانی دماغ) سے متعلقہ تھی۔ نفسانی دماغ (گنہگار بدن) میں ایک شریعت ہوتی ہے جسے ''گناہ کی شریعت'' کہا گیا ہے اور جب گنہگار بدن کے ساتھ اس کا واسطہ پڑتا ہے تو پھر گناہ کی شریعت دس احکام سے بھی طاقتور ہوجاتی ہے۔ دس احکام اچھی کارکردگی کا مطالبہ کرتے ہیں مگر گناہ کی شریعت انسان کو بدی کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ وہ اِس شریعت کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور وہ ایسے مالک کے غلام بن جاتے ہیں جسے ''گناہ'' کہتے ہیں۔ اس وجہ سے دس احکام گناہ کے مسئلے کو حل نہیں کرسکتے۔ قانونی شریعت ہمیشہ سے فطری شریعت پر حاوی رہی ہے۔ قانونی شریعت مطالبہ کرتی ہے اور ڈراتی ہے مگر فطری شریعت باطن سے آتی ہے اور یہ فطری انداز میں اپنے مطالبات پورے کرتی ہے۔ چونکہ یہ پیدائشی اور فطری ہوتی ہے اس لیے یہ اپنے مقاصد خود بخود پورے کرلیتی ہے۔ اِسے ہمیشہ سے مانا جاتا ہے۔

پس اگر گناہ کا مسئلہ حل کرنا ہے تو پھر قانونی شریعت سے بڑھ کر کچھ ہونا چاہیے۔ خدا کا شکر ہو کہ اُس نے اِس کا حل مہیا کردیا ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے خدا نے جس شریعت کو استعمال کیا ہے رُسول اُس کی وضاحت یوں کرتا ہے:

''کیونکہ زندگی کے رُوح کی شریعت نے مسیح یسوع میں مجھے گناہ اور موت کی شریعت سے آزاد کر دیا''
(رومیوں 2:8)

یہ خوشخبری سے متعلقہ شاندار سچائی ہے۔ مسیح یسوع میں خدا نے گناہ کی ابتدائی فطری شریعت کو منسوخ کرنے کے لیے ایک اور فطری شریعت مہیا کی ہے۔ اس تیسری شریعت کو ''زندگی کے رُوح کی شریعت'' کہا گیا ہے۔ یہ کیسی شریعت ہے؟ کیا یہ قانونی شریعت ہے یا فطری شریعت؟ ہم پہلے ہی یہ بات جان چکے ہیں کہ قانونی شریعت فطری شریعت پر غلبہ نہیں پا سکتی، اس لیے دس احکام گناہ کی شریعت پر بھی غلبہ نہ پا سکے۔ لہٰذا اگر خدا گناہ کی فطری شریعت پر غلبہ پانا چاہتا ہے تو پھر اُسے ایک اور فطری شریعت کو استعمال کرنا پڑے گا۔ قانونی شریعت ناکام ہوگئی یعنی جو کچھ اِس سے کرنے کی توقع تھی وہ یہ نہ کر سکی کیونکہ بدن نے اِس کے اختیار کو ختم کر دیا تھا۔ یہ ''جسم کے سبب سے کمزور'' تھی۔

مگر خدا نے اپنے بیٹے کو گنہگار بدن میں بھیجا اور یوں بدن کی شریعت پر غلبہ پایا۔ خدا نے ایسا کیسے کیا؟ اُس نے اِسی بدن میں اور ایک شریعت کو متعارف کرواتے ہوئے ایسا کیا۔ یہ ''زندگی کے رُوح کی شریعت'' تھی۔ رُوح کی بدولت خدا نے گنہگار انسانی بدن میں ایک اور اہم اُصول رکھ دیا جو فطری طور پر نیکی کرنا چاہتا ہے۔ یہ ایسا اُصول ہے جسے خدا کی مرضی پوری کرنے میں خوشی ہوتی ہے۔

گناہ کی شریعت کا طریقہ واردات یہ تھا: میری نفسانی فطرت کو بدی سے اتنی محبت تھی کہ جب کبھی مَیں نیکی کرنا بھی چاہتا تھا تو مجھ سے ہمیشہ بدی ہی ہوتی تھی۔

رُوح کی شریعت اس انداز میں کام کرتی ہے: میری نئی فطرت نیکی سے محبت رکھتی ہے اور اگر میرے سامنے بدی آ بھی جائے تب بھی مَیں ہمیشہ نیکی ہی کرتا ہوں۔

آیئے اب غور کرتے ہیں کہ یہ تیسری شریعت ''زندگی کے رُوح کی شریعت'' فطری شریعت ہے، یہ بالکل گناہ کی شریعت کے مانند ہے۔ ایسی کوئی بھی فطری شریعت نہیں ہے جو ہدایات جاری کر کے اپنی مرضی پوری کروائے۔ فطری شریعت کا بڑا اثر و رسوخ ہے اور کائنات کے احکام کی بدولت ان فطری قوانین پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا۔ مثلاً اگر دُنیا کا سب سے بڑا حکمران سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر سمندر کی لہروں کو تھم جانے کا حکم کرے تو وہ لہریں اس کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے مقررہ فطری انداز میں رواں دواں ہی رہیں گی۔ ہم یہ سوچ سکتے ہیں کہ لہروں کو تھم جانے کا حکم دینا تو بڑا مشکل کام ہے لیکن اگر وہی حکمران کوئی چیز اوپر ہوا میں اُچھال کر اُسے یہ حکم دیتا ہے کہ نیچے نہ گرنا تو پھر دیکھیں

کہ اُس کا حکم کس حد تک مانا گیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قانونی شریعت کو استعمال کرتے ہوئے فطری شریعت پر غلبہ پانا ممکن نہیں ہے۔ اِسی وجہ سے دُنیا کے تمام احکام بھی کسی گنہگار کو گناہ کرنے سے روک نہیں سکتے کیونکہ گناہ کی شریعت گنہگار میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے اس لیے اِس پر غلبہ پانے کے لیے قانونی شریعت سے بڑھ کر کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے۔

زندگی کے رُوح کو راستبازی کے کام کرنے کے لیے قانونی یا تحریری قوانین کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ زندگی کے رُوح کی شریعت سے حقیقی راستبازی حاصل ہوتی ہے کیونکہ یسوع خدا کی سوچ اور راستبازی کو ایماندار مسیحیوں کی فطرت میں ڈال دیتا ہے۔ وہ اپنی رُوح، زندگی اور اپنی ایسی الٰہی فطرت مہیا کرتے ہوئے ایسا کرتا ہے جو ہمیشہ نیکی ہی کرنا چاہتی ہے۔ مسیح سے حاصل کردہ اس زندگی سے خدا کی زندگی جیسے پھل پیدا ہوتے ہیں، ایسا قانونی شریعت کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اُس پیدائشی فطرت کی وجہ سے ہوتا ہے جو مسیح کی فطرت کا حصہ ہے۔

مسیح ہماری راستبازی ہے اس عظیم سچائی کا یہی اہم نقطہ ہے۔ شریعت کو ماننے والے لوگ یہ کہتے ہیں کہ ''شریعت کو مانے بغیر ہم راستباز نہیں ٹھہر سکتے۔'' وہ یہ بات مانتے ہیں کہ راستباز بننے کے لیے ہمیں مسیح کی ضرورت ہے، وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ ہمیں مسیح سے قوت چاہیے مگر وہ قانونی شریعت کو چھوڑ نہیں سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اچھے اور بُرے میں فرق کرنے کے لیے ہمارے پاس شریعت ہونی چاہیے اور اُس شریعت پر عمل کرنا چاہیے اور اِس پر عمل کرنے کے لیے ہمیں مسیح سے مدد بھی مانگنی چاہیے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ خدا نے ہمیں اپنے بیٹے کی زندگی مہیا کر دی ہے! ایسی نجات کے لیے خدا کی تمجید ہو! اُس نے ہمیں اپنا حصہ بنا لیا ہے اور یوں اپنے رُوح کی بدولت اُس نے ہم میں اپنی فطرت ڈال دی ہے۔ پس اب ہم شریعت کے بغیر ہی راستباز ہیں (رومیوں 3:21)... ایسا قانونی شریعت یا دس احکام کے بغیر ہوتا ہے۔

زندگی کے رُوح کی شریعت یعنی راستبازی کی فطری شریعت ہماری زندگیوں کو نیک کاموں اور محبت اور قانونی شریعت کے بغیر مسیح کی خودایثاری سے معمور کر دیتی ہے۔ ایسی راستبازی دس احکام کی قانونی شریعت کی مخالف نہیں ہوتی کیونکہ احکام راست ہیں۔ مگر یہ احکام ماننے یا نہ ماننے پر منحصر نہیں ہوتی۔ دس احکام کی بدولت اب بھی یہ جاننے میں مدد ملتی ہے کہ کیا اُس شخص میں خدا کی رُوح ہے یا نہیں ہے۔ یہ اب بھی گنہگاروں کو اُستاد کی حیثیت سے مسیح کے پاس لاتے ہیں مگر یہ مسیحی زندگیوں میں راج نہیں کرتے۔ مسیحی لوگ اب ایسے نظام کے تحت ہیں جو ان دس قوانین سے بڑھ کر ہے یعنی ایسی شریعت جو پتھر کی لوحوں پر تحریر کردہ شریعت سے زیادہ اہم ہے کیونکہ اس میں خدا کے رُوح کی

حکمرانی ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل آیات میں اِسی سچائی کو بیان کیا گیا ہے:

''اور جب تو دہنی یا بائیں طرف مُڑے تو تیرے کان تیرے پیچھے سے یہ آواز سُنیں گے کہ راہ یہی ہے اِس پر چل'' (یسعیاہ 21:30)

''لیکن رُوحانی شخص سب باتوں کو پرکھ لیتا ہے مگر خُود کسی سے پرکھا نہیں جاتا۔ خُداوند کی عقل کو کِس نے جانا کہ اُس کو تعلیم دے سکے؟ مگر ہم میں مسیح کی عقل ہے'' (1 کرنتھیوں 2:15-16)

''اور تُمہارا وہ مسح جو اُس کی طرف سے کِیا گیا تُم میں قائم رہتا ہے اور تُم اِس کے محتاج نہیں کہ کوئی تمہیں سِکھائے بلکہ جس طرح وہ مسح جو اُس کی طرف سے کِیا گیا تُمہیں سب باتیں سِکھاتا ہے اور اور سچا ہے اور جھُوٹا نہیں اور جس طرح اُس نے تُمہیں سِکھایا اُسی طرح تُم اُس میں قائم رہتے ہو'' (1 یوحنا 2:27)

یہ بڑی حیران کُن آیات ہیں۔ ان آیات کو حیرت انگیز سمجھا جاتا ہے۔ اِن کا بغور مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اِن میں کیا کہا جا رہا ہے۔ مسیح شخصی طور پر مسیحیوں کی رہنمائی کرتا ہے اور اِن سے قریبی رابطہ رکھتا ہے۔ مسیحیوں کو نہ صرف مسیح کا مزاج حاصل ہوتا ہے بلکہ خدا کے رُوح القدس سے رہنمائی بھی ملتی ہے۔ یہ بات احکام کے ذریعے راستبازی حاصل کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ احکام میں انسان کو باہر سے ملنے والی ہدایات کا جواب دینا پڑتا ہے۔ مسیحی نظام میں انسان (اپنے اندر مسیح ہونے کی وجہ سے) نئی فطرت رکھتے ہوئے اپنی مرضی سے نیکی کرتا ہے۔

راستبازی بذریعہ ایمان کا یہی حقیقی پیغام ہے۔ اس یہ سمجھا جاتا ہے کہ راستباز زندگی مکمل طور پر خدا کا تحفہ ہوتی ہے۔ یہ اُنہیں ملتی ہے جو یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں اور خود کو مکمل طور پر اُس کے سپرد کرتے ہیں۔

جو لوگ شریعت کو خصوصی اہمیت دیتے ہیں وہ یہ بات تسلیم نہیں کر سکتے کہ راستبازی مکمل اور موزوں طور پر بطورِ تحفہ ملتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ راستباز بننے کے لیے ہمیں شریعت کے حوالے سے اپنا کردار ادا کرنا اور اِسے ماننا چاہیے۔ اِسی وجہ سے وہ یہ اصرار کرتے ہیں کہ ہم پر شریعت کا راج ہونا چاہیے۔ لیکن مسیح کی بدولت خدا کی طرف سے نجات مفت تحفے کے طور پر ملتی ہے۔ یہ سو فیصد خدا کی طرف سے بطورِ تحفہ ہی ملتی ہے۔ ہمیں صرف مسیح پر ایمان یا بھروسہ رکھنا چاہیے۔ تب وہ تحفہ ہمیں مل جائے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر انسان کو اپنی طرف سے کچھ کرنا پڑتا اور پھر اس میں مسیح کا کام شامل نہ ہوتا اور نہ ہی اس میں فضل شامل ہوتا۔

کاش کہ ہمارا آسمانی باپ ہماری مدد فرمائے تاکہ ہم اِس بات کو سمجھ سکیں۔

باب نمبر 19

نیک و بد کا علم

عالمگیر سطح پر یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ علم اچھی چیز ہے۔ ہم میں سے زیادہ تر لوگ یہ کہیں گے کہ علم اس وجہ سے اچھی چیز ہے کیونکہ اس کی بدولت ہم اپنے اردگرد کے ماحول کو مناسب طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے ذریعے ہم زندگی کے حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ علم حاصل کرنے کے لیے ہم بچپن میں سکول جایا کرتے تھے تاکہ جب ہم بڑے ہو جائیں گے اور زندگی کے حالات کا سامنا کریں گے تو ہم اُن حالات کا بہتر انداز میں مقابلہ کر سکیں۔

مفید علم

اپنے دشمن کا علم ہونا بے حد ضروری علم ہے اور خصوصاً جنگ کے حالات میں تو یہ علم انتہائی ضروری ہوتا ہے۔ یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ جاسوسی کرنے والا سب سے خطرناک دشمن ہوتا ہے! اگر کسی دشمن کا سپاہی پکڑا جائے تو عموماً اُسے قید کر دیا جاتا ہے مگر جاسوس کو عموماً پھانسی دے دی جاتی ہے۔ جاسوس سے اس وجہ سے نفرت کی جاتی ہے اور اُسے گھٹیا سمجھا جاتا ہے کیونکہ وہ عام دشمن کی نسبت زیادہ نقصان پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ دشمن سب سے خطرناک ہوتا ہے جو ہمارے اندر رہتا ہے اور ہم اُس سے لاعلم ہوتے ہیں! ہمیں اِسی دشمن کے بارے میں جاننے کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے دشمن کو نہ جانا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

ہم میں سے بہت سے لوگوں نے ککو نامی پرندے کے بارے میں سُنا ہوگا۔ ککو بڑا عجیب سا پرندہ ہے کیونکہ یہ اپنا گھونسلا نہیں بناتا۔ جب اِس نے انڈہ دینا ہوتا ہے تو یہ کسی دوسرے پرندے کے گھونسلے میں جا کر انڈہ دے دیتا ہے اور پھر اُسے وہیں رہنے دیتا ہے اور وہاں سے اُڑ جاتا ہے! اگر اُسے کسی گھونسلے میں دو انڈے پڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں تو وہاں پر یہ بھی انڈہ دے دیتا ہے۔ جب وہ پرندہ واپس آتا ہے جس کا یہ گھونسلا ہے تو گھونسلے میں تین انڈے پڑے ہوتے ہیں لیکن پرندوں کو گنتی کرنی نہیں آتی۔ مادہ پرندہ یہ ضرور جانتا ہے کہ اِس کے گھونسلے میں انڈے ہیں اور جب وہ واپس آتی ہے اور گھونسلے میں انڈے پڑے ہوئے دیکھتی ہے تو وہ سمجھتی ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ وہ اپنے پر پھیلائے ہوئے اِن انڈوں پر بیٹھ جاتی ہے۔ بالآخر ان سارے انڈوں سے بچے نکل آتے ہیں اور چونکہ ککو کا

بچہ دوسرے بچوں سے زیادہ بڑا ہوتا ہے اس لیے جب اِن بچوں کے والدین اِنہیں چوغہ کھلاتے ہیں تو وہ اپنا سر دوسرے بچوں سے اونچا کرتا ہے اور زیادہ تر کھانا خود ہی کھالیتا ہے۔ پھر دوسرے بچے بھوکے رہتے ہیں۔ جب ککو تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے تو وہ دوسرے بچوں کو گھونسلے سے نیچے گرا دیتا ہے اور پھر وہ گھونسلے میں اکیلا ہی رہ جاتا ہے۔ جب تک ککو بڑا ہو کر اُڑ نہیں جاتا والدین پرندے اِس ککو کو چوغہ دیتے رہتے ہیں اور بعد میں وہاں پر کوئی اور ککو آجاتا ہے اور یوں دھوکے اور تباہی کا یہ سلسلہ جاری وساری رہتا ہے۔

جس پرندے کو اُنہوں نے کھانا کھلایا ہوتا ہے، جس کی پرورش اور حفاظت کی ہوتی ہے وہی اِن کے بچوں کو مار دیتا ہے۔ اُن کے اپنے گھونسلے میں ایک دشمن بیٹھا ہوتا ہے اور وہ اس وجہ سے اُسے کھلاتے ہیں اور اُس کی پرورش کرتے ہیں کیونکہ وہ حقیقت سے مکمل طور پر بے خبر ہوتے ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں یہ جاننا چاہیے کہ ہمارا اصل دشمن کون ہے۔

شاید ہم میں سے کچھ لوگوں نے ایگناز سمیل ویس کے بارے میں سُنا ہوگا۔ وہ ہنگری کی ایک ڈاکٹر تھی اور 1818 میں پیدا ہوئی تھی۔ اُس زمانے میں جن عورتوں سے ہسپتال میں بچے پیدا ہوئے تھے اُن میں تقریباً 10 فیصد عورتیں زچگی کے بعد درپیش پیچیدگیوں کی وجہ سے مر جاتی تھیں۔ اِسے معمول کی بات سمجھا جاتا تھا اور اِس بات کو اتنی اہمیت بھی نہیں دی جاتی تھی بلکہ اِسے دورانِ زچگی درپیش خطرہ ہی سمجھا جاتا تھا۔ مگر ایگناز سمیل ویس نے کچھ عجیب سا محسوس کیا۔ وہاں پر کچھ عورتیں دائیوں کے ذریعے بچوں کو جنم دے رہی تھیں جبکہ کچھ عورتیں ہسپتال میں بچوں کو جنم دے رہی تھیں۔ اُس نے غور کیا کہ دائیوں کے ذریعے بچوں کو جنم دینے والی عورتوں میں سے تقریباً دو فیصد عورتیں مرتی ہیں جب کہ ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کے ذریعے بچوں کو جنم دینے والی عورتوں میں سے دس فیصد مر جاتی ہیں۔

ایک دن جب ایگناز سمیل ویس اپنے ساتھی ڈاکٹروں کے ساتھ مل کر کسی مردہ لاش کا پوسٹ مارٹم کر رہی تھی تو ایک ڈاکٹر کی اُنگلی پر کٹ لگ گیا اور وہ ڈاکٹر بیمار ہو گیا اور بالآخر وہ مر گیا۔ ایگناز سمیل ویس نے غور کیا کہ جس مرض کی وجہ سے یہ ڈاکٹر مرا تھا بالکل اُسی مرض کی وجہ سے وہ عورت مر گئی جس نے ہسپتال میں ایک بچے کو جنم دیا تھا۔ جب اُس نے غور کیا کہ ایسا کیوں ہوا ہے تو اُس نے سوچا یہ سارے ڈاکٹر مردہ لاشوں کا پوسٹ مارٹم کر کے ویسے ہی گندے ہاتھوں کے ساتھ اُن عورتوں کا معائنہ کرنے کے لیے چلے جاتے جو زچگی کے مرحلے سے گزر چکی ہوتیں۔ کیا وہ ڈاکٹر اُن عورتوں کو قتل کر رہے تھے؟

ایگناز سمیل ویس نے کاربولک سلوشن کا انتظام کیا اور اپنے ڈیپارٹمنٹ یہ قانون بنا دیا کہ مریض کا معائنہ کرنے سے پہلے ہر ڈاکٹر اپنے ہاتھ اچھی سے اُس سلوشن سے دھوئے گا۔ اُس کے ڈیپارٹمنٹ میں شرح اموات میں حیرت انگیز حد تک کمی ہوگئی! یہ شرح اموات تقریباً صفر تک آ گئی! حیران کُن بات یہ تھی کہ جب ہسپتال کے دوسرے ڈاکٹروں کو اس بات کا علم ہوا تو اُنہوں نے اِس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور سوچا کہ ہر بار اپنے ہاتھ دھونا ضروری نہیں ہے۔ کافی سالوں پہلے زندگی بچانے والا یہ کام کیا گیا اور ایگناز سمیل ویس سے پہلے یہ کام کسی نے بھی نہیں کیا تھا۔

ہر کوئی یہی سوچتا تھا کہ زچگی ماؤں کو قتل کر رہی ہے مگر حقیقت میں دشمن کوئی اور ہی تھا۔ جنہیں ماؤں کا بہترین دوست سمجھا جاتا تھا حقیقت وہی موت کا سبب بن رہے تھے۔ لاعلمی کی وجہ سے شرح اموات بلند تھیں کیونکہ لاعلمی کی اصلیت یہی ہے۔ علم بہت ضروری ہے۔

قابلِ اعتراض علم

لیکن آیئے اب مختلف تناظر میں علم کا جائزہ لیتے ہیں، اب ہم اِس کی اہمیت کو فرق انداز میں سمجھ سکیں گے۔ بائبل مقدس ہمیں بتاتی ہے کہ اس دُنیا کے آغاز میں حوا سے مختلف قسم کے علم کا وعدہ کیا گیا تھا۔ پیدائش 5:3 میں ہم دیکھتے ہیں کہ شیطان حوا سے مخاطب ہوتا ہے اور اُسے یوں کہتا ہے:

''بلکہ خدا جانتا ہے کہ جس دِن تُم اُسے کھاؤ گے تُمہاری آنکھیں کھل جائیں گی اور تُم خُدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جاؤ گے'' (پیدائش 5:3)

خدا نے باغ کے درمیان میں ایک درخت لگایا جسے ''نیک و بد کی پہچان کا درخت'' کہا جاتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس درخت کا تعلق کسی خاص قسم کے علم سے تھا اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ علم تو اچھی چیز ہے یعنی لوگ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ خدا نے آدم اور حوا کو بتایا تھا کہ ''اگر تُم اُس درخت کا پھل کھاؤ گے تو تُم مر جاؤ گے'' مگر اب شیطان حوا کو یوں کہہ رہا ہے کہ ''خدا نے جو کچھ کہا ہے وہ دُرست نہیں ہے۔ خدا جانتا ہے کہ جس روز تُم اُس پھل کو کھاؤ گے تُم خدا کی مانند نیک و بد کی پہچان کرنے والے بن جاؤ گے۔''

کیا شیطان نے سچ بولا تھا؟

مَیں آپ سے یہ سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا شیطان نے سچ بولا تھا؟ کیا اُس روز اُنہیں نیک و بد کا علم حاصل ہو گیا تھا؟ اس کا جواب ہے، جی ہاں! جب شیطان نے اُنہیں کہا کہ وہ نیک و بد کی ''پہچان'' حاصل کر لیں گے تو

اُس نے اُنہیں سچ کہا مگر بعض اوقات ہم سچائی کو بھی اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ یہ جھوٹ بن جاتی ہے کیونکہ ہم محض آدھا سچ بتاتے ہیں۔ جو کچھ ہم کہہ رہے ہوتے ہیں اُس کی موزوں وضاحت نہیں کرتے اور یوں ہم سچ کو آدھا سچ بنا دیتے ہیں یعنی ہم اِسے خطرناک، واضح جھوٹ بنا دیتے ہیں یا شاید یہ اس سے بھی زیادہ خطرناک بن جاتا ہے۔ عموماً جب ہم آدھے سچ کو ہی مان لیتے ہیں تو ہم اس بات کو سمجھ نہیں پاتے کہ دراصل ہم کس مسئلے میں پھنس جائیں گے۔

جاننے کا کیا مطلب ہے؟

نیک و بد کی پہچان کے حوالے سے مکمل سچائی کیا تھی؟ وہ کونسی سچائی تھی جس کی شیطان نے مکمل وضاحت ہی نہیں کی تھی؟ پیدایش 2:25 میں یوں لکھا ہے،

''اور آدم اور اُس کی بیوی دونوں ننگے تھے اور شرماتے نہ تھے'' (پیدایش 2:25)

بائبل مقدس یہ بالکل نہیں کہتی کہ اُنہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ ننگے ہیں بلکہ بتایا گیا ہے کہ وہ جانتے تھے کہ ننگے ہیں مگر شرماتے نہ تھے۔ یہ مانا جاتا ہے کہ وہ پہلے سے یہ جانتے تھے کہ بے لباس ہیں مگر اِس بات سے اُنہیں کسی قسم کی شرمندگی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ میرے دوست اور ساتھ کام کرنے والے ہاورڈ کی ڈھائی سال کی ایک بیٹی ہے جس کا نام کے کے ہے۔ ایک دن مَیں اُن کے گھر گیا اور وہ بیٹی یوں کہتے ہوئے مجھے ملی ''انکل ڈیوڈ، مَیں لڑکی ہوں اور لوکی لڑکا ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں؟'' مَیں نے اُسے کہا ''ہاں بیٹی مَیں جانتا ہوں!'' وہ بھی ننگے پن کو جانتی تھی مگر وہ ننگے پن کے اثرات سے لاعلم تھی۔

آدم اور حوا کا بھی یہی حال تھا۔ بائبل مقدس فرماتی ہے کہ وہ دونوں ننگے تھے مگر وہ شرماتے نہ تھے۔ ننگے پن کا مطلب اُن کے پاس کچھ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُنہوں نے کپڑے بھی نہیں پہنے تھے اور اس بات سے اِنہیں کسی قسم کی پریشانی بھی نہیں تھی۔ پیدایش 3:7 میں یوں مرقوم ہے،

''تب دونوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اُن کو معلوم ہوا کہ وہ ننگے ہیں اور اُنہوں نے انجیر کے پتوں کو سی کر اپنے لئے لُنگیاں بنائیں'' (پیدایش 3:7)

اگر ہم جزوی طور پر اس حوالے کا مطالعہ کرتے ہیں تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ پھر فوری طور پر اُنہیں یہ علم ہوا کہ وہ ننگے ہیں مگر اس کا یہ مطلب بالکل نہیں بنتا کہ اس سے پہلے اُنہیں پتہ ہی نہ تھا کہ وہ ننگے ہیں۔ بائبل مقدس فرماتی ہے کہ وہ پہلے ہی جانتے تھے! یوں کہا جاتا ہے کہ یہاں پر ''جاننے'' کا مطلب محض کسی قسم کی معلومات رکھنے سے بالکل

مختلف ہے۔ اُنہیں محض عام معلومات حاصل نہ ہوئی بلکہ اُنہیں گہرا علم حاصل ہوا۔ اِس علم کی وجہ سے اُن کی سوچ ہی تبدیل ہوگئی؛ یہ ایسی آگاہی تھی جس کی وجہ سے اُن کا اپنے بارے میں سوچ ہی تبدیل ہوگئی تھی۔ اِسی لیے تو خدا 11ویں آیت میں اُن سے یہ پوچھتا ہے،

''تُجھے کس نے بتایا کہ تُو ننگا ہے؟'' (پیدایش 11:3)

اگر آپ نے کپڑے نہ پہنے تو کیا یہ بات آپ کو کوئی دوسرا بتائے گا؟ مسئلہ یہ نہیں تھا کہ اچانک سے اُنہیں یہ پتا چلا تھا کہ اُنہوں نے کپڑے نہیں پہنے۔ بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ اُن کے بے لباس ہونے کی حقیقت اُن کے لیے بہانہ بن گئی اور اُنہوں نے خدا سے چھپنا شروع کر دیا جبکہ پہلے تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اُن کے ننگے پن کے اثرات مختلف ہو گئے۔ پھر فوری طور پر وہ ننگے پن کے مطلب کو جاننے لگے۔ جو بات اُن کے لیے اچھی اور معصومانہ تھی اچانک سے وہ اُن کے لیے شرمندگی کا سبب بن گئی۔ پھر اُنہوں نے سوچا کہ اب خدا کے آنے کا وقت بھی ہو رہا ہے اور اس حالت میں وہ خدا کا سامنا ہی نہیں کر سکیں گے۔ ننگا پن اُن کی نظریاتی سوچ، حقائق کا علم ہی نہ بنا بلکہ ایسا تجربہ بن گیا جو شرمندگی کا سبب بن گیا۔

چند سالوں بعد جب کے کے (ہاورڈ کی چھوٹی بیٹی) بڑی ہو جائے گی تو وہ ننگے پن کی شرمندگی کو بہتر طور پر سمجھنے لگ جائے گی۔ تب اُس کی نظر میں شرمندگی کا الگ مطلب ہوگا۔ کچھ سالوں بعد بچے یہ کہتے ہوئے الگ جگہ میں جا کر کپڑے بدلتے ہیں اور کہتے ہیں مَیں کسی کے سامنے کپڑے نہیں تبدیل کروں گا۔ چند سالوں بعد وہ بیٹی بھی اپنے ماں باپ کے سامنے بھی کپڑے تبدیل نہ کرے گی۔ تب اُسے ننگے پن کا احساس ہوگا اور تب وہ محض ننگے پن کے لفظ کے مطلب کو جاننے کی بجائے اس کے اثرات کو جان سکے گی۔ کسی چیز کو جاننے کے لیے محض اُس کی وضاحت کرنے کے لائق ہونا ہی کافی نہیں ہوتا۔ یہی اہم بات ہے۔ آدم اور حوا کو ننگے پن کا پہلے بھی علم تھا لیکن جب تک اُنہوں نے گناہ کا تجربہ نہ کیا اُنہیں ننگے پن کے ساتھ جڑی ہوئی شرمندگی کا پتہ نہ چلا۔

جب ہم ممنوعہ درخت کے نام پر غور کرتے ہیں تو آیئے اس خیال کو دھیان میں رکھیں۔ بائبل مقدس میں اُسے ''نیک و بد کی پہچان کا درخت'' کہا گیا اور شیطان نے کہا ''جونہی تُم اِس درخت میں سے کھاؤ گے تو تُم بھی خدا کی مانند نیک و بد میں پہچان کرنے والے بن جاؤ گے۔''

اب اس سوال پر غور کریں: کیا آدم اور حوا بدی کے بارے میں جانتے تھے؟ میرا یہ ماننا ہے کہ وہ جانتے تھے۔ خدا نے اُنہیں بتا دیا تھا کہ جس روز تُم اُس پھل میں سے کھاؤ گے تو مرو گے۔ لہٰذا وہ اچھے اور بُرے میں فرق کرنا

جانتے تھے اور وہ موت سے بھی آگاہ تھے۔ اُنہیں پتا تھا کہ کوئی چیز ہے جسے ''بدی'' کہتے ہیں اور شاید اُنہیں اِس کی وضاحت بھی بتائی گئی ہو۔ وہ جانتے تھے کہ کونسے کام کرنے کی وجہ سے وہ خدا کے دشمن بن جائیں گے مگر اُنہوں نے شخصی طور پر اِسے نہ سمجھا۔

جب اُنہوں نے اُس پھل میں سے لیا تو وہ کچھ ایسا جاننے لگے جو وہ پہلے کبھی نہیں جانتے تھے۔ وہ بالکل نئی اور حیرت انگیز بات تھی کیونکہ جو اُن کا بہترین دوست تھا وہی اُن کی نظر میں اُن کا بدترین دشمن بن گیا۔ جب خدا اُن کے پاس آتا ہے، یعنی وہ خدا جس نے اُنہیں کبھی بھی کچھ نہیں کہا تھا، جس نے کبھی بھی اُنہیں ڈانٹا نہیں تھا اور جسے وہ ہمیشہ اچھا ہی سمجھتے تھے اُنہوں نے اُسی سے چھپنا شروع کر دیا! اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ خدا کے ساتھ کچھ ہوا تھا بلکہ اِن کے اپنے ساتھ کچھ ہوا تھا۔ اب اُنہوں نے بُرائی کو جان لیا اور بدی کے علم کا ہم پر یہی اثر پڑتا ہے۔

لفظ ''جاننا'' کا مطلب محض کسی بات کی وضاحت کرنے سے بڑھ کر ہے اور یہ لفظ بائبل مقدس میں عموماً پایا جاتا ہے۔ مثلاً پیدایش 4:1 میں یوں لکھا ہے،

''اور آدم اپنی بیوی حوا کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہُوئی اور اُس کے قائن پیدا ہُوا۔ تب اُس نے کہا مُجھے خُداوند سے ایک مرد مِلا'' (پیدایش 4:1)

غور کریں کہ یہاں پر اس لفظ کا استعمال کیسے ہوا ہے یعنی آدم نے اپنی بیوی کو جانا۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اُس نے محض اُسے جانا یا یہ دیکھا کہ وہ کیسی شخصیت کی مالک ہے۔ بلکہ اس میں آدم اور اُسکی بیوی کے مابین پائے جانے والے قریبی اور باہمی تعلق کی بات ہو رہی ہے جسے بائبل مقدس میں ''ایک تن'' ہونے کے طور پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ جب اُس نے اپنی بیوی کو جانا تو اِس کے نتیجے میں اُس کی بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لفظ یسوع کی ماں مریم کے بارے میں بھی اِسی طریقے سے استعمال ہوا ہے۔ جب فرشتہ اُسکے پاس آیا اور اُسے کہا ''تیرے بیٹا ہوگا۔ اُس کا نام یسوع رکھنا'' تو مریم نے یوں جواب دیا ''یہ کیوں کر ہوگا جبکہ میں مرد کو نہیں جانتی؟'' (لوقا 1:34)

پس جب بائبل مقدس میں یہ کہا جاتا ہے کہ آدم اور حوا نے بدی کو جان لیا تو اس یہ مطلب ہے کہ اُنہیں بدی کا تجربہ ہو چکا تھا۔ شیطان نے اُنہیں پورا سچ نہیں بتایا تھا۔ اُس نے اُنہیں یہ بتایا تھا کہ وہ خدا کی مانند نیک و بد کے جاننے والے بن جائیں گے کیونکہ شیطان اور خدا کے فرشتوں کے علاوہ صرف خدا ہی ایسی ہستی تھا جو گناہ سے واقف

تھا۔مگر صرف خدا ہی ایسی ہستی تھا جو گناہ کے غلبے میں آئے بغیر ہی اِسے جانتا تھا کیونکہ وہ تو خدا ہے۔وہ جانتا تھا کہ گناہ کو جاننے کا کیا مطلب ہوگا۔مگر وہ گناہ کے غلبے میں آ کر اور اِسے اپنی بانہوں میں اُٹھا کر ہی بدی کو جان سکتے تھے۔ جیسے میاں بیوی ایک ہوتے ہیں اِسی طرح وہ بھی گناہ کے ساتھ ایک ہو گئے۔جب اُنہیں بدی کا علم حاصل ہوا تب آدم اور حوا کو پتا چلا کہ شیطان نے تو اُنہیں ورغلا لیا ہے اور شیطان نے اُنہیں پوری سچائی نہیں بتائی تھی مگر اُس وقت تو بہت دیر ہو چکی تھی!

ایک موقع دیا گیا

یہ بات بڑی دلچسپ ہے کہ دراصل اُس درخت میں یا اُس کے پھل میں کوئی خرابی نہ تھی۔یہ تو باغ کے باقی درختوں جیسا ہی تھا۔ بلکہ اصل مسئلہ یہ تھا کہ خدا نے اُنہیں اس درخت کا پھل کھانے سے منع کرتے ہوئے ایک شریعت دی تھی۔ہم اپنی کوئی چیز کسی دوسرے کو دینے سے انکار اس وجہ سے کرتے ہیں کیونکہ ہمیں اُس چیز کی خود ضرورت ہوتی ہے۔لیکن جب خدا نے وہاں وہ درخت لگایا اور یہ کہا کہ ''اس درخت کا پھل نہ کھانا'' تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا کو اِس کی ضرورت تھی؟ وہ تو ایسے ہزاروں درخت پیدا کر سکتا تھا! اگر خدا کو اِس کی ضرورت نہیں تھی تو پھر وہاں پر یہ درخت لگا کر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ''اِس درخت کو نہ چھونا''؟ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو بلا جواز قانون تھا۔اگر کوئی چیز موجود ہے جس کی آپ کو ضرورت ہی نہیں ہے تو پھر اُس سے منع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اصل مسئلہ درخت نہیں تھا بلکہ خدا نے اُنہیں اس وجہ سے یہ حکم دیا تھا تا کہ اُنہیں گناہ کرنے کا چناؤ کرنے کا حق مل جائے۔اگر مَیں یہ کہوں کہ خدا نے اُنہیں نیکی اور بدی کا انتخاب کرنے کا موقع مہیا کیا تھا تو کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ تو حقیقت نہیں ہے کیونکہ خدا نے انسان کو نیکی کرنے کا چناؤ دیا ہی نہیں۔ جب آدم کو خلق کیا گیا تو وہ کامل تھا! اُسے خدا کی شبیہ پر خلق کیا گیا، انسان نے خود اس کا چناؤ نہ کیا بلکہ خدا نے اُسے ایسا خلق کیا تھا۔خدا نے اُنہیں صرف بدی کا انتخاب کرنے کا موقع مہیا کیا تھا کیونکہ وہ تو پہلے ہی نیک تھے۔اُن میں بدی نہیں تھی اور خدا نے اُنہیں اِس میں انتخاب کرنے کا موقع دے دیا۔

خدا نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سوال ہمیں خدا اور شیطان کے مابین ہونے والی عظیم کشمکش کی طرف لے جاتا ہے۔آسمان پر شیطان نے خدا سے یہ کہا تھا'' آپ اپنی مخلوق کو مرضی کا چناؤ کرنے کا موقع نہیں دے رہے۔آپ ہمیشہ ایسا ہی کیوں سوچتے ہیں کہ آپ کا طریقہ کار ہی بہترین ہے؟ مَیں نے ایک نظام مرتب کیا ہے اور یہ انسان کے لیے

زیادہ موزوں ہوگا اور وہ اِس میں زیادہ خوش ہوں گے۔ اگر آپ انصاف پسند ہیں تو پھر آپ لوگوں کو اُن کی مرضی کرنے کا موقع دیں۔''

پس خدا نے اُنہیں گناہ کے حوالے سے چناؤ کرنے کا حق دے دیا۔ وہ درخت تو باقی تمام درختوں کی مانند تھا بلکہ وہ تو گناہ کا انتخاب کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ مگر خدا نے اُنہیں واضح طور پر خبردار کر دیا تھا کہ ''اُس درخت کے پاس مت جانا کیونکہ اُس درخت میں گناہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ جب تُم اُس درخت کے پاس جاؤ گے تو تُم سے گناہ ہوسکتا ہے مگر یاد رکھو صرف وہی خطرناک جگہ ہے۔'' جی ہاں، ضروری نہیں کہ وہ درخت ہی ہوتا۔ خدا وہاں پر کوئی پتھر بھی رکھ سکتا تھا اور یہ کہہ سکتا تھا کہ ''یہ نیک و بد کی پہچان کا پتھر'' ہے اور اس بارے میں یہ ہدایات جاری کر سکتا تھا کہ اِس پتھر کو مت چھونا۔ پس ہمیں اُس درخت پر الزام تراشی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ اُس درخت میں کوئی خرابی نہیں تھی۔ یہ خدا کا حکم ہی تھا جس نے اُنہیں گناہ کرنے کا موقع مہیا کیا تھا۔ اگر خدا نے یہ قانون نہ بنایا ہوتا تو ہزاروں سالوں تک اُس درخت کا پھل کھانے کے بعد بھی کچھ نہ ہوتا۔ وہ قانون ہی تھا جس نے اُنہیں گناہ کو جاننے کا موقع مہیا کیا!

لیکن خدا یہ چاہتا تھا کہ وہ بدی کو جانیں؟ جی نہیں! اُنہیں تو کبھی بھی بدی کو نہیں جاننا چاہیے تھا اور پھر ہمیشہ تک سب کچھ کامل ہی رہتا۔ مگر یہ بھی ضروری تھا کہ اُنہیں انتخاب کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ یہ ضروری تھا کہ اُنہیں موقع دیا جائے یا انتخاب کرنے یعنی شیطان کے رستے کا انتخاب کرنے کا موقع دیا جائے کیونکہ خدا ایسا خدا ہے جو آزادی پر ایمان رکھتا ہے۔

گناہ کا علم

رومیوں 3:20 میں یوں بتایا گیا ہے:

''کیونکہ شریعت کے اعمال سے کوئی بشر اُس کے حضور راست باز نہیں ٹھہرے گا۔ اس لئے کہ شریعت کے وسیلہ سے تو گناہ کی پہچان ہی ہوتی ہے''۔

رومیوں 7:7 میں بھی بنیادی طور پر یہی بات بتائی جاتی ہے:

''پس ہم کیا کہیں؟ کیا شریعت گناہ ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ بغیر شریعت کے مَیں گناہ کو نہ پہچانتا مثلاً اگر شریعت یہ نہ کہتی کہ تُو لالچ نہ کر تو مَیں لالچ کو نہ جانتا۔''

زندگی بھر مَیں اِن آیات سے یہی بات سمجھتا رہا کہ شریعت کے ذریعے ہمیں گناہ کی پہچان حاصل ہوتی

ہے۔ان آیات کے بارے میں عموماً یہی سمجھا جاتا ہے۔کیا واقعی پولس ایسا کہہ رہا ہے؟

پولس کہتا ہے ''بغیر شریعت کے مَیں گناہ کو نہ پہچانتا''۔اب اس بات کے دو ممکنہ مطلب ہو سکتے ہیں۔جیسے کہ مَیں نے بتایا تھا کہ بائبل مقدس میں ''جاننا'' کا لفظ دو طریقوں سے استعمال ہوا ہے۔ایک طریقہ یہ ہے کہ اِسے علم رکھنے کے بارے میں استعمال کیا جائے (مثلاً کسی چیز کی وضاحت یا ذہنی ادراک)۔جبکہ دوسرا طریقہ ہے کہ کسی کے شخصی تعلق کو بیان کرنا، جس میں شخصی قربت شامل ہوتی ہے یعنی جو کسی انسان کے تجربے کا حصہ بن جائے۔لفظ ''جاننا'' کو ان دو طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے اور بائبل مقدس میں عموماً دوسرا طریقہ استعمال ہوا ہے۔اکثر اوقات جب بائبل مقدس کسی چیز کو جاننے کی بات کرتی ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں کسی بات کی وضاحت دے رہی ہے جبکہ ایسا تو بالکل بھی نہیں ہے۔

اب پولس یہ کہتا ہے کہ ''بغیر شریعت کے مَیں گناہ کو نہ پہچانتا'' اور جب ہم رومیوں 7 کے حوالے کو مزید پڑھتے ہیں تو ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ دراصل وہ یہ بتا رہا ہے کہ اُسے کسی چیز کا شخصی اور قریبی طور پر پتا چلا ہے اور اب اُسے اِس بات کا تجربہ بھی مل گیا ہے۔اُس نے کیا جانا تھا؟ اُس نے اپنے تجربے سے کیا جانا؟ اُس نے اپنے تجربے سے گناہ کو جانا!

''کیونکہ میں جانتا ہُوں کہ مجھ میں یعنی میرے جسم میں کوئی نیکی بسی ہوئی نہیں البتہ اِرادہ تو مجھ میں موجود ہے مگر نیک کام مجھ سے بن نہیں پڑتے چنانچہ جس نیکی کا اِرادہ کرتا ہُوں وہ تو نہیں کرتا مگر جس بدی کا اِرادہ نہیں کرتا اُسے کر لیتا ہُوں۔پس اگر میں وہ کرتا ہوں جس کا اِرادہ نہیں کرتا تو اُس کا کرنے والا میں نہ رہا بلکہ گناہ ہے جو مجھ میں بسا ہوا ہے'' (رومیوں 7:18-20)

شریعت کا کام

اُسے کیسے پتا چلا کہ گناہ اُس میں موجود ہے؟ اُسے کیسے پتا چلا کہ اُس کے اندر ایک ایسی قوت ہے جو اُسے لڑنے اور مزاحمت کرنے سے روکتی ہے اور جو اُس سے زیادہ طاقتور ہے؟ وہ کہتا ہے ''بغیر شریعت کے مَیں گناہ کو نہ پہچانتا'' (رومیوں 7:7)؛ ''ایک زمانہ میں شریعت کے بغیر مَیں زِندہ تھا مگر جب حکم آیا تو گناہ زِندہ ہو گیا اور مَیں مر گیا'' (رومیوں 7:9)۔

پولس یہ کہہ رہا تھا کہ ''مَیں خدا کی شریعت کو پسند تو کرتا ہوں مگر میرے اندر ایک ایسی قوت بھی پائی جاتی ہے جو میری مرضی کے خلاف مزاحمت کرتی ہے اور مجھے اس گنہگارانہ قوت کی غلام بنا دیتی ہے جو میرے اندر موجود ہے۔''

خدا کی شریعت ہی تھی جو اُسے اِس بات سے آگاہ کرتی ہے کہ اُس کے اندر گناہ سرگرمِ عمل ہے۔ شریعت کے بغیر وہ گناہ کو نہ پہچانتا کیونکہ وہ کہتا ہے کہ حکم کے بغیر گناہ مُردہ تھا!

پولس کے مطابق شریعت کا بنیادی مقصد ہمیں گناہ سے آگاہ کرنا ہے! شریعت ہی ہمیں بتاتی ہے کہ ہمارے اندر ایک ایسی قوت موجود ہے یعنی ایسا دشمن ہمارے اندر موجود ہے جو ہم سے زیادہ طاقتور ہے اور ہم اپنی قوت سے اِس پر غلبہ نہیں پا سکتے۔

کیا یہی کچھ آدم کے ساتھ بھی نہیں ہوا تھا؟ خدا نے اُسے اس لیے شریعت دی تا کہ اُسے گناہ کی پہچان ہو جائے۔ آدم نے بھی یوں کہا ہوگا ''بغیر شریعت کے مَیں گناہ کو نہ پہچانتا'' (رومیوں 7:7)۔ آدم کو شریعت دی گئی اور آج ہمیں بھی اُسی مقصد کے تحت شریعت دی گئی ہے۔ دونوں قسم کی شریعتوں کا مقصد یہ تھا کہ انسان کو گناہ کے بارے میں جاننے کا موقع مل جائے۔

عمومی غلط فہمی

عام طور پر یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ شریعت کا کام گناہ کی وضاحت کرنا ہے اور یہ بات عموماً پولس کی بیان کردہ اِن باتوں کی وجہ سے کہی جاتی ہے کہ پولس کہتا ہے ''بغیر شریعت کے مَیں گناہ کو نہ پہچانتا''۔ یہاں پر پولس یہ کہہ رہا ہے کہ شریعت کے ذریعے مَیں نے گناہ کو جانا ہے اور مَیں اپنے اندر کے اس دشمن سے آگاہ ہو گیا ہوں۔

شریعت کا طریقہ کار

ہم شریعت کے بغیر گناہ کو کیوں نہیں جان سکتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ گناہ ہمارا پکا دوست اور ساتھی ہے اور گناہ ہمارے بدن کا اہم حصہ بن چکا ہے اس وجہ سے ہم شریعت کے بغیر گناہ کے ساتھ ہی چلتے رہیں گے۔ ہم کبھی بھی اِس کی مخالفت نہیں کریں گے اور ہم اِس کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چلتے رہیں گے کیونکہ ہم اِس کے ساتھ متحد ہیں۔ گناہ کی ایسی فطرت ہے جسے ہم نہیں جانتے۔

جب مَیں کسی شخص کو یہ نصیحت کر رہا تھا کہ تُم اپنی زندگی یسوع کو دے دو تو اُس نے مجھے یہ جواب دیا ''مَیں ابھی تیار نہیں ہوں!'' ایسے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب اُن کی اپنی مرضی ہوگی وہ گناہ کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے اور راستباز زندگی گزارنا شروع کر دیں گے! وہ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اُن میں تبدیلی کی اہلیت موجود ہے اور یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں اُنہوں نے ابھی تک فیصلہ ہی نہیں کیا لیکن جب وہ دن آئے گا تو وہ اپنا رُخ بدل لیں گے اور

مسیحی زندگی گزارنا شروع کردیں گے! ہم ایسے کئی لوگوں سے مل چکے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں اُن کے پاس اپنا رُخ تبدیل کرنے کی صلاحیت موجود ہے مگر وہ اس سچائی کو نہیں جانتے کہ اُن کا ابھی شریعت سے سامنا ہی نہیں ہوا۔ وہ گناہ کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے چل رہیں ہیں۔ وہ آپس میں اچھے دوست ہیں اور وہ یہ سوچتے ہیں کہ ''جب بھی میری مرضی ہوگی مَیں اپنا رُخ تبدیل کر کے دوسری طرف چلنا شروع کر دُوں گا۔''

مگر ایک دن ایسا آتا ہے جب اُن کا سامنا شریعت سے ہوتا ہے۔ اُنہیں پتا چلتا ہے کہ اُن پر تو شریعت کے اُصول لاگو ہوتے ہیں اور پھر وہ درست سمت میں یعنی گناہ سے مُڑنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ زندگی بھر ساتھ رہنے والے ساتھی کو چھوڑ کر مختلف سمت کی طرف مُڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا اُس وقت ہوتا ہے جب وہ گناہ کی حقیقت کو جان جاتے ہیں! اب اُنہیں پتا چلتا ہے کہ اِتنی آسانی سے اِس سے چھٹکارہ نہیں پایا جا سکتا۔ اُنہیں گناہ کے بارے میں وہ بات پتہ چل جاتی ہے جِس سے وہ پہلے لاعلم تھے! بُرا، چور، جھوٹا، دھوکے باز، غلط قسم کا انسان جب ان باتوں کو چھوڑنے کی کوشش کرتا ہے تب اُسے پتا چلتا ہے کہ حقیقت میں گناہ کیا ہے۔ پولس نے ایسا کرنے کی کوشش کی اور وہ ہمیں بتاتا ہے کہ تب اُس کے ساتھ کیا ہوا۔

''غرض میں ایسی شریعت پاتا ہوں کہ جب نیکی کا اِرادہ کرتا ہُوں تو بدی میرے پاس آ موجود ہوتی ہے'' رومیوں 21:7

وہ اپنی مایوسی کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے،

''ہائے میں کیسا کمبخت آدمی ہوں! اِس موت کے بدن سے مُجھے کون چھڑائے گا؟'' (رومیوں 24:7)

جب اُسے شریعت کا تجربہ حاصل ہوا اور اُس نے گناہ کو جان لیا تو اُس کے ساتھ یہی ہوا۔ اُس کی زندگی میں ایک ایسی خطرناک چیز موجود تھی جو اُسے تباہ و برباد کر رہی تھی مگر کافی سالوں تک وہ اِس سے بے خبر ہی رہا۔ اپنی لاعلمی کی وجہ سے وہ اس خطرناک دشمن کے ساتھ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے چلتا رہا۔

پس خدا نے کیا کیا؟ خدا نے اُس کی زندگی میں ایسا تفتیشی عمل شروع کیا جس کے ذریعے اُس کی زندگی کو مکمل طور پر جانچا گیا اور اُس خطرناک چیز جیسے ''گناہ'' کہا جاتا ہے اُس کی تلاش کی جا سکے اور خدا اِسے سامنے لائے۔ بہت جلد پولس کو اس حقیقت کا پتا چل گیا کہ ''میرے اپنے اندر ہی خطرناک جاسوس موجود ہے۔ میرے اندر ایسا دشمن موجود ہے جِسے مَیں اپنا دوست سمجھتا تھا اور مجھے اِس کا پتا ہی نہیں تھا!'' شریعت کے ذریعے ہی اُسے یہ سب کچھ پتہ چلا۔ عبرانیوں 12:4 میں یوں کہا گیا ہے

''کیونکہ خُدا کا کلام زندہ اور مُوثر اور ہر ایک دودھاری تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جان اور رُوح اور بند بند اور گُودے کو جُدا کر کے گذر جاتا ہے اور دِل کے خیالوں اور ارادوں کو جانچتا ہے'' (عبرانیوں 12:4)

خدا کی شریعت کا یہی کام ہے۔ یہ بند بند میں، گُودے گُودے میں، خیالوں اور ارادوں میں سے گزر جاتی ہے اور اُنہیں جُدا کر دیتی ہے اور بھرپور انداز میں اُن کا جائزہ لیتی ہے اور جب ہمارا سامنا خدا کی شریعت کے ساتھ ہوتا ہے تو پھر اچانک سے ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ یہ مرض کتنا موذی ہے اور یہ ہمیں اندرونی طور پر کھائے جا رہا ہے! لیکن اگر ہم شریعت تک ہی رُک جائیں تو پھر ہماری حالت اور بھی بدتر ہو جائے گی یعنی ہم شکست خورد، مجرم اور بے یار و مددگار پڑے رہیں گے کیونکہ شریعت ہمیں اس سے آگے نہیں لے جا سکتی۔ یہ ہمیں گناہ کا تعارف تو کروا سکتی ہے مگر یہ ہمیں اِس سے چھٹکارہ نہیں دلا سکتی۔ شریعت کا یہی مقصد تھا اور شریعت کا یہی مقصد ہے۔ شریعت اُستاد کی مانند ہماری رہنمائی مسیح کی طرف کرتی ہے (گلتیوں 24:3)۔

جو شخص شریعت کو نہیں جانتا وہ اُس شخص سے بہتر ہے جو شریعت تک محدود ہو جاتا ہے کیونکہ جو شخص شریعت کو نہیں جانتا وہ زیادہ خوش گنہگار رہتا ہے مگر جو شخص شریعت تک محدود رہتا ہے وہ قابلِ افسوس حالت میں ہوتا ہے! یہ دونوں گناہ کے غلام رہتے ہیں، لیکن اگر کوئی خود کو شریعت تک محدود رکھ کر مایوس حالت میں پہنچ جائے تو پھر لاعلم ہوتے ہوئے خوشگوار گنہگار زندگی بسر کرنا زیادہ بہتر ہے!

آدم میں پایا جانے والا فرق

شریعت ہمارے لیے کیا کام کرتی ہے اور اِس نے آدم کے لیے کیسے کام کیا اس میں واضح فرق دکھائی دیتا ہے۔ آدم کے معاملے میں، کیا خدا چاہتا تھا کہ آدم گناہ کو جانے؟ ہرگز نہیں! مگر آدم کی گنہگار نسل کے بارے میں خدا چاہتا ہے کہ یہ گناہ کو جانیں! آدم کے معاملے میں گناہ کوئی بیرونی معاملہ تھا! اگر باہر کھڑے دشمن کو آپ جانتے ہی نہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن اگر آپ باہر کھڑے دشمن کے بارے میں جانتے ہیں تو پھر آپ کو غدار سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کو اُس سے دُور ہی رہنا چاہیے اور دشمن کو باہر ہی رہنے دینا چاہیے۔ گناہ باہر ہی تھا اور خدا چاہتا تھا کہ آدم اِس سے لاعلم ہی رہے۔ لیکن جب دشمن اندر آ جاتا ہے تو پھر آپ کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ آپ اُسے جانیں۔ آپ کو اُس کی قوت، اثر و رسوخ کو جاننا چاہیے اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ اُسے اپنا دشمن سمجھیں۔ آپ کو اپنے دشمن کا پتا ہونا چاہیے ورنہ آپ اُس سے خود کو محفوظ نہیں رکھ سکیں گے۔

منفرد قسم کا انتخاب

کچھ مسیحی ایسے بھی ہیں جو یہ ایمان رکھتے ہیں کہ ہمیں اِس دُنیا میں درمیانی مقام حاصل ہے یعنی ہم اپنی مرضی سے دائیں یا بائیں مُڑ سکتے ہیں اور گناہ کرنے یا نہ کرنے کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ مگر ایسا بالکل نہیں ہے۔ آدم کو کامل خلق کیا گیا اور اُس کے پاس بدی کے چناؤ کا حق تھا۔ کیا بقیہ انسانیت کو بھی وہی مقام حاصل ہے؟ جی نہیں! جو چناؤ کا حق آدم کو حاصل تھا وہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ آدم کی ساری نسل خدا کے بغیر یعنی گناہ آلودہ حالت میں ہی پیدا ہوئی ہے اور اِسے نئے سرے سے پیدا ہونے کی ضرورت ہے۔ آدم نے شیطان کے رستے یعنی خودی کے رستے پر چلنے کا چناؤ کیا اور اُس نے ساری انسانیت کو اِسی راستے پر ڈال دیا۔ آدم کے پاس ایک ہی چناؤ تھا یعنی خدا اور اُس راستبازی سے دُور جانے کا چناؤ تھا جو اُسے حاصل تھی۔ ہمارے پاس بھی ایک ہی چناؤ ہے (دو نہیں)۔ ہمارے پاس مسیح کو قبول کر کے شیطان سے دُور جانے کا انتخاب ہے۔ جن حالات میں ہم پیدا ہوئے ہیں ہمارے پاس بدی کا چناؤ کرنے کا حق نہیں ہے۔ آدم نے ہم سب کی جگہ یہ انتخاب پہلے ہی کر لیا ہے اور ہم اِسی گنہگار فطرت، گناہ آلودہ حالت، خدا سے دُوری کی حالت میں پیدا ہوئے ہیں اور ہم میں راستبازی کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

خدا سے دُوری آدم کے گناہ کا سبب نہ بنی اور اس کی وجہ یہ بھی نہ تھی کہ اُس میں نفسانی سوچ تھی۔ آدم نے شخصی طور پر چناؤ کیا۔ آدم خدا کی شبیہ پر خلق کیا گیا۔ مگر باقی انسانیت ایسی نہیں ہے۔ دانستہ طور پر گناہ کرنے کا انتخاب کرنے سے پہلے ہی ہم گناہ کر چکے ہیں۔ گناہ کے بارے میں جاننے سے قبل ہی ہم گناہ کر چکے ہیں۔ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آدم کی طرح انتخاب کیا ہے؟ جی نہیں، آدم کی نسل کے پاس ایسا کوئی چناؤ نہیں تھا۔

پس خدا کے کام شاندار ہیں۔ اُس نے شریعت کے ذریعے آدم کو باہر کھڑے دشمن کے بارے میں جاننے سے روکنے کی کوشش کی۔ مگر آدم نے دروازہ کھول دیا اور اُس دشمن کو اندر بلا لیا، پھر خدا نے اُس دشمن کی شناخت کرنے کے لیے شریعت کو استعمال کیا تا کہ وہ اِس سے نجات پا سکے۔

شریعت تک محدود نہ رہو

اگرچہ شریعت خدا کے منصوبے کا اہم حصہ ہے اس لیے اِسے خدا کے منصوبے میں مناسب مقام حاصل ہونا چاہیے۔ ہمیں یہ ایمان نہیں رکھنا چاہیے کہ شریعت کو حاصل کرنے سے ہی ہم اُس مقام تک پہنچ جاتے ہیں جہاں خدا ہمیں پہنچانا چاہتا ہے! شریعت تفتیش کرنے والا اور معائنہ کرنے والا ہے اور یوں کہتا ہے ''تُم میں کوئی مسئلہ ہے، تُم بیمار

ہو، تُم کمزور ہو!'' مگر شریعت اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ مجرم ٹھہراتا اور الزام لگاتا ہے مگر یہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی اور اِسی لیے تو پولس یہ کہتا ہے،

''ایک زمانہ میں شریعت کے بغیر میں زِندہ تھا مگر جب حُکم آیا تو گُناہ زِندہ ہو گیا اور میں مر گیا'' (رومیوں 9:7)

سب سے اہم علم

آدم کا مسئلہ یہ تھا کہ اُس نے گناہ کو اندر آنے دیا۔ ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اِسے باہر نہیں نکلنے دیتے۔ شریعت کے ذریعے مَیں نے گناہ کو جان لیا مگر جب مَیں نے گناہ کے بارے میں جان لیا تو مجھے ایک اور قدم آگے بڑھنے کی ضرورت ہے۔ یوحنا 3:17 میں یوں لکھا ہے،

''اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسُوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں'' یوحنا 3:17

بائبل مقدس بے وقوف کنواریوں کی مانند ہمیں بھی آگاہی حاصل کرنے کے بارے میں کہتی ہے۔ اس میں ایسے تجربے کی بات کی جا رہی ہے جس میں ہماری زندگیاں مسیح کی زندگی کو ایسے قریب سے جاننا شروع کر دیتی ہیں جیسے میاں بیوی ایک دوسرے کو قریبی طور پر جانتے ہیں۔ مَیں اپنی بیوی کو ایسے جانتا ہوں جیسے کہ ہم دونوں ایک بدن ہیں۔ بائبل مقدس بھی یہی کہتی ہے! اگر میاں بیوی کا آپس میں قریبی تعلق ہوتا ہے تو اُن سے پھل پیدا ہوتا ہے یعنی نئی نسل جنم لیتی ہے۔ جب آپ خدا اور مسیح کو جانتے ہیں تو اس کا بھی پھل پیدا ہوتا ہے اور وہ پھل اُن کے ساتھ متحد ہونے کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔

شریعت ہمیں اُس مقام پر لے جاتی ہے جہاں ہم گناہ کو جاننے لگتے ہیں مگر ہمیں وہیں پر نہیں رُکنا چاہیے! ہمیں علم کے اگلے زینے پر پاؤں رکھنا چاہیے۔ ہمیں خدا اور اُس کے بیٹے یسوع مسیح کو جاننا چاہیے۔ ابدی زندگی کا یہی تو مطلب ہے۔ مسیح آتا ہے اور دشمن کو مار بھگاتا ہے۔ شریعت نے دشمن کی شناخت کی مگر مسیح نے اُسے مار بھگایا۔

''اِس لئے کہ جو کام شریعت جسم کے سبب سے کمزور ہو کر نہ کر سکی وہ خُدا نے کِیا یعنی اُس نے اپنے بیٹے کو گُناہ آلُودہ جسم کی صُورت میں اور گُناہ کی قُربانی کے لئے بھیج کر جسم میں گُناہ کی سزا کا حکم دِیا'' (رومیوں 3:8)

مسیح نے اندر موجود دشمن کو دیکھا اور اُسے بُرا قرار دیا اور اُسے تباہ کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس نے یسوع مہیا کیا!

باب نمبر 20

مشابہ بمقابلہ غیر مشابہ

پرانے عہد نامے میں خدا نے جو کچھ خود کیا اور جو کچھ ہمیں کرنے کا حکم دیا ہے اُس بارے میں مسیحیت میں بڑی تنقید کی جاتی ہے۔ پرانے عہد نامے میں خدا کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے اُسے آج کے دور میں سمجھنا بڑا مشکل ہے۔ اُسے دوسری اقوام کی بجائے یہودیوں کے خدا کے طور پر بیان کیا گیا ہے کیونکہ وہ اسرائیل کو بچاتا تھا اور دوسری اقوام کو بے رحمی کے ساتھ ختم کر دیتا اور بنا جنس اور عمر کا فرق کیے سب کا صفایا کر دیتا تھا۔ ایسے واقعات میں بچوں اور جانوروں کو بھی نہیں چھوڑا جاتا تھا، آج کے دور میں ہم اِسے نسل کشی کا نام دیتے ہیں۔ ان سب باتوں کا موازنہ آپ نئے عہد نامے میں رحمدل، مہربان اور محبت کرنے والے مسیح کے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں کیونکہ مسیح نے تو خود کہا تھا کہ خدا ہمارا ایسا باپ ہے جو سب سے محبت رکھتا ہے؟

صرف یہی مسئلہ نہیں ہے بلکہ پرانے عہد نامے کے کئی احکام ایسے بھی تھے جو بلا جواز اور بے مقصد سے دکھائی دیتے ہیں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جو لوگ اِنہیں ماننے میں ناکام ہو جاتے ہیں اُن کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ ماں باپ پر لعنت کرنے والے اور ہم جنسی کرنے والوں کو موت کی سزا دی جاتی تھی۔ ان سب باتوں کا موازنہ ہم نئے عہد نامے میں بیان کردہ رحیم و کریم خدا کے ساتھ کیسے کر سکتے ہیں؟

نبوت کی وضاحت کرنے، شریعت اور فضل کو سمجھنے اور آج کے دور میں اسرائیل کی اہمیت کے بارے میں سمجھنے اور دیگر بہت سے معاملات میں بھی مسیحیت کے اندر بے تحاشا نا اتفاقی اور اُلجھن پائی جاتی ہے۔ یہ بات تو سچ ہے کہ نئے اور پرانے عہد نامے میں فرق کو واضح کیا جانا چاہیے اور ان اختلافات کی وجوہات بیان کی جانی چاہیے۔

ان مسائل کو سمجھنے کے لیے ہمیں یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ پرانا عہد نامہ ایک نمونہ تھا یعنی وہ ایسا تعلیمی وسیلہ تھا جسے مستقبل کے حقائق کو واضح کرنے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں پرانے عہد نامے کا نظام اصل نہیں تھا اور اُس میں خدا اور اُس کے کاموں کی اصل حقیقت نہیں تھی۔ بلکہ وہ نشانوں اور علامتوں کا ایسا نظام تھا جو سچائی نہیں بلکہ سچائی کا عکس پیش کرتا تھا۔ مندرجہ ذیل آیات میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے:

''اِس لئے کہ شریعت تو موسیٰ کی معرفت دی گئی مگر فضل اور سچائی یسُوع مسیح کی معرفت پہنچی'' یوحنا 1:17۔

''کیونکہ شریعت جس میں آیندہ کی اچھی چیزوں کا عکس ہے اور اُن چیزوں کی اصلی صورت نہیں اُن ایک ہی طرح کی قُربانیوں سے جو ہر سال بلا ناغہ گذرانی جاتی ہیں پاس آنے والوں کو ہرگز کامل نہیں کرسکتی'' عبرانیوں 1:10۔ کچھ مسیحی جسمانی اور رُوحانی اسرائیل، جانوروں کی قربانی کے نظام اور مسیح کی حقیقی قربانی کی بڑی اچھی وضاحت کرتے ہیں مگر اِس کے ساتھ ساتھ وہ شریعت اور پرانے عہدنامے کے مقصد اور شریعت بمقابلہ نئے عہدنامے کو محدود حد تک سمجھتے ہیں۔

بائبل مقدس میں بیان کردہ مشابہ اور غیر مشابہ حقائق کی جزوی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔ زیادہ تر لوگ ان مشابہ باتوں کو بخوبی جانتے ہیں اور وہ باآسانی اِن کی غیر مشابہ باتوں کی نشاندہی کر لیتے ہیں۔

- ☆ برّہ بمقابلہ مسیح
- ☆ خون بمقابلہ زندگی
- ☆ سردار کاہن بمقابلہ مسیح
- ☆ فلسطین بمقابلہ نئی زمین
- ☆ جسمانی اسرائیل بمقالہ کلیسیا
- ☆ لاوی کاہن بمقابلہ مسیحی

تاہم مشابہ اور غیر مشابہ باتیں کہیں زیادہ ہیں۔ درحقیقت پرانے عہدنامے کا سارا نظام یعنی سب کچھ مشابہ تھا۔ یہ ایسی حقیقت ہے جِسے بہت کم سمجھا جاتا ہے۔ مسیحیت میں غلط فہمی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ پرانے عہدنامے کے مشابہ اور غیر مشابہ اُصولوں کو بہتر طور پر سمجھا ہی نہیں جاتا۔ کچھ لوگ ابھی بھی پرانے عہدنامے کی مشابہ باتوں پر ہی عمل کر رہے ہیں جبکہ اُنہیں نئے عہدنامے کی غیر مشابہ باتوں کو ماننا چاہیے۔ اُن مشابہ اور غیر مشابہ باتوں کی مزید چند مثالیں درج ذیل ہیں:

- ☆ ہیکل کا فرنیچر بمقابلہ نجات کا حقیقی اطلاق
- ☆ عیدیں بمقابلہ نجات پر مبنی واقعات
- ☆ زیادہ گناہ بمقابلہ ایک گناہ
- ☆ جرم بمقابلہ خدا سے دُوری
- ☆ خدا کے احکام بمقابلہ خدا کا کردار

☆ شریعت کا نظام بمقابلہ خدا کی بادشاہت

☆ رویہ بمقابلہ فطرت

☆ عمل بمقابلہ ایمان

☆ خدا بطورِ منصف بمقابلہ خدا بطورِ باپ

ضروری نہیں کہ اس باب میں ان تمام باتوں کا جائزہ لیا جائے مگر ہم اُن میں سے چند باتوں پر زور دیں گے۔ جب ہم اِن باتوں پر کھلے ذہن اور سچے دل سے غور کریں گے تو یہ باتیں ہم پر عیاں ہو جائیں گی کیونکہ سچائی ظاہر ہو جاتی ہے اور اِس کا منطقی پہلو ضرور ہوتا ہے۔ ان غلط فہمیوں کی وجہ سے مذہبی تجربے کو کافی نقصان پہنچا ہے اور اِس کے نتیجے میں بہت سے جھوٹے عقائد اور خدا کے بارے میں بے تحاشا غلط فہمیوں نے جنم لیا ہے۔

اس حصے میں ہم پرانے عہد نامے کی چار مشابہ باتوں پر غور کریں گے اور نئے عہد نامے میں سے اُن کی حقیقت کو دیکھیں گے۔ مَیں نے اوپر بیان کردہ فہرست میں سے اِن کا انتخاب کیا ہے اور اب ہم اِن پر غور کریں گے کیونکہ ان چار باتوں میں پائی جانے والی غلط فہمی کی وجہ سے ہی گزشتہ دو ہزار سالوں کے دوران مسیحیت کو کافی حد تک نقصان پہنچا ہے۔ یہاں پر وہ چار باتیں ہیں جن پر ہم غور کریں گے:

☆ زیادہ گناہ بمقابلہ ایک گناہ

☆ گناہ بمقابلہ خدا سے دُوری

☆ خدا کے احکام بمقابلہ خدا کا کردار

☆ خدا بطورِ منصف بمقابلہ خدا بطور باپ

زیادہ گناہ بمقابلہ ایک گناہ

پرانے عہد نامے میں جب کوئی شخص شریعت کے کسی بھی حکم کو توڑتا تھا تو وہ گنہگار بن جاتا ہے۔ اُسی وقت وہ ''قصوروار'' بن جاتا تھا اور اُسے پھر ایک جانور کی قربانی گزرانی پڑتی۔ وہ اپنی جگہ اس جانور کو قربان کر دیتا تا کہ اِس کی اپنی زندگی بچ جائے اور اس کے لہو سے اُس شخص کا قصور معاف ہو جائے۔ اس نظام کے اہم معاملات یہ ہیں:

1۔ اُس سے سرزد ہونے والا قصور یعنی اُس کے اعمال۔

2۔ اُسے اس مسئلے کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ اپنا قصور کیسے ختم کروائے یعنی کیسے معافی حاصل کرے اور وہ کس

طرح دوبارہ سے خدا کا منظورِ نظر بنے۔

3۔اُس نظام میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ جانور کا لہو قصور معاف کرواتا ہے۔ یہ لہو خدا کی مرضی کو تبدیل کر دیتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ جانور کا لہو ایک طرح سے مشابہ تھا جو کہ مسیح کی نمائندگی کرتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ جانور کا لہو مسیح کی زندگی کی علامت تھا۔ مگر ہم اس تصویر کے صرف چند حصوں کو ہی حقیقت سمجھتے ہیں جبکہ یہ تو مکمل طور پر ہی مشابہ تھی! میرے کہنے کا کیا مطلب ہے؟ میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ گناہ بھی مشابہ تھا اور قصور بھی مشابہ تھا! اِن دونوں کا مقصد عظیم حقائق کو پیش کرنا تھا۔ محض برّہ یا اُس کا لہو ہی اہم نہیں تھا بلکہ جس مسئلے سے وہ دوچار تھے وہ بھی بڑا اہم تھا۔ یہ پہلی سب سے بڑی غلط فہمی ہے جو آج بھی مسیحیت کو شدید نقصان پہنچا رہی ہے۔

ہر روز بُرے کام کئے جاتے ہیں، ان قصوروں کو ختم کرنے کے لیے ہر روز جانوروں کو بھی قربان ہونا پڑتا ہے۔ مگر بنیادی طور پر گناہ کو ختم نہیں کیا جاتا۔ جب تک کوئی مزید غلط کام نہ ہو جاتا پچھلا قصور تو محض ملتوی ہو جاتا تھا۔ اس ساری تصویر کا مقصد یہ سبق سکھانا تھا کہ انسان خدا سے دُور ہو چکا ہے اور اُسے ایسا نجات دہندہ چاہیے جو دوبارہ خدا کے ساتھ انسان کا میل ملاپ کروا سکے۔ برّے کا لہو مسیح کی زندگی کی نمائندگی کرتا ہے جس کے ذریعے انسانیت کا رابطہ خدا کے ساتھ بحال ہوتا ہے۔ عبرانیوں کے خط میں ہم یوں پڑھتے ہیں:

''بلکہ وہ قُربانیاں سال بہ سال گُناہوں کو یاد دِلاتی ہیں کیونکہ ممکن نہیں کہ بیلوں اور بکروں کا خُون گُناہوں کو دُور کرے'' (عبرانیوں 10:3-4)

یہ مسئلہ عموماً کیے جانے والے گناہوں سے بھی گہرا تھا۔ اِسی وجہ سے معافی اصل مسئلے کو حل نہیں کرتی۔ پھر بھی معافی کی صورت میں اصل مسئلے پر زور دیا جاتا تھا۔ اصل مسئلہ تو نفسانی فطرت یعنی گناہ کا تھا۔ یہی تو اصل مسئلہ ہے جس سے نپٹنے کی ضرورت ہے اور گنہگارانہ اعمال تو محض اصل مسئلے کی طرف نشاندہی کرتے ہیں۔ عبرانیوں کے خط میں یوں لکھا ہے:

''... مگر اب زمانوں کے آخر میں ایک بار ظاہر ہُوا تا کہ اپنے آپ کو قُربان کرنے سے گُناہ کو مٹا دے۔'' (عبرانیوں 9:26)

''... ہم یسُوع مسیح کے جِسم کے ایک ہی بار قُربان ہونے کے وسیلہ سے پاک کئے گئے ہیں'' (عبرانیوں 10:9-10)

''لیکن یہ شخص ہمیشہ کے لئے گُناہوں کے واسطے ایک ہی قُربانی گُزران کر خُدا کی دہنی طرف جا بیٹھا''

(عبرانیوں12:10)

یسوع گناہ کا مکمل خاتمہ کرنے کے لیے آیا، یہ نہیں وہ ایسی معافی دلانے آیا تھا جو جانوروں کی قربانیوں سے ملتی تھی۔ اس میں مشابہ غیر مشابہ کی نمائندگی کرتی ہے اور کسی بھی صورت میں مشابہ غیر مشابہ کے برابر نہیں ہوتی۔ غیر مشابہ میں ایسی باتیں ضرور ہوتیں ہیں جن سے مشابہ چیز کی نمائندگی ہوتی ہے مثلاً گڑیا، لڑکی کی نمائندگی کرتی ہے مگر یہ جیتی جاگتی لڑکی نہیں ہوسکتی۔

یسوع کی کامل قربانی نے گناہ کی اصل جڑ کو ایک ہی مرتبہ ہمیشہ کے لیے اُکھاڑ دیا۔ وہ پرانے عہد نامے میں موجود نظام کو دوبارہ سے رائج کرنے نہ آیا یعنی گناہ کو بار بار معاف کروایا جانا۔ جی نہیں۔ وہ گناہ، نفسانی فطرت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکے اور ہمیشہ کے لیے گناہ کا خاتمہ کرنے کو آیا۔ ایسا کرتے ہوئے اُس نے محض گناہوں کو کچھ دیر کے لیے ملتوی نہ کیا بلکہ اُس نے انسان کی خدا کے ساتھ صلح کروادی۔ اُس نے انسان اور خدا میں ایسی صلح کروادی جو پھر کبھی گناہ کی وجہ سے ٹوٹ نہ سکے گی۔ کلامِ خدا یوں فرماتا ہے،

''اور سب چیزیں خُدا کی طرف سے ہیں جس نے مسیح کے وسیلہ سے اپنے ساتھ ہمارا میل مِلاپ کرلیا اور اُن کی تقصیروں کو اُن کے ذِمہ نہ لگایا اور اُس نے میل مِلاپ کا پیغام ہمیں سونپ دیا ہے'' (2 کرنتھیوں5:18-19)

خدا اور انسان کے درمیان پھر گناہ کی وجہ سے کوئی بھی مسئلہ پیدا نہیں ہوگا۔ ہمارے گناہ پر مبنی کام خدا کے سامنے کوئی مسئلہ نہیں ہیں کیونکہ جیسے کہ بائبل کے حوالے میں بتایا گیا ہے کہ خدا اُن کی تقصیروں کو اُن کے ذمے نہیں لگاتا۔ یسوع نے ان ساری تقصیروں کو ختم کردیا۔ مگر اُس نے صرف یہی کام نہیں کیا۔ اس سے بھی بڑھ کر یسوع نے ان تقصیروں کے اصل منبع کو ختم کردیا جو کہ نفسانی فطرت ہے۔

''اِس لئے کہ جو کام شریعت جسم کے سبب سے کمزور ہو کر نہ کرسکی وہ خُدا نے کِیا یعنی اُس نے اپنے بیٹے کو گُناہ آلُودہ جسم کی صُورت میں اور گُناہ کی قُربانی کے لئے بھیج کر جسم میں گُناہ کی سزا کا حُکم دیا'' (رومیوں8:3)

اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ لوگ زندگی کے تحفے کو حاصل نہیں کرتے جو کہ مسیح میں ہے۔ انسان اُس صلح پر مبنی زندگی کو قبول نہیں کرتے جس میں سے گناہ کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ بے اعتقادی انسان اور خدا کے مابین رکاوٹ حائل کرتی ہے اور اِسی وجہ سے خدا ہمیں کہتا ہے کہ ہم یسوع مسیح پر ایمان رکھیں کیونکہ گناہ سے چھٹکارہ پانے اور خدا کے ساتھ متحد ہونے کا صرف یہی واحد طریقہ ہے۔

پس خلاصہ یہ ہے کہ غیر مشابہ میں مسئلہ ''گناہوں کا'' نہیں بلکہ بذاتِ خود گناہ یعنی نفسانی فطرت کا ہے۔ اصل مسئلہ جرم نہیں بلکہ اصل مسئلہ خدا سے دُوری کا ہے۔ یہ ایسے مسائل ہیں نہیں صرف مشابہ محدود علامات کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ آج ہم اصل باتوں کو حل کرتے ہیں اور مشابہ باتوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

احکام بمقابلہ کردار

اس کے بعد اس اہم سچائی کی بات کرتے ہیں۔ پرانے عہد میں قوانین خصوصاً دس احکام پر زور دیا جاتا تھا۔ اِسی معیار کی بنا پر گناہ کو بیان کیا جاتا تھا اور اِنہی کے ذریعے یہ پرکھا جاتا تھا کہ کیا کوئی شخص گنہگار یا راستباز ہے۔ شریعت کو توڑنا گناہ تھا اور یہی گناہ انسان کو مجرم ٹھہراتا تھا۔ اس جرم کی معافی کے لیے جانور کا خون درکار تھا۔

مگر ہم دیکھ چکے ہیں کہ اصل مسئلہ گناہوں اور بُرے کاموں کا نہیں تھا بلکہ اصل مسئلہ نفسانی فطرت کا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ انسان کی فطرت ہی اصل مسئلہ ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ یسوع محض خطاؤں کو ختم کرنے کے لیے نہیں موا تھا بلکہ وہ تو گناہ کی فطرت کو تباہ کرنے اور خدا کے ساتھ انسانیت کی صلح کروانے کے لیے موا تھا۔ پس کیا ہم خدا کی شریعت کو بڑے محدود انداز سے دیکھتے ہیں؟ کیا دس احکام بھی کسی بڑی چیز کی نمائندگی کرتے تھے؟ کیا وہ بھی کسی بڑے حقیقت کی شبیہ تھے؟

دس احکام کو زمینی مقدس میں پاک ترین مقام میں رکھے گئے عہد کے صندوق میں رکھا گیا تھا۔ مقدس میں موجود اور مقدس سے متعلقہ ہر چیز مشابہ تھی یعنی وہ کسی بڑی حقیقت کی نمائندگی کرتی تھی۔

ہیکل کی چیزوں میں سب سے پہلے قربانی کا مذبح تھا جس پر جانوروں کی قربانی کی جاتی تھی۔ یہ مذبح کلوری کی نمائندگی کرتا تھا، یعنی جہاں یسوع مصلوب ہوا تھا۔ غور کریں کہ اس میں اور کلوری میں تو کوئی بھی مماثلت نہیں دکھائی دیتی، وہ مذبح نہ ہی صلیب جیسا تھا اور نہ ہی پہاڑی جیسا مگر بھی وہ کلوری کی نمائندگی کرتا تھا، اس کا مقصد مسیح کی قربانی تھا۔

ہیکل میں پیتل کا ایسا حوض رکھا ہوا تھا جس میں کاہن اپنے ہاتھ پاؤں دھویا کرتے تھے۔ اس سے مسیح کی مردوں میں سے جی اُٹھنے کے بعد نئے سرے سے پیدا ہونے کی نمائندگی ہوتی ہے کیونکہ وہ گناہ پر فتح پا کر قبر میں سے زندہ ہوا تھا اور اس طرح سے اُس نے اپنی گنہگار فطرت کو دھو ڈالا تھا۔

اس کے بعد پھر ہیکل مقدس اور اِس کا فرنیچر تھا۔ یہ چیزیں محض مشابہ تھیں کہ جب مسیح آسمان پر صعود فرمائے گا تو وہ بطورِ کاہن آسمانی ہیکل میں خدمت سرانجام دے گا۔

نذر کی روٹیوں والی میز کلامِ خدا والی خدمت کی نمائندگی کرتی ہے۔سات شاخوں والا شمعدان رُوح القدس کے کام کی نمائندگی کرتا ہے۔بخور جلانے کی قربان گاہ خدا کے لوگوں کی دُعاؤں کی علامت ہے۔

دوسرے حصے میں یعنی پاکترین مقام میں سونے کا بنا ہوا عہد کا صندوق رکھا ہوا تھا۔اس صندوق پر سونے سے منڈھا ہوا کفارے کا سرپوش تھا۔اس کے اوپر مافوق الفطرت روشنی پھیلی ہوئی تھی۔وہ کفارے کا سرپوش خدا کے تخت اور مافوق الفطرت روشنی خدا کی حضوری کی نمائندگی کرتی تھی۔اُس سُنہری صندوق کے اندر دس احکام رکھے ہوئے تھے۔

آیئے اب بغور جائزہ لیتے ہیں کہ ہیکل کے فرنیچر کی ہر چیز کسی عظیم چیز کی علامت تھی۔وہ حقیقی نہیں بلکہ علامتی تھیں۔دس احکام کس طرح سے حقیقی طور پر خدا کی شریعت کہلا سکتے ہیں؟ دس احکام خدا کے تخت کی اصل بنیاد کیسے ہو سکتے ہیں؟ ہیکل کی بقیہ چیزوں کی طرح دس احکام بھی علامتی ہونے چاہیے یعنی یہ کسی عظیم چیز کا عکس ہونے چاہیے! یہ بڑا اہم نقطہ اور بے شک یہ ناقابلِ تردید بات ہے۔یہ بات کہنا بالکل دُرست ہے کہ ہیکل کی ہر چیز علامتی تھی مگر دس احکام تو بالکل اصلی تھے۔

ہیکل مقدس میں موجود ہر چیز کی مانند دس احکام بھی سچائی بیان کرتے تھے مگر یہ محدود حد تک سچائی بیان کرتے تھے۔یہ سچائی کا عکس بیان کرتے تھے مگر یہ حقیقت سے کچھ ہی کمتر تھے۔ہم سمجھ سکتے ہیں کہ دس احکام کی حقیقت یا غیر مشابہت خدا کے کامل کردار کی نمائندگی کرتے ہیں یعنی ایسا کردار جسے محض دس جملوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔خدا اور اُس کے طریقہ کار کو ایسے ہی دس احکام تک محدود کیا جا سکتا ہے جیسے کسی انسانی زندگی کو گڑیا کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔

جب نئے عہد نامے میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ خدا اپنے آئین ہمارے ذہنوں اور دلوں پر لکھتا ہے تو لاکھوں کی تعداد میں اب بھی ایسے لوگ ہیں جو غلط فہمی کا شکار ہیں۔یہ سچ ہے کہ ہمارے دلوں پر زندہ خدا کی فطرت لکھی ہوئی ہے۔رُوح القدس کی حضوری کی بدولت خدا کا کردار ہمیں دیا گیا ہے، یہ ہمارے رویے سے متعلقہ لکھی گئی باتوں سے بھی زیادہ کامل اور طاقتور ہے۔خدا کا کردار انسان کی اشد ضرورت ہے اور گناہ کے مرض کا کامل علاج بھی یہی ہے۔یہ ایسا ہی ہے کیونکہ قوانین محض اچھے رویے کا مطالبہ کرتے ہیں مگر یہ اچھا رویہ پیدا کرتا ہے۔

بطورِ منصف بمقابلہ بطورِ باپ

پرانے عہد نامے کا خدا بڑا غصے والا دکھائی دیتا ہے۔بعض اوقات وہ بڑا بے رحم اور طرفداری کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔بائبل مقدس ہمیں بتاتی ہے کہ یہ خدا کی اصل تصویر نہیں ہے بلکہ اگر ہم خدا کے بارے میں بہتر طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اُس کو آخری ظہور میں یعنی ہمیں اُس کو یسوع مسیح میں دیکھنا چاہیے۔

''اگلے زمانہ میں خُدا نے باپ دادا سے حصہ نہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اِس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا جسے اُس نے سب چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلہ سے اُس نے عالم بھی پیدا کئے'' (عبرانیوں 1:1-2)

مگر سوال ابھی بھی وہی ہے، پرانے عہد نامے کی تصویر کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ جھوٹی تھی؟ کیا ہم یہ مان لیں کہ پرانا عہد نامہ سچ نہیں بول رہا؟ بالکل بھی نہیں، مگر بات وہی ہے کہ یہ مشابہ اور غیر مشابہ والی بات پائی جاتی ہے۔ پرانے عہد نامے کا خدا سچ ہے، اُسے کہانیوں اور تمثیلوں کے ذریعے علامتی طور پر بیان کیا گیا۔ اُن میں بیان کردہ باتیں واقعی ہوئیں مگر اُن کے رونما سے خدا کی اصل حقیقت ظاہر نہیں ہوتی۔

قربان کیے جانے والے برّے پر غور کریں کہ وہ برّہ حقیقی طور پر ذبح کیا جاتا اور اُس کا لہو بہتا تھا۔ یقیناً خدا کو جانور کے خون کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات بالکل سچ ہے لیکن کیا یہ اصل سچ ہے؟ نہیں، بالکل بھی نہیں! بلکہ رسموں اور تمثیلوں کی صورت میں سچ بتایا گیا ہے۔ جب تک اُن تمثیلوں کی وضاحت نہ کی جائے کوئی بھی انسان نجات کے منصوبے کو حقیقی طور پر سمجھ نہیں سکے گا۔ درحقیقت بہت سے لوگ اُن جانوروں کی قربانیوں کے مقصد اور مطلب کے حوالے سے غلط فہمی کا شکار ہیں اسی لیے جو لوگ بھی قربانی پیش کرتے تھے وہ عموماً یہی سوچتے تھے کہ ان جانوروں کے خون سے خدا کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور جانوروں کا خون خدا کے غصے کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ کیا پرانے عہد نامے میں ایسا کچھ بتایا گیا تھا؟ بعض اوقات ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ جلتی ہوئی قربانی کی خوشبو خدا کو اچھی محسوس ہوتی ہے اور اِس کے ذریعے انسان خدا کی نظر میں مقبول ٹھہرتا ہے۔ مگر ایسا سوچنا بے وقوفانہ بات ہے کہ جانوروں کے جلتے ہوئے گوشت کی خوشبو سے خدا کو راحت ملتی ہے!

خدا لوگوں کو کچھ خاص باتیں سکھانا چاہتا تھا اور اُنہیں سمجھانا چاہتا تھا کہ یہ باتیں کتنی اہم ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ گناہ سے متاثرہ سبھی لوگ ختم ہو جائیں گے۔ چاہے کسی کا گناہ سے رابطہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو اِس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا۔ گناہ بالآخر انسان کو تباہ و برباد کر دے گا۔ یہی گناہ کی فطرت ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ انسان گناہ اور موت اور ابدی ہلاکت کے مابین پائے جانے والے تعلق سے متعلقہ سبق کو سمجھ سکے۔ تاہم اُس نے خود کو اِس کے (گناہ) نتائج کو علامتی طور پر ظاہر کیا۔ جب انسان کا رابطہ گناہ کے ساتھ ہو گیا تو پھر اُس نے گناہ کے نتیجے میں آنے والے غضب کا خود اظہار کیا۔ کیا واقعی اس بات میں حقیقت ہے یا غیر مشابہت ہے؟ نہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ گناہ لوگوں کو مار رہا ہے۔

تمام لوگ گناہ کے ساتھ تعلق رکھنے کے اثرات کی وجہ سے دُکھ جھیلتے ہیں اور حتمی طور پر بات یہی ہے کہ گناہ اُنہیں مارتا ہے اور آخر کار خدا ہی گنہگاروں کے دُکھوں کو ختم کر دے گا۔

لیکن اگر خدا گناہ اور اِس کی فطرت کو کام کرنے دیتا اور گنہگار کو ختم کرتا تو پھر یہ پتا نہ چلتا کہ گناہ ہی ہلاک کرنے والا ہے، یعنی سب کو یہ پتا نہ چلتا کہ یہی تباہی مچاتا ہے۔ زمین کے بیشتر لوگ گناہ کے ساتھ تعلق رکھنے کے خطرناک نتائج کو نہ سمجھتے۔ اِسی وجہ سے خدا نے پرانے عہدنامے میں مشابہت کا نظام رائج کیا جس میں وہ اپنے آپ کو انتقام اور بدلہ لینے والے یعنی گناہ کی سزا دینے والے کے طور پر ظاہر کرتا ہے۔ گناہ کے ساتھ ہر قسم کا ناتہ رکھنے کی شدید اور خطرناک سزا تھی۔ گناہ کے ساتھ رشتہ رکھنے والوں کو بے رحمی کے ساتھ قتل کیا گیا اور اُن کا صفایا کر دیا گیا۔ بلکہ اُس کے اپنے قریبی لوگ اور اچھے دوست بھی اس نظام سے بچ نہ سکے۔ موسیٰ جو کہ خدا کا بہترین دوست تھا اُسے بھی مرنا پڑا، جب خدا نے اُسے کہا تھا کہ چٹان سے کہنا جبکہ اُس نے اُسے مارتو اُسے بھی خدا کی نافرمانی کی سزا ملی۔

کیا خدا موسیٰ کو مارنا چاہتا تھا؟ کیا وہ اُسے سزا دینا چاہتا تھا؟ جب موسیٰ نے یوں منت کی ''مجھے بھی جانے دے تا کہ مَیں لبنان کی اُس اچھی سرزمین کو دیکھ سکوں'' تو خدا نے اُسے جواب دیا ''بالکل نہیں''۔ خدا اُس سے اتنا خفا کیوں تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مشابہت سے متعلقہ بات ہے اور اس مشابہت میں خدا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ گناہ تباہ و برباد کر دے گا اور اِس سے کوئی بھی بچ نہیں سکے گا۔ اس حقیقت کے تناظر میں خدا نے موسیٰ کو بھی نہ چھوڑا۔ مگر یاد رکھیں یہ مشابہت یعنی یہ علامتی تھی۔ یہ سکھانے والی کتاب تھی مگر یہ اصل سچائی نہیں تھی!

اصل سچائی کیا ہے؟ اصل نظام میں کیا ہوا تھا؟ اصل نظام میں خدا نے موسیٰ کو زندہ کیا اور اُسے آسمان پر اُٹھا لیا! خدا نے موسیٰ کو اُس کی توقع سے بھی بڑھ کر عطا کر دیا۔ موسیٰ پر فضل اور رحم ہوا مگر مشابہ طور پر اُسے مرنا پڑا تا کہ اِس سے دوسرے سبق سیکھیں! پرانے عہدنامے میں بیان کردہ ظالمانہ قتل و غارت کی وضاحت اِسی بات میں ہو جاتی ہے: قورح کی موت، داتن اور چھوٹے بچوں سمیت ابیرام کی موت، عزا جس نے مدد کرنے کی غرض سے عہد کے صندوق کو چھوا اور وہ فوری طور پر مر گیا، نافرمان نبی کی موت، کنعانی اقوام کی موت اور مزید بہت سی اموات۔ یہ سبھی مشابہ اور علامتی تھیں اور اِن میں خدا کی محبت اور فضل دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اِن میں شریعت کے اثرات کو بیان کیا گیا تھا اور گناہ کے ساتھ تعلق رکھنے کے اثرات کو ظاہر کیا گیا ہے۔

مسیح میں ہم خدا کی اصل فطرت کو دیکھتے ہیں، وہ انصاف پر مبنی اور ظالمانہ نہیں ہے بلکہ یہ سب شریعت کے اثرات ہیں۔ پرانے عہدنامے میں خدا کی ایسی فطرت کو ظاہر کیا گیا کیونکہ اِس کے ذریعے دوسروں کو سبق سکھانا تھا مگر یہ مت بھولیں کہ وہ کہانیاں ہی سب کچھ نہیں ہیں۔ روزِ قیامت کو ہم ایسے بہت سے لوگوں کی اصل حقیقت کو جان سکیں گے جو مشابہ طور پر ''انصاف'' اور ''عدالت'' کے فیصلے کے تحت مرے تھے۔ بالآخر حقیقی طور پر فضل اور رحم ہی فاتح ہوں گے اور مزید ایسی بے شمار حیران کُن باتیں ہوں گی۔ بالکل یہی بات یوحنا ہمیں بتا رہا ہے،

''اِس لئے کہ شریعت تو موسیٰ کی معرفت دی گئی مگر فضل اور سچائی یسُوع مسیح کی معرفت پہنچی'' (یوحنا 1:17)

باب نمبر 21

معافی اور انصاف

تقریباً ہر کوئی نجات کے منصوبے کو قانونی مسئلہ ہی سمجھتا ہے۔ یسوع کیوں موا اور گنہگار موت کے سزاوار کیسے ٹھہرتے ہیں، دراصل مَیں نے تو اس بارے میں ایسی کوئی بھی وضاحت نہیں دیکھی جس میں اِسے قانونی مسئلے کے طور پر بیان نہ کیا گیا ہو۔ اس بارے میں نظریہ ہے:

خدا نے مجھے موت کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔ کیوں؟ مَیں نے گناہ کیا ہے۔ مَیں نے شریعت کو توڑا ہے اس وجہ سے مجھ پر موت کی سزا واجب ہوتی ہے۔ خدا اس سزا کو کیسے ختم کرتا ہے؟ وہ ہمارے نامہ اعمال میں سے گناہ کو کیسے ختم کرتا ہے تاکہ وہ مجھے معصوم قرار دے سکے؟ عموماً یہ سوچا جاتا ہے کہ جب خدا مسیح کے لہو کو دیکھتا ہے تو خدا میرے بارے میں اپنی سوچ کو تبدیل کر دیتا ہے اور وہ یوں کہتا ہے ''مَیں معاف کرتا ہوں۔'' اپنے بیٹے کی موت کی وجہ سے خدا اپنی مرضی کو تبدیل کرتا ہے۔

معافی کیا ہے؟

اوپر بیان کردہ عام پائے جانے والے خیال میں معافی کو سوچ کی تبدیلی والا رویہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی انسان کسی دوسرے شخص کے خلاف کچھ کرتا ہے تو پھر جس شخص کو دُکھ پہنچا ہوتا ہے اُسے دُکھ پہنچانے والے کے دُکھ کو بھول کر اُس کے بارے میں اپنے دل کو صاف کرنا ہوتا ہے۔ اِسے ''معافی دینا'' سمجھا جاتا ہے۔ انسان خدا پر بھی معافی کا یہی طریقہ کار لاگو کرتا ہے، اِسی یہ سوچا جاتا ہے کہ جب مَیں کچھ بُرا کرتا ہوں تو میرے بارے میں خدا کا رویہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ خدا مجھ سے شدید ناراض ہو جاتا ہے اور خدا یوں کہتا ہے ''تیرے بارے میں اپنی سوچ کو تبدیل کرنے اور تیرے بارے میں اپنا رویہ تبدیل کرنے سے پہلے مجھے خون چاہیے اور اگر وہ خون تیرا نہ ہو تو پھر وہ میرے بیٹے کا خون ہوگا! جب یہ خون بہایا جائے گا اور مَیں اِس خون کو دیکھوں گا تو پھر مَیں اپنے ذہن اور نامہ اعمال میں سے تمہارے گناہوں کو مٹا ڈالوں گا اور مَیں تمہارے بارے میں اچھا سوچنا شروع کر دوں گا۔'' شاید یہ بیان نامعقول دکھائی دے مگر یہ بات حقیقت ہے کہ خدا کی معافی کو عموماً ایسی ہی مذہبی تعلیم کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔

بائبل مقدس خدا کے بارے میں کیا فرماتی ہے؟ ''خدا محبت ہے'' اور ''خدا لاتبدیل ہے''۔ اگر خدا ایسے ہی فوری طور پر ہر چیز کے بارے میں اپنی مرضی تبدیل کر لیتا ہے تو پھر یہ بات تو دُرست نہیں ہے کہ خدا لاتبدیل ہے۔ خدا کی تمام راہیں راست ہیں اور اُس کی تمام راہیں محبت کی راہیں ہیں، لہٰذا یہ بات تو ناممکن ہے کہ خدا کبھی بھی تبدیل ہوگا۔ اگر ہم خدا کی تبدیلی کے حوالے سے خدا کی معافی کو دیکھیں تو پھر ہمیں یہ پتا چلے گا کہ خدا کی معافی والا نظریہ تو جھوٹا ہے۔ یہیں پر لوگ غلطی کرتے ہیں۔ وہ بائبل مقدس پر مبنی معافی کے نظریے کو نہیں سمجھتے۔ مسیح کی قربانی اس لیے نہیں دی گئی تھی کہ خدا اپنی مرضی ہی تبدیل کر لے۔

مسیح کی خاطر

افسیوں 32:4 میں یوں لکھا ہے،

''اور ایک دوسرے پر مہربان اور نرم دِل ہو اور جس طرح خدا نے مسیح میں تُمہارے قصور معاف کئے ہیں تُم بھی ایک دُوسرے کے قصور معاف کرو'' (اِفسیوں 32:4)

خدا نے آپ کو کیوں معاف کیا ہے؟ ایسا اُس نے ''مسیح میں'' (مسیح کی خاطر) کیا ہے۔ بائبل مقدس کی بنیادی اور اہم تعلیم یہ ہے: خدا ''مسیح کی خاطر'' معاف کرتا ہے۔ مگر اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا کا رویہ مسیح کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے؟ کیا بائبل مقدس پر مبنی معافی واقعی سوچ کی تبدیلی والا معاملہ ہے یا اِس میں کچھ بھی شامل ہے؟ کیا معافی سے خدا کو فرق پڑتا ہے یا انسان کو؟ کیا اس سے کسی غیر حقیقی محسوس نہ کی جانے والی چیز جسے ''انصاف'' کہا جاتا ہے اُسے فرق پڑتا ہے، جس کا اپنا کوئی نام اور شناخت نہیں ہے مگر خدا اور انسان اِس کے ماتحت ہیں؟ معافی کا حقیقی مطلب کیا اور اِس سے کسے فرق پڑتا ہے؟

ناقابلِ تردید سچائی یہ ہے کہ خدا ہمیشہ مجھے محبت کرتا ہے اور اُس کا ہاتھ ہمیشہ میرے اوپر رہتا ہے۔ جب مجھے اس سچائی کا پتہ چلا تو اِس سے میری زندگی تبدیل ہوگئی۔ مَیں نے خدا کی قدر کرنا سیکھ لیا اور یہ بات روز بروز مجھ میں ترقی کرتی گئی۔ خدا کبھی بھی ہمارے میں منفی سوچ نہیں رکھتا! جب ہم اس بات کو سمجھ لیں گے تو پھر خدا اور اُس کے کلام کے بارے میں ہماری سوچ میں کافی فرق آجائے گا۔ پھر خدا کے بارے میں ہماری سوچ اس حقیقت سے مطابقت رکھنا شروع ہو جائے گی کہ ''خدا محبت ہے''۔

پس خدا کی معافی ہمارے بارے میں خدا کی مرضی تبدیل ہونے کے بارے میں نہ ہے اور نہ ہی ہوگی۔

بائبل مقدس پر مبنی معافی

آیئے لوقا کی انجیل کے اس حوالے پر غور کریں جو اس مسئلے کی وضاحت کرتا ہے:

''خبردار رہو! اگر تیرا بھائی گُناہ کرے تو اُسے ملامت کر۔ اگر توبہ کرے تو اُسے معاف کر اور اگر وہ ایک دِن میں سات دفعہ تیرا گُناہ کرے اور ساتوں دفعہ تیرے پاس پھر آ کر کہے کہ توبہ کرتا ہُوں تو اُسے معاف کر'' (لوقا 17:3-4)

اس حوالے میں یسوع اپنی رحمدل فطرت کو بیان کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یسوع ایسے انسان کے متعلق بتاتا ہے جو مسلسل گناہ کرتا رہتا ہے یعنی وہ دن میں سات مرتبہ گناہ کرتا ہے۔ وہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہمیں ایسے انسان کو معاف کرنا چاہیے۔ اوپر بیان کردہ حوالے کے مطابق کن شرائط پر ہمیں ایسے انسان کو معاف کرنا چاہیے؟ اس کی ایک شرط یہ ہے کہ اگر وہ معافی مانگے۔ لیکن اگر وہ معافی نہیں مانگتا تو کیا پھر بھی مجھے اُس کو معاف کر دینا چاہیے؟ اس کا عمومی جواب یہ ہے ''بے شک ہمیں اُس کو معاف کر دینا چاہیے۔''

لیکن آیئے اس بات پر غور کریں کہ اگر ہم اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے تو کیا پھر بھی خدا ہمیں معاف کرے گا؟ اس کا جواب ہے، نہیں۔ بائبل مقدس کے مطابق اگر ہم اپنے گناہوں سے معافی نہیں مانگتے تو خدا ہمیں معاف نہیں کرتا اور جو کچھ خدا نے خود نہ کیا وہ ہم سے اُس کا مطالبہ نہیں کرتا۔

معافی حاصل کرنے سے پہلے انسان کو کیا کرنا چاہیے؟ جب ہم بائبل مقدس میں سے معافی کے بارے میں جان لیتے ہیں تو اس کا جواب ہم پر واضح ہو جاتا ہے:

بائبل مقدس میں معافی کا مطلب اپنی سوچ کا رویہ تبدیل کرنا نہیں ہے۔ حقیقت میں بحال شدہ رشتہ ہی معافی ہوتی ہے۔ معافی یک طرفہ عمل نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا تجربہ ہے جس میں دونوں فریق آپس میں صلح کرتے ہیں۔ ''صُلح'' کا لفظ بائبل مقدس پر مبنی معافی کے لیے بہتر ہے۔ محض یہ بات نہیں ہے کہ خدا ہمارے بارے میں اپنی سوچ تبدیل کرتا ہے بلکہ یہ ایسا تجربہ ہے جس کے ذریعے انسان خدا کے ساتھ رفاقت رکھتا اور متحد ہوتا ہے۔

اگر یہ بات ہے کہ متاثر فریق صرف اپنی سوچ کو تبدیل کر لے تو پھر معافی کی بالکل بھی ضرورت نہیں رہتی کیونکہ خدا جو کہ متاثرہ ہستی ہے اُس نے تو ہمیشہ ہی ہمارے بارے میں اچھا سوچا ہے۔ وہ تو گنہگار کے بارے میں بھی منفی خیال نہیں رکھتا۔ تاہم خدا فرماتا ہے کہ معافی حاصل کرنے کے لیے گنہگار کو معافی مانگنی چاہیے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ کیا ہے؟ آیئے مندرجہ ذیل مثال پر غور کرتے ہیں:

اگر میرا کوئی دوست میرے گھر میں آتا ہے اور میرے گھر سے ایک ہزار روپے چُرا لیتا ہے تو عمومی طور پر یہ سوچا جاتا ہے کہ مجھے اُس شخص کو معاف کر دینا چاہیے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ مجھے اُس شخص کے ساتھ اس طرح سے اپنی دوستی کو قائم رکھنا چاہیے جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہیں۔ اگلی مرتبہ وہ شخص دوبارہ سے میرے گھر آتا ہے۔ اس مرتبہ وہ دو ہزار روپے چرا لیتا ہے! لیکن چونکہ مَیں جانتا ہوں کہ مَیں نے اُسے معاف کر دینا ہے اس لیے مَیں اُس کے ساتھ اچھا رویہ رکھتا ہوں اور اُس کے ساتھ ایسے پیش آتا ہوں جیسے کہ اُس نے کچھ بھی غلط نہیں کیا اور اُسے آئندہ بھی اپنے گھر آنے دیتا ہوں۔ اس میں حیرانگی والی کوئی بات نہیں ہے کہ وہ آئندہ جب آتا ہے تو دس ہزار روپے چُرا لیتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا رہا تو بہت جلد میرے گھر میں کچھ بھی نہیں بچے گا اور اگرچہ میرے پاس خدا کا رُوح ہے لیکن پھر بھی مَیں پریشان ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بہت جلد ہمارا آپس کا تعلق خراب ہو جائے گا کیونکہ اچھے رشتے کا انحصار اعتماد پر ہوتا ہے۔

اب اُس شخص کو کم از کم یہ احساس ہونا چاہیے تا کہ وہ یہ کہہ سکے ''مجھ سے غلطی ہوئی ہے اور مَیں معافی چاہتا ہوں''۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو پھر ہمارا رشتہ دوبارہ سے بحال ہو سکتا ہے۔ وہ دوبارہ سے چوری کر سکتا ہے مگر اُس کے معافی مانگنے سے کم از کم مَیں اتنا تو سمجھ جاؤں گا کہ یہ اُس کا ارادہ نہیں تھا۔ اگر اُس کا ارادہ ایسا نہ کرنے کا تھا اور ایسا ہو جاتا ہے اور مَیں یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ اس بات پر معذرت خواہ ہے تو پھر اس سلسلے میں مجھے اُس کے لیے کچھ کرنا پڑے گا کیونکہ وہ اپنے آپ میں بہتری لانا چاہتا ہے۔

اگر اُسے احساس ہی نہ ہو کہ اُس میں کوئی خرابی ہے تب مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر وہ معافی نہیں مانگتا تو پھر مَیں اُسے اپنے گھر میں نہیں آنے دُوں گا، جب تک کہ اُسے اپنی غلطی کا احساس نہ ہو جائے اور وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی نہ مانگ لے!

بائبل مقدس پر مبنی معافی میں خدا اُس وقت تک ہمارے ساتھ اپنا رشتہ بحال نہیں کرتا جب تک ہم یہ تسلیم نہ کر لیں کہ ہم غلط ہیں۔ جب ہم معافی مانگتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ''اے خدا! مجھ سے کچھ ایسا سرزد ہوا ہے جس سے تجھے دُکھ پہنچا ہے اور مَیں نہیں جانتا کہ اِسے کیسے ٹھیک کروں مگر مَیں اس بات کے لیے تجھ سے معافی مانگتا ہوں کہ مَیں نے تجھے دُکھ پہنچایا ہے۔'' پھر خدا یوں کہتا ہے ''اب ہم دوبارہ سے دوست بن سکتے ہیں، مَیں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ تُم ایسا کرو گے، مگر تُم تو محض کمزور ہو اور میرے بغیر تو تُم کچھ بھی نہیں کر سکتے لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہیں میری مدد کی ضرورت ہے تو مَیں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔'' اِسی لیے تو وہ فرماتا ہے ''توبہ کرو۔''

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ توبہ، معافی اور پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک ہی تجربہ کے مختلف پہلو ہیں۔ کلسیوں 10:2 میں یوں لکھا ہے ''تُم اُسی میں معمور ہو گئے''۔ جب ہم مسیح کے ذریعے خدا کے پاس آتے ہیں تو ہم معافی حاصل کرتے ہیں، ہم برگزیدہ ہو جاتے ہیں اور ہم کامل زندگی کا تجربہ حاصل کرتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بائبل کی رُوح سے معافی کو انگریزی کے لفظ ''صلح'' کے ذریعے بہتر طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہ ایسا مرحلہ ہے جس میں انسان اور خدا ایک مرتبہ پھر سے اکٹھے ہوتے ہیں اور اُن کے درمیان پائی جانے والی تمام رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ کوئی ایسا مرحلہ نہیں ہے جس کے ذریعے خدا کی سوچ کو تبدیل کیا جاتا ہے۔

عارضی خیالات

یہ بات سچ ہے کہ بعض اوقات ہم جب بائبل مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ایسی اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں خدا کی سوچ کو تبدیل ہونا چاہیے مگر کیا خدا یہ چاہتا ہے کہ ہم خدا کی اصلیت کو جانے بغیر ہی اِن خیالات کو مان لیں؟ ہمارے لیے یہ جاننا بے حد ضروری ہے کہ ہم بائبل مقدس کے اُن حوالوں پر غور کریں جن میں خدا نے اپنے بارے میں بیان کیا ہے اور ہمیں محض اُس کے کلام کے چند حصوں تک ہی محدود نہیں رہنا چاہیے۔

جب لوگوں نے یسوع سے یہ پوچھا کہ ''کیا کسی بھی وجہ سے مرد اپنی بیوی کو چھوڑ سکتا ہے؟'' تو یسوع کا جواب یہ تھا ''نہیں''۔ جب اُنہوں نے موسیٰ کی طرف سے دی جانے والی اجازت کا ذکر کیا تو یسوع نے جواب دیا ''موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تُم کو اپنی بیویوں کو چھوڑ دینے کی اجازت دی''۔ مگر کیا موسیٰ نے اُنہیں طلاق دینے کی اجازت دی تھی؟ بالکل بھی نہیں، وہ احکام خدا کی طرف سے تھے۔ دراصل یسوع ہی تھا جس نے موسیٰ کو کوہ سینا پر یہ ہدایات دیں تھیں۔ یسوع اپنی بات کو دہرا نہیں رہا تھا اور نہ ہی وہ اپنی بات کی مخالفت کر رہا تھا۔ بلکہ ایک طرح سے وہ یہ کہہ رہا تھا کہ ''تمہاری محدود سوچ کی وجہ سے مَیں نے تُم سے یوں بھی کہا تھا۔ اُس وقت تمہارا بچپن کا دور تھا مگر اب تُم بڑے ہو چکے ہو اور اب تمہیں خدا اور اُس کے مقاصد کو زیادہ گہرائی سے سمجھنا چاہیے۔ خدا اپنی حقیقی فطرت کی جانب تمہاری رہنمائی کر رہا ہے اور اب تُمہیں اپنی محدود سوچ میں ہی نہیں رہنا چاہیے۔''

ہم میں سے بیشتر لوگ اب بھی پرانے عہد نامے کی بہت سی باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں! یہ بات سچ ہے کہ پرانے عہد نامے میں گناہوں کو ختم کرنے کی بجائے اُن کی معافی پر بڑا زور دیا جاتا ہے، مگر مسیح کی زندگی اور تعلیم کے ذریعے انجیل کا واضح شعور حاصل ہوتا ہے اور اُس کے رُسول اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ انجیل کسی انسان

کے گنہگارانہ اعمال کو نظر انداز کرنے کی بجائے گناہ اور گناہ کی فطرت کو ختم کرنے پر مبنی ہے جبکہ پرانے عہد نامے میں گنہگارانہ اعمال کو نظر انداز کرنے پر زور دیا جاتا تھا۔ پرانے عہد نامے میں اگر کوئی شخص چوری کر لیتا تھا تو اُسے اِس عمل کی یوں معافی ملتی تھی، وہ شخص ایک برّہ لاتا اور اُس پر اپنا ہاتھ رکھ کر یوں کہتا ''مَیں معافی مانگتا ہوں کہ مَیں نے چوری کی ہے''۔ پھر وہ اُس برّے کو ذبح کرتا اور اُس کا انفرادی گناہ معاف ہو جاتا مگر اُس کے دل میں لالچ بھی ہوگا اور اُس نے اپنے ہمسایے کی بیوی کو بُری نگاہ سے بھی دیکھا ہوگا۔ ایسی قربانیاں کبھی بھی گناہ کو ختم نہ کر سکیں اُن کے ذریعے صرف انسان کے غلط کاموں کے بارے میں افسوس کا اظہار ہوتا تھا۔

اصل مسئلہ

پرانے عہد نامے میں انسان سے سرزد ہونے والی خطا کو ہی گناہ سمجھا جاتا تھا مگر نئے عہد نامے میں گناہ کی مزید تشریح کی گئی ہے۔ نئے عہد نامے میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہم کیا کر رہے ہیں مثلاً چوری کرنا یا قتل کرنا یا جھوٹ بولنا بیشک یہ کام بھی نہیں ہونے چاہیے مگر ہمیں اصل جڑ کو اکھاڑنا چاہیے کیونکہ اِسی جڑ کی وجہ سے ایسے اعمال سرزد ہوتے ہیں۔ یسوع نے مندرجہ ذیل حوالے میں اس بات کو واضح کیا ہے:

''پھر اُس نے کہا جو کُچھ آدمی سے نِکلتا ہے وہی اُس کو ناپاک کرتا ہے کیونکہ اندر سے یعنی آدمی کے دِل سے بُرے خیال نِکلتے ہیں۔ حرام کاریاں۔ چوریاں۔ خُون ریزیاں۔ زنا کاریاں۔ لالچ۔ بدیاں۔ مکر۔ شہوت پرستی۔ بدنظری۔ بدگوئی۔ شیخی۔ بیوقُوفی۔ یہ سب بُری باتیں اندر سے نِکل کر آدمی کو ناپاک کرتی ہیں۔'' مرقس 7:20-23

ایک دفعہ مَیں نے ایک ایسی عورت کی کہانی سُنی جو ہر ہفتہ وار دُعائیہ عبادت میں جایا کرتی تھی اور مسلسل ایک ہی دُعا مانگا کرتی تھی۔ ہر ہفتے وہ یہی دُعا مانگا کیا کرتی تھی ''اے خداوند! میرے دل سے ہر قسم کا جالا اُتار دے۔'' شروع شروع میں تو بہت سے لوگ اس دُعا کے اختتام پر آمین کہا کرتے تھے، لیکن جب ہر ہفتے، ہر مہینے یہی دُعا کی جاتی رہی تو بہت کم لوگ آمین کہتے تھے اور زیادہ تر لوگ خاموش ہی رہتے تھے۔ بالآخر ایک شام جب کسی اور بھائی نے دُعا کی تو اُس نے یوں دُعا کی ''اے خداوند! اُس مکڑی کو مار دے جو ہماری بہن کے دل پر جالا بنا رہی ہے!''

اصل مسئلہ جالا نہیں تھا بلکہ اصل مسئلہ مکڑی تھی۔ انسان کی طرف سے کیے جانے والے بُرے اعمال یا احساسِ ندامت اصل مسئلہ نہیں ہیں بلکہ اصل مسئلہ ہماری فطرت کا ہے کیونکہ اِسی کی وجہ سے یہ بُرے اعمال ہم سے سرزد ہوتے ہیں۔ ہمارے اعمال تو محض ہماری فطرت کا تاثر ہوتے ہیں۔

یہ بات بالکل دُرست ہے کہ روزِ آخرت میں ہمارے اعمال کی بنا پر ہی ہمارا انصاف کیا جائے گا۔ مگر ہمارے اعمال ہی اصل مسئلہ نہیں ہیں بلکہ اُن اعمال کے تو ذریعے ہماری اصل فطرت ظاہر ہوتی ہے۔ ان اعمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان میں گنہگار نفسانی فطرت ہوتی ہے یا پھر انسان میں نئے سرے سے پیدا ہونے کے بعد ملنے والی مسیح کی فطرت ہوتی ہے۔ ہمارے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا مگر ہمارے اعمال ہمیں نہ تو بچائیں گے اور نہ ہی ہلاک کریں گے بلکہ مسیح کے ساتھ ہمارا رشتہ ہمیں بچائے گا۔ ہم میں نفسانی فطرت یا پھر رُوحانی فطرت ہوتی ہے۔

پرانے عہدنامے میں خدا نے اپنی سچائی کو ڈھکے چھپے انداز میں پیش کیا تھا۔ خدا لوگوں کو یہ سکھا رہا تھا کہ گناہ کے سبب ہی موت آتی ہے۔ ہر گناہ کے بدلے میں ایک جانور کو مرنا پڑتا۔ لیکن بائبل مقدس بتاتی ہے کہ بھیڑوں اور بیلوں کا خون گناہ سے چھٹکارا نہیں دلا سکتا۔ معافی سے اصل مسئلہ حل نہ ہوا، اِس نے اصل مسئلے کا علاج نہ کیا، اِس نے صرف اس حقیقت کو آشکارہ کیا تھا کہ یہ بڑا اہم مسئلہ ہے۔ نئے عہد نامے کی بدولت ہی ہم اصل مسئلے کو سمجھ سکتے ہیں۔ خدا ہمارے بُرے اعمال کو منسوخ کرنے کی کوشش نہیں کر رہا بلکہ خدا اِن کی اصل جڑ اور اس میں موجود اصل مرض کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

یسوع کو کیوں مرنا پڑا؟

اِسی وجہ سے یسوع کو مرنا پڑا۔ اِسی وجہ سے اُسے ہماری مانند کمزور انسان بننا پڑا۔ اِسی وجہ سے اُس نے الوہیت کو انسانیت کے ساتھ متحد کیا تا کہ وہ الٰہی فطرت کے ساتھ گناہ پر فتح پائے اور انسانی فطرت میں اِسے ختم کرے، یوں ایسی نئی انسانی زندگی حاصل کرے جس میں گناہ کو شکست ملی ہو۔

اب وہ یوں کہتا ہے ''میرے پاس زندگی ہے، کیا تُم زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو؟'' اگر ہم اُس پر اعتقاد رکھیں اور اُس کے ساتھ جُڑے رہیں تو یہ ہماری ہو سکتی ہے۔ یسوع ہمارے لیے وہ کام کرنے آیا جسے ہم کرنے سے قاصر تھے۔ بائبل مقدس میں رومیوں 3:8، 4 میں یوں مرقوم ہے،

''اِس لئے کہ جو کام شریعت جسم کے سبب سے کمزور ہو کر نہ کر سکی وہ خُدا نے کِیا یعنی اُس نے اپنے بیٹے کو گُناہ آلُودہ جسم کی صُورت میں اور گُناہ کی قربانی کے لئے بھیج کر جسم میں گُناہ کی سزا کا حُکم دیا تا کہ شریعت کا تقاضا ہم میں پُورا ہو جو جسم کے مُطابق نہیں بلکہ رُوح کے مُطابق چلتے ہیں'' (رومیوں 4,3:8)

بے شک پولس یوں کہہ اُٹھا کہ ''خدا کے انمول تحفے کے لیے اُس کا شکر ہو!'' خدا نے ہمیں اپنے بیٹے کے ذریعے ہمیشہ کی زندگی اور موجودہ زندگی مہیا کی ہے۔ یہ خدا کا تحفہ ہے یعنی الٰہی زندگی کا تحفہ اور انسان کو ایسا نیا باپ مل گیا

جس نے نسلِ انسانی کو نجات دلائی ہے اور جس نے ہمارے جگہ پر فتح حاصل کی اور وہ ہمیں اس فتح مند زندگی کا تحفہ مفت عطا فرماتا ہے۔

کیا ہم اپنی کوشش سے کسی حبشی کے رنگ کو تبدیل کر سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنی کوشش سے کسی چیتے کے جسم پر موجود نشانات کو مٹا سکتے ہیں؟ صرف خدا ہی ایسا معجزہ کر سکتا ہے۔ کوئی بھی انسان ایسا نہیں کر سکتا۔ اُس نے نجات ہمارے ہاتھوں میں نہیں دی، اُس نے یہ میرے ہاتھ میں بھی نہیں دی کیونکہ مَیں اپنے طور پر اِسے مہیا نہیں کر سکتا مگر مَیں خدا کے بیٹے کے لیے خدا کا شکر کرتا ہوں۔

ہم سب کو آدم کے ذریعے لعنت ملی۔ اُس کے کاموں نے ہم سب کو لعنتی بنا دیا مگر خدا فرماتا ہے ''مَیں اپنے بیٹے کو اس لیے نہیں بھیج رہا کہ وہ دُنیا کو مجرم ٹھہرائے بلکہ وہ دُنیا کو بچائے۔ جو کام تُم خود اپنے لیے نہیں کر سکتے مَیں وہ تمہارے لیے خود کروں گا اور مَیں تُم سے یہی چاہتا ہوں کہ تُم ایمان رکھو۔'' حیران کُن بات یہ ہے کہ سب سے حقیر انسان بھی ایمان رکھ سکتا ہے۔ ہم سب میں یہ صلاحیت ہے۔ ہم خدا کے کلام کو پڑھ سکتے ہیں اور اس پر ایمان رکھ سکتے ہیں اور وہ یوں فرماتا ہے ''اگر تُم اس بات پر ایمان رکھو کہ مَیں نے اپنے بیٹے کے ذریعے تمہارے لیے کیا کیا ہے اور اگر تُم میرے فضل اور تحفے کو قبول کرو تو تُم نجات پاؤ گے۔''

جب ہم شریعت یعنی پرانے عہد نامے کے تناظر میں سوچتے ہیں تو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ نجات کا دارومدار قانونی معاملات پر ہے۔ شریعت کسی بھی انسان کو نفسانی انسان ہونے کا مجرم نہیں ٹھہرا سکتی بلکہ یہ اُسے گناہ پر مبنی کام کرنے کا مجرم ٹھہرا سکتی ہے۔ شریعت ہمیں یہ نہیں پوچھتی کہ ہم کیا ہیں یا ہمارے ذہنوں میں کیا ہے بلکہ یہ پوچھتی ہے کہ ''تُم نے کیا کیا ہے؟'' اور یہ انسان سے سرزد ہونے والے غلط کاموں کو مجرم ٹھہراتی ہے۔ یوں شریعت ہمیشہ ہماری فطرت کی بجائے ہمارے اعمال کے تناظر میں ہمارا جائزہ لیتی ہے۔ جب ہم شریعت کے ذریعے خدا سے رابطہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم ناکام ہو جاتے ہیں اور پھر ہمیں قانونی تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں۔ ہمیں مسیحیت میں پائی جانے والی ہر بات کو قانونی تقاضے کے مطابق کرنا پڑتا ہے اور بالآخر ہمارے خیالات کی بنیاد بھی وہی رہتے ہیں۔

خدا کا معجزہ

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ شریعت کو ماننے کی بات نہیں ہو رہی بلکہ یہ کہ خدا ہماری فطرت کو تبدیل کرتا ہے۔ یہ ایسا معجزہ ہے جِسے صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔ جب مَیں نے ''راستبازی بذریعہ ایمان'' کے موضوع پر غور کرنا

شروع کیا تو کسی نے مجھے یوں کہا'' کیا تُم جانتے ہو کہ مَیں اس وقت کیا محسوس کر رہا ہوں؟ مَیں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ بے شمار مسیحی نئی پیدایش کا انکار کر رہے ہیں۔ وہ تو نجات بذریعہ تعلیم پر ایمان رکھتے ہیں۔'' جب اِس بات پر مزید بحث ومباحثہ ہوا تو مجھے یہ بات حقیقت لگی۔ لوگ عموماً یہ سکھاتے ہیں کہ اگر آپ کو بچپن سے ہی دُرست سمت میں چلنے کی تعلیم دے دی جائے گی تو تُم راستبازی میں ترقی کرتے جاؤ گے۔ مگر یسوع نے پھر یہ کیوں کہا تھا کہ'' جب تک کوئی نئے سرے سے پیدا نہ ہو وہ آسمان کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوسکتا۔'' کلامِ خدا فرماتا ہے کہ ہمیں نئے سرے سے پیدا ہونا چاہیے کیونکہ پہلے ہم خدا کے دشمن کی حیثیت میں پیدا ہوئے ہیں۔ نفسانی سوچ خدا اور اُس کی مرضی کے تحت نہیں ہوگی اور نہ ہی ہوسکتی ہے۔

مسیحی زندگی ایک معجزہ ہے۔ یہ خدا کا کام ہے اور اُس کے رُوح القدس کی بدولت ہی یہ حقیقی طور پر ہمیں مل سکتی ہے۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمارا واسطہ الٰہی باتوں سے ہوگا۔ مسیحیت ایسا مذہب نہیں ہے جس کے لوگ مخصوص قسم کی فلاسفی کا مطالعہ کر کے اخلاقیات کی بلندی کو حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ دوسرے مذاہب کی نسبت مسیحیت کی تعلیم میں زیادہ اخلاقیات پائی جاتی۔ مسیحیت کا خدا معجزات کا خدا ہے اور اُس کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ وہ کسی بھی گنہگار انسان کو برگزیدہ انسان میں تبدیل کر دیتا ہے۔

آدم کے وسیلے گناہ آیا اور مسیح کی بدولت راستبازی آئی۔ اب مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ پہلے موت تھی مگر مسیح زندگی لایا، پہلے سزا تھی مگر مسیح راستبازی لایا۔

پھر شریعت کیوں؟

اب سوال یہ ہے کہ'' پھر شریعت کیوں؟'' اگر موت اور سزا کا مسئلہ حل صرف مسیح کے وسیلے حل ہو چکا ہے تو پھر شریعت کا کیا مقصد ہے؟ رومیوں 20:5 میں یوں مرقوم ہے،

'' اور بیچ میں شریعت آ موجود ہوئی تا کہ گُناہ زیادہ ہو جائے مگر جہاں گناہ زیادہ ہوا وہاں فضل اُس سے بھی نہایت زیادہ ہوا'' (رومیوں 20:5)

دوسرے لفظوں میں انسان کو آدم کی گناہ کی وجہ سے لعنتی ٹھہرا۔ آدم کی غلطی نے ہمیں مجرم ٹھہرایا۔ ہم سب اِس'' گناہ'' کے اثرات کو محسوس کرتے ہیں۔ مگر شریعت اِس وجہ سے آئی تا کہ گناہ میں مزید اضافہ ہو جائے۔ آدم کے گناہ کی وجہ سے تمام انسانوں پر سزا واجب ہوئی۔ تمام انسان نفسانی بن گئے اور ان میں صرف گنہگار کام کرنے کی صلاحیت رہی۔ مگر زیادہ تر لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ خدا شریعت کو اس لیے لایا تا کہ ہم پر یہ ظاہر کرے کہ ہمارا رویہ کیسا ہونا چاہیے اور

اِسی وجہ سے شریعت ہمیں یوں کہتی ہے ''تمہیں یہ کرنا چاہیے'' اور ہم یہ جواب دیتے ہیں ''مَیں کروں گا، مَیں ضرور ایسا کروں گا''، مگر ہم نہیں کر سکتے اور پھر ہمیں یہ پتا چلتا ہے کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔ اور یوں جواب دیتے ہیں ''مَیں نہیں کر سکتا، مَیں ایسا بالکل نہیں کر سکتا'' اور پھر شریعت ہماری اُستاد بن جاتی ہے جو ہمیں مسیح کے پاس لے جاتی ہے۔

کاش کہ خدا ہماری مدد فرمائے تا کہ ہم اُس مقام پر پہنچ سکیں جہاں ہم یہ بات سمجھ جائیں کہ جب شریعت ہمیں یہ کہتی ہے کہ ''تمہیں یہ کرنا چاہیے'' تو ہم مسیح سے رابطہ کریں۔ ہمیں شریعت کو ماننا ترک نہیں کرنا چاہیے ورنہ ہم اُس راستے پر چل نکلیں گے جہاں مایوسی، پریشانی، خالی پن اور موت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ شریعت کا مقصد ہماری رہنمائی مسیح کی طرف کرنا ہے اور اِسی وجہ سے یہ آموجود ہوئی ہے تا کہ ہم بذریعہ ایمان راستبازی حاصل کریں۔ پس شریعت کا ایک خاص مقصد ہے، یہ خدا کے منصوبے میں نمایاں مقام رکھتی ہے مگر اِس کا یہ مقام ہمیں بچاتا نہیں بلکہ ہمیں مسیح کے پاس لاتا ہے تا کہ ہم یہ سمجھ سکیں کہ ہم اپنے طور پر نااہل اور کمزور ہیں اور ہمیں مسیح کے پاس جانا چاہیے۔

انصاف

اگر ہم پرانے عہد نامے کی بنیاد پر بہانے بناتے رہیں تو پھر ہمارے ذہن میں یہ سوال اُبھرتا ہے ''معافی کے خلاف کیا چیز ہے؟'' اگر پرانے عہد نامے کے مطابق انسان کو معافی نہیں ملتی جن میں ہم انصاف اور قانونی معاملات کی بات کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ انصاف انسان کی سزا کا مطالبہ کرتا ہے۔ اگر کسی انسان کو معافی نہ ملے تو پھر انصاف اپنی کاروائی پوری کرے گا۔ انسان کے ساتھ انصاف کیا جائے گا کیونکہ کوئی انسان دوسرے انسان کے دل کو تبدیل نہیں کر سکتا، لہٰذا ہمیں اِس کو انصاف پر مبنی کاروائی کرنی پڑے گی۔ قانونی نظام میں کوئی خرابی نہیں ہے کیونکہ بائبل مقدس فرماتی ہے کہ خدا نے اُسے اس لیے مقرر کیا ہے تا کہ اُس کی بدولت بدی کے بارے میں ڈر پیدا ہو۔ جب لوگوں میں فطری طور پر نیکی کرنے کا رجحان نہیں ہوتا تو پھر قوانین کے ذریعے اُن کی اصلاح اور قانون کو برقرار رکھا جاتا ہے۔

شریعت اُس انسان کے لیے ہے جو فطری طور پر اِس کا مخالف ہے، کیونکہ شریعت راستباز انسان کے لیے نہیں ہے (1 تیمتھیس 1:9) لیکن اگر ہم قانونی نقطہ نظر سے دیکھیں تو ہمیں یہ پتا چلے گا کہ معافی کا مخالف انصاف اور سزا ہے۔ اِسی قانونی طریقہ کار کے مطابق اس دُنیا کا نظام چلتا ہے۔

فرض کریں کہ کسی نے چالیس برس پہلے کسی شخص کو قتل کیا تھا اور قتل کرنے کے بعد وہ شخص مسیحی بن گیا اور اُس کی زندگی تبدیل ہوگئی اور اچھا شہری بن گیا۔ قتل کرنے والے سبھی خیالات اُس کے دماغ سے ختم ہوگئے۔ چالیس سال

بعد پولیس کو یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس نے کافی عرصہ پہلے کسی کو قتل کیا تھا۔ اُس شخص کے ساتھ کیا ہوگا؟ اُسے مجرم ٹھہرایا جائے گا اور ممکنہ طور پر پھانسی دی جائے گی۔ وہ اب کیا ہے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا بلکہ چالیس سال پہلے ہونے والے گناہ کی وجہ سے اُسے مجرم ٹھہرایا گیا ہے۔ انصاف کا کام یہ ہے کہ وہ شریعت کا تقاضا پورا کرے۔

جب لوگ محض قانونی بنیاد پر ہی باتوں کو پرکھتے ہیں تو وہ اپنی محدود فطری سوچ کے ساتھ اپنے رویوں اور مقاصد کو خدا کی مرضی کے ماتحت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اِسی قسم کی غلط فہمی کی وجہ سے ایسے عقیدے نے جنم لیا ہے مثلاً ''ہمیشہ جلتی ہوئی آگ''۔ جو لوگ اس قسم کی خطرناک تعلیم دیتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ خدا کی عدالت ایسی ہے کہ اگر کوئی الزام ہم پر لگتا ہے اور آپ یوں نہیں کہتے کہ ''مَیں معافی چاہتا ہوں'' تو خدا آپ کو ایسی آگ میں پھینک دے گا جو ہمیشہ تک جلتی رہے گی۔ وہ کہتے ہیں کہ ''یہی تو انصاف کا تقاضا ہے!'' ''انصاف'' کتنا ظالم ہے، یہاں تک کہ خدا کو بھی اِسے ماننا پڑتا ہے اور اُسے بھی اپنی محبت اور رحم بھری فطرت کے برعکس کام کرنے پڑتے ہیں۔ جب ہم عظیم کشمکش اور نجات کے منصوبے کو قانونی تناظر میں دیکھتے ہیں تو یہی مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

پرانے عہدنامے میں گنہگارانہ اعمال اور اُن کی سزائیں تھیں۔ اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ کوہ سینا پر شریعت ملی اور جہاں شریعت ہوتی ہے وہاں سزائیں بھی ہونی چاہیے۔ اگر شریعت ہو تو سزا بھی ملتی ہے، اس وجہ سے جب خدا نے شریعت کا نظام رائج کیا تو اُس نے اِس کے ساتھ سزائیں اور عدالتی نظام بھی متعارف کروایا مگر اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ خدا اِسے اعمال اور نتائج کے تحت چلا رہا ہے۔

آدم نسل انسانی میں گناہ اور موت لایا۔ گناہ کے نتیجے میں خدا سے دُوری ملتی ہے، اور یہ دُوری ابدی ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے۔ پس گناہ ہمیں مارتا ہے اور ہمیں دُکھ دیتا ہے یا اذیت پہنچاتا ہے بلکہ یہ ہمیں مار دیتا ہے کیونکہ اس کے وسیلے ہم میں اور خدا میں رکاوٹ حائل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے ابدی ہلاکت ملتی ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدا ہم سے دُور ہو گیا ہے۔

اگر ہم بائبل مقدس میں سے ایسے لوگوں پر غور کریں جو کبھی نہ مرے مثلاً حنوک اور ایلیاہ، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایسے لوگ تھے جن کے گناہوں کو خدا نے مٹا دیا۔ موسیٰ بھی تقریباً اِسی فہرست میں شامل ہونے والا تھا جو نہ مرے مگر اُس کے گناہ کی وجہ سے خدا نے اُسے موعودہ سرزمین میں داخل نہ ہونے دیا۔ خدا نے اُسے یہ سبق سکھانا تھا کہ گناہ چاہے چھوٹا ہی ہو ہمیں تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ پس موسیٰ کو بھی مرنا پڑا تاکہ اِس سے ہمیں سبق ملے۔

جب ہم انصاف کے بارے میں سوچتے ہیں تو عموماً ہمارے ذہن میں کونسے نظریات آتے ہیں؟

1۔ سزا: ہم اِسے انصاف سے جوڑتے ہیں اور سزا کیا ہوتی ہے؟ کسی کو غلط کام کی وجہ سے دُکھ دینا سزا کہلاتی ہے۔

2۔ بدلہ لینا: ہم انصاف کو بدلہ لینے کے ساتھ بھی جوڑتے ہیں، یعنی غلط کاموں کی وجہ سے ملنے والا دُکھ۔

3۔ انتقام لینا: تب انتقام لینے کی باری آتی ہے۔ کسی دوسرے کو دُکھ دے کر اچھا محسوس کرنا، انتقام کہلاتا ہے۔

یہ وہ تمام باتیں ہیں جنہیں ہم خدا سے منسوب کر چکے ہیں کیونکہ ہم خدا کو عدالتی انداز میں سمجھتے ہیں۔ تمام لوگ ان باتوں کو خدا سے منسوب کرتے ہیں اور وہ مرتے دم تک خدا سے ڈرتے رہتے ہیں اور اُسے خوش کرنا چاہتے ہیں تاکہ خدا اُنہیں سزا نہ دے اور خدا اُن سے انتقام نہ لے۔ وہ سوچتے ہیں کہ اِن کے بُرے اعمال کی وجہ سے خدا اِنہیں دُکھ پہنچاتا ہے، وہ یہ سوچتے ہیں کہ اِن کے گناہوں کی وجہ سے خدا اِنہیں سزا دیتا ہے اور وہ یہ بھی سوچتے ہیں کہ ہمیں دُکھ دے کر خدا کو اچھا محسوس ہوتا ہے۔ وہ یہ بات بالکل بھی نہیں سمجھتے کہ خدا کا دل زخمی ہے اور اُس سے لہو بہہ رہا ہے اور وہ اپنی بانہیں پھیلائے ہوئے یوں کہہ رہا ہے کہ ''میرے پاس آؤ اور زندگی پاؤ، کیا تُمہیں پتا نہیں ہے کہ مَیں تم سے محبت رکھتا ہوں اور مَیں تمہارے گناہوں کو ہمیشہ کے لیے مٹا دینا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری اور میری پریشانی ختم ہو جائے؟''

خدا کی اصل تصویر

نئے عہد نامے میں ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع بڑی محنت کرتا ہے تاکہ خدا کے بارے میں ہمیں دُرست آگاہی حاصل ہو اور ہم اِن حقائق کو بہتر طور پر سمجھ سکیں:

''کیونکہ خُدا نے بیٹے کو دُنیا میں اِس لئے نہیں بھیجا کہ دُنیا پر سزا کا حکم کرے بلکہ اِس لئے کہ دُنیا اُس کے وسیلہ سے نجات پائے۔ جو اُس پر ایمان لاتا ہے اُس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا'' (یوحنا 3:17-18)

جو ایمان نہیں لاتا وہ مجرم ٹھہرایا جاتا ہے مگر وہ خدا کی طرف سے مجرم نہیں ٹھہرایا جاتا۔ خدا اُسے کبھی بھی مجرم نہیں ٹھہراتا بلکہ خدا کے بارے میں اُس کی اپنی ہٹ دھرمی، بے اعتقادی اُسے موت کی مجرم ٹھہراتی ہے، وہ خدا کے بغیر زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے، وہ زندگی میں کشمکش کا شکار رہتا ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ خدا اُس کے حق میں ایسا چاہتا ہے بلکہ خدا اُن لوگوں کو بچا نہیں سکتا جو خدا کے پاس نہیں آنا چاہتے۔ لوقا 9:52-55 میں ہم یوں پڑھتے ہیں،

''... وہ جا کر سامریوں کے ایک گاؤں میں داخل ہوئے تاکہ اُس کے لئے تیاری کریں لیکن اُنہوں نے اُس کو ٹکنے نہ دیا کیونکہ اُس کا رُخ یروشلیم کی طرف تھا۔ یہ دیکھ کر اُس کے شاگرد یعقوب اور یوحنا نے کہا اَے خُداوند کیا تُو چاہتا ہے کہ ہم حکم دیں کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر اُنہیں بھسم کر دے [جیسا ایلیاہ نے کیا]؟ مگر اُس نے پھر کر

اُنہیں جھڑکا[اور کہا تُم نہیں جانتے کہ تُم کیسی رُوح کے ہو‘‘(لُوقا9:52-55)

ایلیاہ کے زمانے میں آسمان سے کس نے آگ نازل کی تھی؟ خدا نے ایسا کیا تھا۔اب شاگرد یسوع کے پاس آتے ہیں اور یہی کچھ چاہتے ہیں کیونکہ وہ سامری لوگ خدا کے بیٹے کو رد کر رہے تھے۔اُنہوں نے سوچا کہ وہ بھی ایلیاہ کی مانند راستباز ہیں مگر یسوع نے اُنہیں یہ کہتے ہوئے بڑی سختی سے جھڑکا’’کہا تُم نہیں جانتے کہ تُم کیسی رُوح کے ہو‘‘۔

لیکن اگر ایلیاہ کے دور میں ایسا کرنا ٹھیک تھا تو پھر شاگردوں کے دور میں یہ غلط کیوں تھا؟ کیا خدا بدل جاتا ہے؟ جی نہیں وہ تبدیل نہیں ہوتا۔ پرانے عہد نامے میں خدا اہم سبق سکھانا چاہتا تھا،اس سلسلے میں اُس نے ایسے نمایاں کام کیے جنہیں سمجھنا آسان نہیں تھا۔اُس نے اپنے مقرر کردہ نظام کے مطابق ہی یہ سب کچھ کیا۔شریعت سزا کا تقاضا کرتی ہے اور وہ سزا ملنی چاہیے ورنہ شریعت کے نظام کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔اِسی وجہ سے موسیٰ کو مرنا پڑا کیونکہ موعودہ سرزمین میں داخل ہونے سے کچھ دیر پہلے اُس نے شریعت کو توڑا تھا۔اس کے باوجود ہمیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اگرچہ موعودہ نظام کے تحت موسیٰ موعودہ سرزمین کو دیکھے بغیر ہی مر گیا مگر فضل کے نظام کے تحت اُسے آسمانی اجر مل گیا!

خدا نے پرانے عہد کے تحت لوگوں سے سلوک کیا کیونکہ یہ بات اُن کے شعور اور مذہب کے لیے ضروری تھی اور وہ لوگ اُسی نظام کے تحت چل رہے تھے۔مگر اب یسوع آسمانی بادشاہت کو متعارف کروانا تھا۔وہ خدا کی فطرت،کردار اور طریقوں کو واضح کر رہا تھا اور یسوع نے اپنے شاگردوں کو بتایا کہ یہ باتیں حقیقی طور پر کیسی ہیں۔بنیادی طور پر یسوع اُنہیں یہ کہہ رہا تھا کہ’’پرانے عہد نامے میں کیا ہو رہا تھا تمہیں نہیں پتا۔تُمہارا خیال ہے کہ یہ خدا کا رویہ اور خدا کی سوچ تھی مگر خدا اپنے بارے میں بالکل بھی ایسا نہیں چاہتا تھا۔جب اُس نے ماضی میں ایسا کیا تھا تب بھی اُسے صدمہ پہنچا تھا،ایسا کر کے اُسے بڑا دُکھ ہوا تھا لیکن اب مَیں اُن طریقوں سے لوگوں کو سکھا رہا ہوں۔اب حقیقت جاننے کا وقت ہے اور اب یہ سمجھنے کا وقت ہے کہ حقیقت میں خدا کیسا ہے۔‘‘

آیئے دیکھتے ہیں کہ علامت اور اصلیت میں کیا فرق ہے۔اگر ہم اِس بات کو نہیں سمجھتے کہ پرانے عہد کے تحت کیا ہو رہا تھا تو پھر ہم بڑی اُلجھن میں پھنس جاتے ہیں اور ہم خدا کو شریعت پرستی والا خدا سمجھنے لگتے ہیں جو کبھی بار تو مہربان ہوتا ہے مگر بعض اوقات وہ بڑا ظالم اور جابر بن جاتا ہے۔

ہمارا خدا ایسا نہیں ہے۔یہ بات سچ ہے کہ خدا نے پرانے عہد میں لوگوں کو مارا تھا۔یہ بات سچ ہے کہ اُس نے ہزاروں لوگوں کو مارنے کا حکم دیا تھا۔بے شک ان باتوں کو بائبل کا کوئی بھی طالب علم رد نہیں کر سکتا۔لیکن جب

ہم اس بات کو محسوس کرتے ہیں کہ پرانے عہد کا سارا نظام ہی علامتی تھا یعنی یہ مشابہ اور سکھانے کا ذریعہ تھا تو پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ پرانے عہد نامے میں خدا کا رویہ اُس کے اصل کردار کی ترجمانی نہیں کرتا اور پرانے عہد نامے میں اُس کی طرف سے دیئے جانے والے بہت سے احکام کا تعلق ابدی باتوں سے نہیں تھا۔ مثلاً جب موسیٰ کوہِ حورب پر مر گیا تو یہ شدید گناہ کا نتیجہ تھا مگر موسیٰ کی ابدی منزل یہ نہ تھی۔ خدا نے خود موسیٰ کو زندہ کیا اور اُسے ہمیشہ کی زندگی عطا کی۔ موسیٰ کی اصل منزل شریعت کی حکم عدولی کرنے کی وجہ سے کوہِ حورب پر مرنا اُس کی ابدی ہلاکت نہ تھی بلکہ خدا کے فضل سے ملنے والی ابدی زندگی اُس کی ابدی زندگی تھی۔ اُس نظام اور اُس زمانے میں ایسے بے شمار واقعات پائے جاتے ہیں۔ اِسی لیے جب ہم لوگوں کی اصل منزل کا اندازہ لگاتے ہیں تو ہم اسے شریعت کے نظام یا پرانے عہد میں خدا کے کاموں کی بجائے خدا کی محبت اور فضل کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

''کیونکہ تُم کو غلامی کی رُوح نہیں مِلی جس سے پھر ڈر پیدا ہو بلکہ لے پالک ہونے کی رُوح مِلی جس سے ہم ابّا یعنی اے باپ کہہ کر پکارتے ہیں۔ رُوح خود ہماری رُوح کے ساتھ مِل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خُدا کے فرزند ہیں'' (رومیوں 8:15-16)

''تُم اُس پہاڑ کے پاس نہیں آئے جس کو چھونا ممکن تھا اور وہ آگ سے جلتا تھا اور اُس پر کالی گھٹا اور تاریکی اور طوفان اور نرسنگے کا شور اور کلام کرنے والے کی ایسی آواز تھی جس کے سُننے والوں نے درخواست کی کہ ہم سے اور کلام نہ کیا جائے کیونکہ وہ اس حکم کی برداشت نہ کر سکے کہ اگر کوئی جانور بھی اُس پہاڑ کو چھوئے تو سنگسار کیا جائے اور وہ نظارہ ایسا ڈراؤنا تھا کہ موسیٰ نے کہا میں نہایت ڈرتا اور کانپتا ہُوں۔ بلکہ تُم صیون کے پہاڑ اور زندہ خُدا کے شہر یعنی آسمانی یروشلیم کے پاس اور لاکھوں فرشتوں اور اُن پہلوٹھوں کی عام جماعت یعنی کلیسیا جن کے نام آسمان پر لکھے ہیں اور سب کے مُنصِف خُدا اور کامل گئے ہوئے راستبازوں کی رُوحوں اور نئے عہد کے درمیانی یسُوع اور چھڑکاؤ کے اُس خُون کے پاس آئے ہو جو ہابل کے خُون کی نِسبت بہتر باتیں کہتا ہے'' (عبرانیوں 12:18-24)

کیا آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ وہ ہمارا باپ ہے؟ کیا آپ یہ جانتے ہوئے کہ وہ لازوال محبت کا منبع ہے، وہی ہمارا دوست ہے، اُس سے آزادانہ اور بلا روک ٹوک بات کر سکتے ہیں؟ کیا آپ اس بات کو جانتے ہیں؟

ہم میں خوف پر مبنی رُوح نہ ہو، ہمارے عظیم خدا اور ہم میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ اُس سے محبت رکھیں، اُس کے ساتھ متحد رہیں اور اُس کے وعدوں پر بھروسہ کریں۔ اُس کے پاس ہمارے لیے جلالی چیزیں ہیں۔

ایمان کی اہمیت

باب نمبر22

راستبازی بذریعہ ایمان

ایمان کی بہترین تعریف عبرانیوں 1:11 میں پائی جاتی ہے۔ پولس اس باب کا آغاز ان الفاظ میں کرتا ہے،

''اب ایمان اُمید کی ہُوئی چیزوں کا اِعتماد اور اَن دیکھی چیزوں کا ثبوت ہے'' (عبرانیوں 1:11)

بہت کم لوگ ایمان کی وضاحت یا تفصیل اس انداز سے بیان کرتے ہیں۔ عموماً ایمان کی یہ تعریف کی جاتی ہے: ''کسی چیز کو بنا دیکھے پورے دل سے ماننا ایمان کہلاتا ہے۔'' بے شک اس وضاحت کی بھی کوئی وجہ ہے اور اسی لیے تو پولس کی طرف سے ایمان کی بیان کردہ تعریف میں ایک تجسس پایا جاتا ہے۔ اُس نے اس تعریف کا انتخاب کیوں کیا جو بڑی سوچی سمجھی اور مختصر ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہمیں کسی چیز کو جاننے پر مجبور کرتی ہے۔

حال ہی میں مَیں نے خود سے ایک سوال پوچھا جس نے پولس کی طرف سے بیان کردہ ایمان کی تعریف کو سمجھنے میں میری کافی مدد کی اور مَیں اِس آیت کو بہتر طور پر سمجھ سکا۔ وہ سوال یہ تھا ''تُم کیسے جانتے ہو کہ تُم مسیح میں ہو اور تُم میں مقدس رُوح ہے؟'' میرے کہنے کا مطلب ہے یہ کہ پنٹکُست کی مانند آگ کے شعلہ کی سی پھٹتی ہوئی زبانیں دکھائی نہ دیں، نہ ہی غیر زبانیں بولی گئیں، بہت سے لوگوں کو شفا بھی نہ ملی اور نہ ہی کوئی مُردہ زندہ ہوا۔ تو پھر مجھے کیسے پتا چلا؟ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ مَیں مسیح میں ہوں اور اُس نے مجھے زندگی مہیا کر دی ہے؟ یہ سوال دراصل میرا نہیں تھا؟ جب مَیں نے اس بارے میں بات کی تھی کہ مسیح میں ہونے کا کیا مطلب ہے اور مسیح میں کامل نجات کی سچائی سے خوشی محسوس کی تھی تو بہت سے لوگوں نے مجھ سے یہ سوال پوچھا ''اس کا کیا ثبوت ہے؟'' پس مجھ سے ایسے بھی سوال پوچھے گئے، تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟ تمہارے پاس اس کے کیا شواہد ہیں؟

ایمان ہی اس کا ثبوت ہے

پولس کی طرف سے بیان کردہ یہ وضاحت سوال کی مانند محض بنی بنائی دکھائی دیتی ہے۔ وہ کہتا ہے ''ایمان...ثبوت ہے۔'' مگر اس کا کیا مطلب ہے اور کیا اس کا کوئی جواز بنتا ہے؟ جب ہم یہاں پر ثبوت کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مُراد یہ ہے کہ ہمیں کوئی واضح اور نمایاں حقیقت دکھائی دینی چاہیے، ہم ایسے حقائق چاہتے

ہیں جو ہر کسی کو نمایاں طور پر دکھائی دیں۔ اگر ہم اس بات کا باریک بینی سے جائزہ لیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ یہاں پر پولس ''اندیکھی چیزوں'' کی بات کر رہا ہے۔ ایمان اندیکھی چیزوں کا ثبوت ہے۔ یہاں پر ہمیں کچھ تضاد دکھائی دیتا ہے۔ آج کی مادی دُنیا کے اعداد و شمار، حقائق پر مبنی زندگی گزارتے ہوئے ہم پولس کی اس بات کو سُن کر حیران رہ جاتے ہیں۔ مگر پولس علامتی یا تشبیہاً بات نہیں کر رہا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ رُوحانی حقائق (بشمول نئے سرے سے پیدا ہونا) کا اصل ثبوت ہے، یہ نہیں ہے جو کچھ ہم دیکھتے، محسوس کرتے یا چھُو سکتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے بارے میں لوگ اندازہ یا جائزہ لگا سکیں۔ ایمان ہی حقیقی ثبوت، اصل بات ہے۔

ایمان کی اس تعریف میں پولس شخصی ایمان کی بات کر رہا ہے۔ کیا اس تعریف میں میرے اُس سوال کا جواب ملتا ہے جو مَیں نے خود سے پوچھا تھا کہ ''انسان یہ بات کیسے جان سکتا ہے کہ وہ مسیح میں ہے؟'' میرا ماننا ہے کہ پولس کی طرف سے ایمان کی بیان کردہ تعریف میں اس سوال کا جواب ملتا ہے۔ اگر کوئی انسان خدا کے کلام پر ایمان رکھتا ہے تو پھر اُسے کسی قسم کے ثبوت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس بارے میں دُنیا بھر کے تمام ثبوت بھی خدا کے کلام کی سچائی کو ختم نہیں کر سکتے۔ ہماری آنکھیں، ہمارے احساسات ہمیں کچھ الگ بتا سکتے ہیں مگر خدا کا کلام سچائی ہے۔ یہی بات سچ ہے۔ جب ہم ایمان رکھتے ہیں تو کیا یہی ثبوت ہے؟ ایمان ہی اس کا ثبوت ہے۔ جب کوئی شخص ایمان رکھتا ہے تب اُسے یقین ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہے اور دُنیا کا کوئی بھی ثبوت اِس پر حاوی نہیں ہو سکتا یا اِس ثبوت کو جھٹلا نہیں سکتا۔ اگرچہ دُنیا بھر کے ثبوت ایمان پر مبنی باتوں کے برعکس دکھائی دیں مگر وہ شخص پورے دل سے ایمان پر مبنی ثبوت پر ایمان رکھے گا۔ 1 یوحنا 3:9 میں ہم یوں پڑھتے ہیں،

''جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا کیونکہ اُس کا تُخم اُس میں بنا رہتا ہے بلکہ وہ گُناہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے'' (1 یوحنا 3:9)

جب کوئی مسیحی اِس آیت کو پڑھتا ہے تو اُسے کیا کرنا چاہیے؟ وہ یوں کہتا ہے کہ ''اگر ایسا ہے تو مجھے گناہ سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے'' اور وہ گناہ نہ کرنے کی حتی الواسع کوشش کرتا ہے۔ کیا یہ انسان خدا کے کلام پر ایمان رکھتا ہے؟ کوئی دوسرا مسیحی اِسی آیت کو پڑھ کر یوں کہتا ہے ''اگر ایسا ہے تو پھر گناہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔'' وہ یہ سوچ کر خوشی سے معمور ہو جاتا ہے کہ مسیح میں ہوتے ہوئے وہ گناہ سے آزاد ہو چکا ہے اور وہ اس بات میں مسرور رہتا ہے کہ اُسے نجات مل چکی ہے۔ ان دونوں جوابات میں سے کونسا جواب ایمان پر مبنی جواب ہے؟ کونسا انسان حقیقی طور پر خدا کے

کلام پر ایمان رکھتا ہے؟

ایمان ثبوت ہے، ایمان ہی پختہ جواز ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ مَیں حقیقی طور پر یہ ایمان رکھتا ہوں کہ خدا کا کلام ہی میری ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ کسی ثبوت کو تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مَیں ایمان نہیں رکھتا اور یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ میرے پاس خدا کی وعدے کے مطابق دی ہوئی برکات نہیں۔

ایمان کی بدولت حاصل کردہ تحفہ

پس اس بات کی روشنی میں، ''راستبازی بذریعہ ایمان'' والی اصطلاح کی حقیقی اہمیت کیا ہے؟ پولس اس برکت کو یوں بیان کرتا ہے:

''یعنی خدا کی وہ راست بازی جو یسُوع مسیح پر ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ کچھ فرق نہیں'' (رومیوں 22:3)

کلامِ خدا ہمیں بتاتا ہے کہ ایسی راستبازی اُن سب کو حاصل ہوتی ہے جو محض ایمان رکھتے ہیں اور ایسا یسوع مسیح پر ایمان رکھنے سے ہوتا ہے۔ یہ آیت واضح ہے اور اِس میں بیان کردہ ساری بات بالکل عیاں ہے۔ جب کوئی انسان یسوع مسیح پر ایمان رکھتا ہے اور جب کوئی انسان خدا کے تحفے پر ایمان رکھتا ہے تو اُسی وقت اُس انسان کو یہ تحفہ حاصل ہو جاتا ہے۔ راستبازی خالصتاً اور مکمل طور پر خدا کی طرف سے ملنے والا ایسا تحفہ ہے جِسے وہ ایمان رکھنے والوں کو عطا کرتا ہے۔ پولس اِسی بات کو بڑے آسان الفاظ میں بیان کرتا ہے (رومیوں 4:4، 5)۔

بنیادی سوال یہ ہے کہ راستبازی کے اس تحفے کو حاصل کرنے میں کتنا وقت لگتا ہے؟ یہ تھوڑا مشکل سوال ہے کیوں کہ اس کی وجہ سے اکثر بحث چھڑ جاتی ہے اور اس بارے میں لوگ ایسی مختلف رائے بیان کرتے ہیں۔

ا۔ اگر ایمان رکھنے والے کو فوری طور پر راستبازی کا تحفہ مل جاتا ہے تو کیا وہ گنہگار انسان فوراً برگزیدہ انسان میں تبدیل ہو جاتا ہے؟ کیا وہ فوری طور پر نئی مخلوق بن جاتا ہے؟ کیا پرانی چیزیں جاتی ہیں اور وہ تمام چیزیں نئی بن گئیں؟

ب۔ کیا ایسا ہے کہ جب وہ ایمان رکھتا ہے تو خدا اُسے راستباز بنانے میں سرگرم عمل ہو جاتا ہے اور اس دوران وہ شخص جزوی طور پر راستباز ہوتا ہے، یعنی وہ کچھ حد تک گنہگار رہتا ہے اور کچھ حد تک برگزیدہ؟

ج۔ کیا خدا اُسے فوری طور پر راستباز مان لیتا ہے جبکہ حقیقی طور پر وہ راستباز نہیں ہوتا؟ (اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا اُسے نیک مان لیتا ہے جو حقیقت میں نیک نہیں ہوتا)۔

اگر راستبازی بذریعہ ایمان ہے اور صرف اور صرف ایمان کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور اگر یہ واقعی خدا کا تحفہ ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر خدا ایمان لانے والے شخص کو فوری طور پر یہ تحفہ مہیا کیوں نہیں کر دیتا؟ شاید خدا اِس تحفے کو فوری طور پر دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا وہ اِسے فوری طور پر دینا ہی نہیں چاہتا۔ ان میں کوئی بھی بات ٹھیک نہیں ہے۔ اگر راستبازی سو فیصد خدا کا تحفہ ہے تو پھر یہ بات دُرست، واضح اور بائبل مقدس پر مبنی دکھائی دیتی ہے کہ جب انسان ایمان لاتا ہے تو خدا یہ تحفہ انسان کو فوری طور پر مہیا کر دیتا ہے۔

کیا راستبازی فوراً حاصل ہو جاتی ہے؟

لیکن آیئے ایک اور اعتراض کی بات کرتے ہیں۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ کسی انسان کو فوری طور پر راستبازی حاصل ہو جائے تا کہ وہ فوری طور پر بد سے نیک انسان میں تبدیل ہو جائے؟ کیا کسی انسان کا کردار فوری طور پر تبدیل ہو سکتا ہے تا کہ اُس کی زندگی بھر کی بُری عادات ختم ہو جائیں اور اُسے نیا رویہ حاصل ہو جائے؟ ہمیں اس سوال کا جواب اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر نہیں بلکہ خدا کے کلام کی بنیاد پر دینا چاہیے۔ مندرجہ ذیل حوالہ بالکل واضح ہے اور اس سے ہماری غلط فہمی ختم ہو جاتی ہے۔

''اِس لئے اگر کوئی مسیح میں ہے تو وہ نیا مخلوق ہے۔ پرانی چیزیں جاتی رہیں۔ دیکھو وہ نئی ہو گئیں''
(2 کرنتھیوں 17:5)

بائبل مقدس کے بیشتر حوالہ جات میں اگر نئے سرے سے پیدا ہونے والے مسیحیوں کی راستباز زندگی کی بات کی جاتی ہے اور اگر گناہ پر فتح مند زندگی کی بات کی جاتی ہے تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اپنی بھرپور کوشش سے گناہ کا مقابلہ کر کے یا راستبازی کے مرحلے کو پورا کرنے سے یہ فتح مند زندگی حاصل ہوئی ہے۔ بالکل بھی نہیں، بلکہ راستباز زندگی کو، یک طرفہ اور رضا کارانہ عمل کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ آیئے اس بارے میں چند مثالوں پر غور کرتے ہیں۔

''کیا تُم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسُوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اُس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا؟ پس موت میں شامل ہونے کے بپتسمہ کے وسیلہ سے ہم اُس کے ساتھ دفن ہوئے تا کہ جس طرح مسیح باپ کے جلال کے وسیلہ سے مُردوں میں سے جلایا گیا اُسی طرح ہم بھی نئی زندگی میں چلیں۔ کیونکہ جب ہم اُس کی موت کی مُشابہت سے اُس کے ساتھ پیوستہ ہو گئے تو بیشک اُس کے جی اُٹھنے کی مُشابہت سے بھی اُس کے ساتھ پیوستہ ہوں گے۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پُرانی اِنسانیت اُس کے ساتھ اِس لئے مصلُوب کی گئی کہ گُناہ کا بدن

بے کار ہو جائے تا کہ ہم آگے کو گُناہ کی غلامی میں نہ رہیں۔ کیونکہ جو مواوہ گُناہ سے بری ہُوا'' (رومیوں 6:3-7)

غور کریں کہ ہماری آزادی صرف ایک حقیقت سے جُڑی ہوئی کہ ہم مسیح کے ساتھ موئے۔ ہماری پرانی انسانیت اُس کے ساتھ مصلوب ہوئی یعنی گناہ کا بدن بے کار ہو گیا!! اگر ایسا ہے تو پھر میرے اندر گناہ کیسے جیتا رہ سکتا ہے؟ اس کا منطقی جواب یہ ہے کہ جو مواوہ گناہ سے بری ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا ہم ایمان رکھتے ہیں؟ اس حوالے میں بیان ہوا ہے کہ ہم اپنے اچھے اعمال یا اپنی بہتر کردار سازی کی وجہ سے آزاد نہیں ہوئے بلکہ ایمان کے ذریعے مسیح کے ساتھ مرنے کے ذریعے آزاد ہوئے ہیں۔

''اُسی میں تمہارا ایسا ختنہ ہُوا جو ہاتھ سے نہیں ہوتا یعنی مسیح کا ختنہ جس سے جسمانی بدن اُتارا جاتا ہے'' (کلسیوں 2:11)

یہاں پر دوبارہ سے ہم یہ بات دیکھ سکتے ہیں کہ جسم کے گناہوں کو صرف ایک عمل کی بدولت ''اُتارا جاتا ہے''۔ مسیح کے ذریعے ہونے والے ختنے کی بدولت ایسا ہوتا ہے۔ اس ختنے میں گناہ کے بدن (نفسانی سوچ) کو اُتارا جاتا ہے اور اِسے پھینک دیا جاتا ہے۔ جب ہم مسیح کو قبول کرتے ہیں تو اس سے نہ صرف ہمیں خدا کی معموری حاصل ہوتی ہے بلکہ یہ ہمیں نفسانی انسانیت سے بھی آزاد کرتی ہے۔

یہاں علامتی طور پر ختنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ ختنے میں جسم کے اُس حصے کو کاٹ دیا جاتا ہے جس سے ناپاکی اور بیماری پیدا ہو۔ مسیح کی طرف سے کیے جانے والے رُوحانی ختنے میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ نفسانی سوچ، پرانی انسانیت، گناہ کے بدن کو اُتار دیا جاتا ہے۔ جس سے رُوحانی ناپاکی اور بیماری پیدا ہوا اُسے کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔

''جو کوئی خُدا سے پیدا ہُوا ہے وہ گُناہ نہیں کرتا کیونکہ اُس کا تُخم اُس میں بنا رہتا ہے بلکہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے'' (1 یوحنا 3:9)

دوبارہ سے ہم خدا کے کلام میں یہی بات دیکھتے ہیں۔ یہاں پر غلط فہمی کا امکان ہے۔ یہاں بیان ہوا ہے کہ جو شخص مسیح میں ہوتا ہے اُس کے لیے گناہ کرنا نہ صرف مشکل ہوتا ہے بلکہ ناممکن بھی ہوتا ہے۔ ایسے انسان میں اُس کا تخم (خدا کا تخم یعنی خدا کی زندگی) ہونے کی وجہ سے انسان گناہ نہیں کر سکتا۔ انسان کو ایسی کونسی زندگی مل جاتی ہے جِسے گناہ چھو بھی سکتا؟ کیا اُس کی سخت محنت کی وجہ سے اُسے ایسی زندگی ملتی ہے؟ کیا انسان کی مسلسل کوشش سے انسان کو ایسی زندگی حاصل ہوتی ہے؟ کیا زیادہ سے زیادہ کوششیں کرنے سے ایسی زندگی حاصل ہوتی ہے؟ بالکل بھی نہیں۔ بڑی

آسان سی بات ہے کہ وہ خدا سے پیدا ہوا ہے اور خدا کا تُخم اُس میں موجود ہوتا ہے۔ صرف اور صرف اِسی وجہ سے اُن میں پائے جانے والے گناہ کی طاقت ختم ہو جاتی ہے اور اُس میں راستباز زندگی اور خدا کا کردار فروغ پاتا ہے۔ دوبارہ سے ہم یہی بات دیکھتے ہیں کہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے لیے کافی عرصے تک سخت محنت کرنی پڑے بلکہ اس کے لیے خدا کے کلام پر ایمان رکھنا، اِسے قبول کرنا اور نئے سرے سے پیدا ہونا یعنی مسیح میں نئی مخلوق بننا پڑتا ہے۔

انسانی کاوش کی اہمیت

ہم اس ناقابلِ تردید حقیقت کو کیسے مان سکتے ہیں کہ مسیحی زندگی کے لیے کوشش، محنت اور جدوجہد درکار ہے؟ اگر خدا کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے صرف ایمان ہی درکار ہے تو پھر ان کاوشوں کا کیا فائدہ؟ اگر راستبازی مکمل طور پر خدا کی طرف سے اور خدا کا تحفہ ہے تو پھر ہمیں کسی قسم کی جدوجہد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آیئے اس سوال کا جواب مسیح کی زندگی میں پیش آنے والے ایک واقعے کا جائزہ لیتے ہوئے دیتے ہیں۔

جب یسوع، پطرس، یعقوب اور یوحنا سمیت کوہِ زیتون سے نیچے آیا تو یسوع کو ایک ایسے واقعے کا سامنا کرنا پڑا جو اُس کی عدم موجودگی میں رونما ہوا اور جس سے اُس کے مقصد میں رکاوٹ پڑ سکتی تھی۔ ایک شخص اپنے بدرُوح گرفتہ بیٹے کو شاگردوں کے پاس لیا اور اُن سے درخواست کی کہ اِس میں سے بدرُوح کو نکال دیں مگر شاگرد اپنی بھرپور کوششوں کے باوجود اُس کے بیٹے میں سے بدرُوحوں کو نکال نہ سکے۔ ہم تصور کر سکتے ہیں کہ اُنہوں نے کتنی زیادہ کوشش کی ہوگی۔ ممکنہ طور پر اُنہوں نے بڑے غصے سے بدرُوحوں کو ڈانٹا بھی ہوگا، اُنہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے خدا سے دُعا بھی کی ہوگی اور شاید اُنہوں نے الگ ہو کر دُعا میں وقت بھی گزارا ہوگا مگر اُن کی تمام کوششیں رائیگاں گئیں۔ بدرُوحیں نکالنے کے لیے اُن کی طرف سے کی جانے والی تمام کوششوں کو دیکھ کر ابلیس نے اُن کا مذاق اُڑایا ہوگا اور جب اُنہوں نے بدرُوحوں کو نکلنے کا حکم دیا تھا تو ابلیس نے اپنی قوت میں مزید اضافہ کیا ہوگا۔

شاگردوں کے بارے میں یسوع کے غصے کا اظہار ان الفاظ میں ہوتا ہے،

''اَے بے اعتقاد اور کجرو نسل میں کب تک تُمہارے ساتھ رہُوں گا؟ کب تک تُمہاری برداشت کرُوں گا؟ اُسے یہاں میرے پاس لاؤ'' (متی 17:17) فوری طور پر یسوع نے ابلیس کو جھڑکا اور وہ اُس بیٹے میں سے نکل گیا۔ شاگردوں نے حیرت انگیز انداز میں اُس سے یوں پوچھا ''ہم اِس کو کیوں نہ نکال سکے؟'' یسوع کے جواب پر غور فرمائیں:

''اُس نے اُن سے کہا اپنے ایمان کی کمی کے سبب سے کیونکہ میں تُم سے سچ کہتا ہُوں کہ اگر تُم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا تو اِس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا اور کوئی بات تُمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی۔ (لیکن یہ قسم دُعا کے سِوا اور کسی طرح نہیں نِکل سکتی)'' (متی 17:20-21)

اب غور فرمائیں کہ یسوع نے اُنہیں کیا جواب دیا تھا۔ اُن کی ناکامی کی بیان کردہ وجوہات کا جائزہ لیں۔ پہلے نمبر پر اُس نے کہا ''ایمان کی کمی کے سبب سے'' اور ہم اس بات کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کیونکہ اس کا تعلق یسوع کی طرف سے بیان کردہ ان الفاظ سے تھا کہ ''اے بے اعتقاد اور کجرو نسل''۔ بے شک اُن میں بے اعتقادی کا مسئلہ تھا۔ ایمان کی بدولت خدا خوش ہوتا ہے، ایمان پہاڑوں کو سرکا دے گا، جو ایمان رکھتے ہیں اُن کے لیے کچھ بھی ناممکن نہیں ہوتا۔

مگر بعد میں یسوع ایسی بات کہتے ہیں جو پہلے کہی ہوئی باتوں سے یکسر دکھائی دیتی ہیں۔ ''لیکن یہ قسم دُعا کے سوا اور کسی طرح نہیں نکل سکتی''۔ یہاں پر یسوع کے کہنے کا کیا مطلب ہے؟ دراصل شاگردوں میں کیا خرابی تھی، کیا اُن کا ایمان کمزور تھا یا وہ روزہ نہیں رکھتے تھے اور دُعا بھی نہیں کرتے تھے؟ اُن کی بے اعتقادی کی وجہ سے خدا نے اُنہیں ڈانٹا اور اُن سے کہا کہ ایسا ابلیس صرف روزہ رکھنے اور دُعا کرنے کے ذریعے ہی نکل سکتا ہے۔ کیا وہ اپنی کہی ہوئی بات کی مخالفت کر رہا تھا؟ بے شک ایسا نہیں ہے۔

ایمان کے لیے عمل درکار ہوتا ہے

حقیقت یہ ہے کہ خدا انسان سے ایمان کے سوا کچھ بھی نہیں چاہتا۔ صرف ایمان کی بدولت خدا خوش ہوتا ہے، ایمان ایسے وسیلے کی مانند جس کی مدد سے خدا کی قدرت کو حاصل کیا جا سکتا ہے اور بدرُوحوں کو نکالا جا سکتا ہے۔ روزہ رکھنے اور دُعا کرنے سے بدرُوحیں نہیں نکلتی۔ تو پھر روزہ رکھنے اور دُعا کرنے کا کیا مقصد ہے؟ جب ہم یسوع کی ان باتوں کا بغور جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اگرچہ روزہ رکھنے اور دُعا کرنے سے خدا کی قدرت حاصل ہوتی مگر اِن کے ذریعے ایمان کو مضبوطی ملتی ہے! یہ ایسا وسیلہ ہے جس کے ذریعے خدا کو خوشی ملتی ہے اور اِسی کی بدولت ہم اُس کی برکات کو حاصل کر سکتے ہیں۔

اگرچہ صرف ایمان کے ذریعے خدا کو خوشی ملتی ہے مگر ایمان کو قائم رکھنے کے لیے ہمیں کوشش بھی کرنی پڑتی ہے۔ ہمارا مقصد کامل بننا نہیں ہوتا۔ اس کمزور اور گناہ آلودہ جسم اور حالات میں رہتے ہوئے ایمان کو قائم رکھنے کے لیے انتہائی کوشش کرنی پڑتی ہے۔ صرف ایمان سے خدا کو خوشی حاصل ہوتی ہے مگر اس ایمان کو بحال رکھنے کے لیے

ہمیں بھرپور لگن سے محنت کرنی پڑتی ہے۔ پانی پر چلتے ہوئے پطرس کے واقعے میں ہمیں یہی سبق سیکھنے کو ملتا ہے۔ اِسی لیے تو پولس ہمیں یوں نصیحت کرتا ہے ''ایمان کی اچھی کُشتی لڑ'' (1 تیمتھیس 12:6)۔ روزہ رکھنے اور دُعا کرنے سے ہم اپنی توجہ زمینی چیزوں سے ہٹا کر آسمانی چیزوں پر جو کہ ابدی ہیں لگا لیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اور بھی اہم باتیں ہیں مثلاً مسیحی رفاقت شراکت اور بائبل مقدس کا مطالعہ وغیرہ۔ ان میں سے کوئی بھی اپنے طور پر بچا نہیں سکتی اور ان میں کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس کی بدولت خدا کی نظر میں مقبولیت حاصل ہو سکے۔ صرف ایمان ہی سے خدا خوش ہوتا ہے اور صرف اِسی کی وجہ سے ہم خدا کی برکات کو حاصل کر سکتے ہیں مگر اس کے علاوہ دوسری چیزیں اس لیے اہم ہیں کیوں کہ یہ ایمان کے حصول میں مددگار ثابت ہوتی ہیں۔

اب ہماری کارکردگی کی بات ہے۔ گناہ کے خلاف لڑی جانے والی لڑائی ہماری نہیں ہے۔ یہ ایسی کشمکش ہے جِسے پہلے ہی لڑا اور جیتا جا چکا ہے۔ فتح مند زندگی کا تحفہ ایمان رکھنے والوں کو بالکل مفت ملے گا۔ اب ہمیں ایمان رکھنا ہے۔ ہماری لڑائی یہی ہے اور اِس کے لیے ہمیں روزہ رکھنا پڑتا ہے اور دُعا کرنی پڑتی ہے۔ یہ ہمارے ایمان کے لیے ضروری ہیں۔

شاید ہم پہلے ہی روزہ رکھ چکے ہوں اور دُعا بھی کر چکے ہوں۔ ہم بائبل مقدس کا مطالعہ کرتے ہوں گے، عبادتوں میں شامل ہوتے ہوں گے اور دوسروں کو انجیل کی گواہی دینے کی بھرپور کوشش بھی کرتے ہوں گے۔ یسوع کو مصلوب کرنے والے یہودی لوگ بھی یہ سب کچھ کیا کرتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بُرے مقاصد کے لیے تمام اچھے کام کیے جائیں۔ وہ اپنی مذہبی رسومات اور کاوشوں سے خدا کے اس تحفے کو خریدنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس سے اُنہیں کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ اُن کے مقاصد بُرے تھے کیونکہ جن کاموں کے ذریعے اُن کا ایمان مضبوط ہونا چاہیے تھا وہی کام اُن کے ایمان میں رکاوٹ بن گئے۔ وہ اِن کاموں میں اتنے پھنس چکے تھے اور اِن مذہبی رسومات پر اتنا بھروسہ رکھتے تھے کہ وہ ان رسومات سے آگے حقیقت کو دیکھ نہیں سکتے، لہٰذا حقیقی راستبازی کا حصول اُن کے لیے ناممکن بن گیا جو کہ ایمان کی بدولت حاصل ہونے والا خدا کا تحفہ ہے۔

آج ہمیں اس بات میں محتاط رہنا چاہیے کہ ہم بھی یہودیوں کی مانند ایسی غلطیاں نہ دہرائیں۔ نجات حاصل کرنے کے لیے ہم تو کچھ کر سکے ہیں اور نہ ہی کبھی کچھ کر سکیں گے۔ راستبازی ، پاکیزگی اور جلال خدا کے تحفے ہیں (رومیوں 1؛30:8 کرنتھیوں 11:6)۔ اگر ہم اِس کے لیے کوشش کریں تو پھر یہ تحفہ نہیں کہلائے گا یا اگر ہمیں اِس کے لیے کچھ کرنا پڑے تو یہ تحفہ کیسے ہو سکتا ہے (رومیوں 5،4:4)۔ خدا ہم سے صرف یہی چاہتا ہے کہ ہم اِس تحفے کو ایمان کے ساتھ قبول کریں۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہمارا مسئلہ کاہلی، نظم وضبط، کوشش یا محنت نہ کرنا بالکل نہیں ہے۔ ہم نے کس قدر محنت اور کوشش کی ہے! اس کے باوجود ہم راستبازی یا ہمیشہ کی زندگی کی طرف ایک قدم بھی نہیں بڑھ سکے۔ یہ ''راستبازی بذریعہ ایمان'' ہے۔ آیئے ایمان کے ذریعے خدا کے آرام میں شامل ہونے کی کوشش کریں (عبرانیوں 11:4) اور ہمیں اس سلسلے میں اپنی کاوشوں کو ترک کر دینا چاہیے کیونکہ خدا نے ہمارے لیے یہ کام کر دیا ہے (عبرانیوں 10:4)۔

باب نمبر 23

پانی پر چلنے کا ہُنر

یسوع کے شاگردوں کو جن حیرت انگیز واقعات کا تجربہ ہوا اُن میں ایک واقعہ گلیل کی جھیل میں رونما ہوا۔ جب وہ پریشان اور نڈھال ہوئے کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے تو اُنہوں نے دیکھا کہ کوئی جھیل کے پانی پر چل کر اُن کی طرف آ رہا ہے۔ جب اُنہیں یہ پتا چلا کہ اُن کی طرف آنے والا یسوع ہے تو اُن کا ڈر جاتا رہا اور اُن کا خوف حیرانگی میں تبدیل ہو گیا۔

اس کے بعد جو کچھ ہوا اُسے سمجھنا میرے لیے آسان بات نہیں ہے یعنی شمعون پطرس کی سوچ کو سمجھنا مشکل بات ہے۔ اگر مَیں خود کو اُس کی جگہ رکھ کر سوچوں تو مَیں نے اُس کی مانند ایسی درخواست بالکل نہ کرتا۔ مگر یہ بات تو واضح طور پر بیان کی گئی ہے کہ مسیح کی آواز سنتے وہ فوراً یوں پکار اُٹھا ''اے خداوند اگر تُو ہے تو مجھے حکم دے کہ پانی پر چل کر تیرے پاس آؤں'' (متی 28:14)۔

پطرس نے یہ درخواست اس وجہ سے نہیں کی تھی تا کہ اُس کا ایمان مزید مضبوط ہو جائے۔ اُس کے الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یوں کہہ رہا تھا ''مجھے یقین نہیں کہ کیا واقعی تُو ہے لیکن اگر تُو ہے تو مجھے بھی کہہ تا کہ مَیں بھی تمہاری طرف آ سکوں۔'' پانی پر چلتی ہوئی انسان نما ہستی کو دیکھ کر ڈر کے مارے پطرس کشتی سے اُتر کر بھاگنا چاہتا تھا؟ میرا خیال یہ ہے کہ ایسا بالکل نہیں ہے۔ وہ جانتا تھا کہ یہ یسوع ہی ہے اور اِسی وجہ سے اُس نے یہ درخواست کی تھی۔ یہ سمجھنا اس سے زیادہ مشکل ہے کہ ایسی درخواست کرنے میں اُس کا مقصد کیا تھا؟ کیا وہ محض پانی کی لہروں پر چلنے کا تجربہ کرنا چاہتا تھا؟ کیا وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کتنی حیرت انگیز کہانی ہو گی جو وہ اپنے پوتوں پوتیوں کو بھی سُنائے گا؟ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ یسوع کو ملنے کے لیے اتنا بے تاب تھا کہ اُس نے کشتی کو کنارے پر لگنے کا انتظار بھی نہ کیا؟ ان میں سے کوئی تجویز دُرست دکھائی نہیں دیتی مگر ایک بات تو یقینی ہے کہ یسوع نے فوراً یہ ایک لفظ بول دیا۔ یسوع نے فوری طور پر کہا ''آ''۔

پطرس کی درخواست کی طرح یسوع کا جواب بھی انوکھا محسوس ہوتا ہے مگر یہ بات یسوع کے لیے انوکھی نہ تھی۔ حالات چاہے جیسے بھی یا کتنے ہی غیر یقینی تھے مگر شاید ہی یسوع نے کسی کی درخواست کو ماننے سے انکار کیا ہو۔ مثلاً جب اُسے قانائے گلیل میں پانی کو مَے بنانے کو کہا گیا تو اگرچہ یہ بات اُس کے منصوبے کے برعکس دکھائی دیتی تھی مگر اُس نے ایسا کیا۔ پطرس کی درخواست ماننے کی بھی کوئی ضرورت نہ تھی۔ ایک طرح سے یہ یوں دکھائی دیتا ہے تھا

کہ پطرس کچھ انوکھا تجربہ حاصل کرنا چاہتا تھا یا دوسرے شاگردوں میں دکھاوا کرنا چاہتا تھا۔ چاہے وجہ کوئی بھی ہو مگر یسوع نے اُسے کہا 'آ' اور پطرس فوراً کشتی سے نیچے اُترا اور پانی پر چلنا شروع کر دیا۔

یہ تو بڑا آسان لگ رہا تھا۔ پطرس نے پہلے کبھی بھی اِس بارے میں نہ پڑھا تھا اور نہ ہی ایسا تجربہ کیا تھا۔ اُسے تو پانی پر چلنے کی تربیت بھی نہیں ملی تھی اور اُس نے پانی پر چلنے کے بارے میں ذہنی اور رُوحانی یا جسمانی شرائط پورا کرنے کے متعلق کبھی بات بھی نہیں کی تھی۔ اُس کی آنکھیں یسوع کی طرف دیکھ رہی تھیں اور یسوع کے اُس ایک لفظ کی قوت کی بدولت وہ بڑے آرام سکون کے ساتھ کشتی سے نیچے اُتر جاتا ہے۔ کوئی بھی انسان اس بارے میں بیان نہیں کر سکتا کہ اُس وقت ایسا کیسے ہوا تھا۔ بلکہ اس بارے میں سوچنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ شاید وہ سمندر فوری طور پر ٹھوس حالت میں ہو گیا ہو، یا شاید پطرس کسی غبارے کی مانند ہلکا سا ہو گیا ہو۔ بہر حال اِن میں کوئی بھی بات دُرست نہیں ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اُس سے کوئی انوکھا کام ہو گیا اور اُس نے یہ کام بڑے آرام سے کر دیا۔

اُس رات پطرس کی طرف سے پانی پر چلنے (چاہے جتنی دیر بھی وہ چل سکا) کا راز کیا تھا؟ پانی پر چلنے کے لیے کونسے اہم اقدام اُٹھائے گئے یا کن اہم باتوں کا خیال رکھا گیا؟

پہلی بات، وہاں یسوع کا کلام تھا۔ ''آ'' اس ایک لفظ میں اس قدر قدرت تھی کہ اس میں کسی قسم کی غلط فہمی، رکاوٹ یا بے اعتمادی کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ یہ لفظ ایسی ہستی کے ہونٹوں سے صادر ہوا تھا جس نے کبھی بھی جھوٹ نہیں بولا تھا، اور نہ ہی وہ کبھی غیر سنجیدہ بات کیا کرتا تھا۔ اس پر تو کسی قسم کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اِس ایک لفظ میں سچائی اور اختیار موجود تھا۔

دوسری بات، وہاں مسیح کی حضوری اور قدرت تھی۔ اُس میں قوت تھی اور اُس نے ہمیشہ ناممکن کاموں کو کیا تھا بلکہ اُس نے تو مُردوں کو بھی زندہ کیا تھا۔ اُس میں قدرت اور ہر جگہ موجود رہنے کی صلاحیت تھی۔

تیسری بات، پطرس کا ایمان تھا۔ یہ بات نہیں ہے کہ پطرس اپنی بہادری کی وجہ سے بڑے بااعتماد انداز میں کشتی نیچے اُترا اور پانی پر چلنے لگا۔ اُس کے شک، اُمید یا اختیار کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہوا۔ یسوع پر اپنی نظریں جمائے رکھنے سے اُس کے دماغ میں ایسا کوئی بھی سوال نہ آیا کہ اگر وہ کشتی سے پانی پر اُترے گا تو اُس کے ساتھ کیا ہو گا۔ جب اُس نے پانی پر قدم رکھا تو اِس بات سے اُسے بالکل بھی حیرانگی نہ ہوئی۔ وہ جانتا تھا کہ کیا ہو گا اِسی وجہ سے تو وہ بغیر کسی قسم کی تیرنے والی جیکٹ، کسی وسیلے اور کسی شاگردوں کو مدد کے لیے تیار رہنے کا کہے بغیر ہی کشتی سے نیچے اُتر گیا۔

ہمیں یہ تو معلوم نہیں ہے کہ اُس رات یسوع اور پطرس کے ذہن میں کس طرح کے خیالات تھے مگر ہمیں اس بات پر مکمل بھروسہ ہے کہ یہ شاندار معجزہ رونما ہوا اور اِسے بائبل مقدس میں لکھا گیا تا کہ ہم اِس سے چند اہم اسباق سیکھ سکیں۔ شاید اِسی وجہ سے اُس رات یسوع نے پطرس کی درخواست کو مانا تھا۔ جب یسوع اس زمین پر تھا تو اُس نے بے شمار معجزے کیے اور وہ سبھی بائبل مقدس میں نہیں لکھے گئے مگر جتنے بھی معجزات بائبل مقدس میں تحریر کیے گئے ہیں اُن میں ہمیں ایسی اہم سچائیاں اور ایسے اہم اُصول ملتے ہیں جن کی مدد سے ہم مسیحی زندگی گزارنا سیکھ سکتے ہیں۔ رومیوں 1:16 میں پولس ہمیں یوں بتاتا ہے،

''کیونکہ میں انجیل سے شرماتا نہیں۔ اِس لئے کہ وہ ہر ایک ایمان لانے والے کے واسطے پہلے یہُودی پھر یُونانی کے واسطے نجات کے لئے خُدا کی قُدرت ہے'' (رومیوں 1:16)

یسوع کے ان معجزات میں ہمیں خدا کی قدرت نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے جو جسمانی بحالی مہیا کرتی ہے۔ پولس کہتا ہے کہ انجیل کی اب بھی ویسی ہی قدرت ہے مگر یہ نجات کے حوالے سے ہے۔ دونوں طرح کے معاملات میں خدا کی قدرت ہی کارفرما ہوتی ہے۔ اور یہ دونوں طرح سے شفا ملتی ہے، ایک میں جسم متاثر ہوتا ہے جبکہ دوسرے میں رُوح، دماغ اور جان متاثر ہوتی ہے۔ ہمیں اس بات کو کیوں ماننا چاہیے کہ جسمانی شفا دینے کی نسبت رُوحانی شفا دینا خدا کے لیے زیادہ مشکل کام ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ یسوع کے معجزات سبق آموز ہیں اور اگر ہم اُنہیں اچھے طریقے سے سمجھیں تو ہم رُوحانی شفایابی سے متعلقہ اہم اُصولوں کو بہتر طور پر سمجھ سکیں جائیں گے۔

پس آئیں دیکھتے ہیں کہ پطرس کے اس غیر معمولی کام سے ہمیں کونسے اسباق سیکھنے کو ملتے ہیں۔

سب سے اہم سبق یہ ہے کہ فتح مند مسیحی زندگی گزارنا مشکل نہیں ہے۔ یہ پانی پر چلنے سے زیادہ مشکل نہیں ہے۔ بے شک یہ دونوں کام انسانی دسترس سے باہر ہے۔ جُرات، تندہی، وفاداری یا محتاط انداز میں مطالعہ کرنے سے کوئی بھی انسان ایک لمحے کے لیے بھی ایسا ایک کام نہ کر سکا۔ ایسا انسانی دسترس سے بالکل باہر ہے، تاہم ان دونوں کا دارومدار صرف ایک ہی بات پر ہے یعنی خدا کے کلام پر ایمان رکھنا۔ کلامِ خدا پر ایمان رکھنے سے نہ صرف ناممکن کام ممکن ہو جاتا ہے بلکہ سہل اور آسان بھی ہو جاتا ہے۔

اس سے ہم یہ سبق بھی سیکھ سکتے ہیں کہ صرف مسیح کی بدولت ہی کسی کام کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ پطرس نے یسوع کی مدد کرنے کے لیے کیا کیا؟ اُس نے اِس معجزے کی تیاری کے حوالے سے کیا کیا؟ اس ناممکن کام کو کرنے کے

لیے اُس نے اپنے طور پر کیا کیا؟ ان کا جواب ہے، اُس نے کچھ بھی نہ کیا۔ اُس نے صرف مسیح کے کلام پر ایمان رکھا۔ بس اُس نے یہی کچھ کیا تھا۔ جب اُس نے کلام پر ایمان رکھا تو اُس نے کشتی سے باہر اور ناممکن دُنیا میں قدم رکھا۔ یہ کام مسیح نے کیا، اِس کی تیاری بھی مسیح نے کی اور اس سے جُڑی ہوئی جسمانی پریشانیوں کو بھی یسوع نے حل کیا۔ پطرس نے صرف اُس پر اور اُس کے کلام پر ایمان رکھا۔ کیا گناہ پر غلبہ پانے اور فتح مند زندگی گزارنے کا طریقہ کار مختلف ہے؟ کیا ہم مسیح کی مدد کرتے ہیں؟ کیا ہم اُس کے کام کو آسان بنانے کے لیے کچھ کر سکتے ہیں؟ بالکل بھی نہیں، ہمیں صرف اور صرف خدا پر ایمان رکھ سکتے ہیں اور ہمیں اس بات پر ایمان ہی رکھنا چاہیے کہ خدا ہماری نجات، پاکیزگی اور یسوع مسیح کے ذریعے ہمیں راستبازی مہیا کرنے والا کام پورا کر چکا ہے۔

تاہم ایک اور اہم سبق سیکھنے کو ملتا ہے کہ ہمیں یسوع کی طرف تکتے رہنا چاہیے۔ پانی پر چلنا ایسا واقعہ نہیں تھا جو فوری طور پر وقوع پذیر ہو گیا۔ اس کے لیے تیاری درکار ہوتی ہے، فوری تیاری نہیں بلکہ تیاری کے اہم مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ پطرس کی شروعات اچھی تھیں مگر اُس کی توجہ یسوع سے ہٹ گئی۔ اگر اُس کا سفر 10,000 میل لمبا ہوتا اور اِس کے لیے اُسے سال بھر چلنا پڑتا تو کیا ہوتا۔ پھر چلتے چلتے اُس کے ساتھ کیا ہوا؟ کوئی خاص فرق تو نہیں آیا تھا۔ وہ تو پہلے کی مانند چلتا ہوا جا رہا تھا۔ کیا اُس کا سفر مزید کٹھن ہو گیا؟ کیا بعد میں اُسے اپنے قدم بڑے دھیان کے ساتھ رکھنے پڑے؟ کیا اُسے اِس کام کے طریقہ کار کے بارے میں سوچنے سمجھنے کی ضرورت تھی؟ بالکل بھی نہیں!! اُسے تو صرف اپنی نظریں یسوع پر جمائے رکھنے اور ہر قسم کی رکاوٹوں کو نظر انداز کرنے کی ضرورت تھی۔ یوں پطرس ناممکن کام کو کرنے کے لائق ہوا۔ یوں اُس نے کچھ انوکھا کام کر دکھایا۔ جب اُس نے اپنی نظریں یسوع سے ہٹالیں تو وہ ناکام ہو گیا۔

کیا مسیحی سفر بھی ایسا ہی ہے؟ یہ بڑی بات دلچسپ ہے کہ عموماً بائبل مقدس میں مسیحی سفر کو بھی ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ جب ہم خداوند یسوع کو قبول کر لیتے ہیں تو اُس کے ساتھ چلتے رہنے یعنی ''رُوح میں چلنے'' کی نصیحت کی جاتی ہے۔ اس میں اصل مقصد اور اصل مرکز پر توجہ قائم رکھنے پر زور دیا جاتا ہے۔ جب ہم مسیح پر ایمان رکھتے ہیں تو ہمیں بہترین طریقہ مل جاتا ہے اور خدا کی ہر ایک برکت کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہی رہے گا۔

چوتھا اہم سبق یہ ہے کہ ہمیں رکاوٹوں سے بچنا چاہیے۔ اِس بات پر زیادہ زور نہیں دیا جا سکتا۔ جب پطرس پانی پر چلا تو الٰہی قوت کے زیرِ اثر تھا۔ اُس نے ایسا کام کیا جو انسانی دسترس سے باہر تھا۔ مسیح پر اپنی نظریں جمائے رکھنے سے وہ مافوق الفطرت دُنیا میں داخل ہو گیا اور اُس نے آنے والی دُنیا کی قدرت کا مظاہرہ کر دکھایا۔ مگر چند ایسی رکاوٹیں

تھیں جن کی وجہ سے اُس رات پطرس کی توجہ مسیح سے ہٹ گئی۔

(ا) شدید طوفان اور لہریں تھیں۔

(ب) طوفان کا خوف تھا۔

(پ) کشتی میں حیرت زدہ شاگرد موجود تھے۔

(ت) اُن کے دماغ میں یہ خیال چل رہا تھا کہ وہ اِس کہانی کو اپنے پوتوں پوتیوں کو بتائے گا۔

اُسے تو بس اپنی نظریں مسیح پر جمائے رکھنی تھیں۔ اُسے پانی پر چلنے کی تعلیم اور تجربے کے بارے میں کچھ بھی سیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ اُسے صرف اور صرف اپنی نظریں مسیح پر جمائے رکھنی تھیں اور اُسے باقی تمام باتوں کو بھلا دینا تھا مگر وہ اِن رکاوٹوں پر غلبہ پانے میں ناکام ہوگیا۔ اُس نے یسوع سے اپنی نظریں ہٹا کر ڈوبنے کا خطرہ محسوس کیا اور وہ فوری طور پر ڈوبنے لگا۔ آج ہمیں بھی ایسی ہی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں کوئی بھی بات مغلوب نہیں کرسکتی، ہم گناہ نہیں کرسکیں گے، ہم پر کوئی بھی دشمن غلبہ نہیں پاسکے گا۔ جیسے آسانی سے پطرس پانی پر چلا اُسی طرح سے ہم بھی آسانی سے سب کچھ کرسکتے ہیں۔ ہمیں اپنی نظریں ایمان کے ساتھ یسوع اور اُس کے کلام پر جمائے رکھنے کی ضرورت ہے اور اپنی نگاہیں اُسی پر لگائے رکھیں۔

عموماً یہ سوال پوچھا جاتا ہے کہ کوئی بھی مسیحی گناہ پر مکمل طور پر غلبہ کیسے پاسکتا ہے؟ دراصل سوال یہ ہے کہ اگر ہم مسیح اور اُس کے کلام پر سچا ایمان نہ رکھیں تو کیا ہوسکتا ہے؟ مسیح میں کوئی کمی نہیں ہے بلکہ انسان میں کمی ہے۔ جب ہم اُس پر بھروسہ رکھتے ہیں تو وہی سب کچھ کرے گا اور بہترین انداز میں کرے گا۔ ہمیں صرف ایک ہی بات کا خیال رکھنا ہے کہ کہیں ہماری نظریں یسوع سے ہٹ نہ جائیں۔ ہمیں اِسی بات کا شدید خطرہ ہے۔

آیئے یسوع پر توجہ قائم رکھیں۔ چاہے لہریں کتنی اونچی ہوں، چاہے رکاوٹیں کتنی زیادہ ہوں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوگ ہمارے بارے میں کہا کہیں گے اور کیا سوچیں گے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ شیطان ہمارے ذہنوں میں کیا خیال ڈالتا ہے، لیکن آیئے اپنی توجہ مسیح پر جمائے رکھیں۔ صرف وہی ہماری اُمید ہے، صرف وہی ہماری زندگی ہے، وہی ہمارا سب کچھ ہے۔ اِس بات پر ایمان رکھنے اور اِس کے مطابق زندگی گزارنے میں ہی ہمارا بھلا ہے۔ کاش کہ خدا ہماری مدد فرمائے تاکہ ہم بھی پانی پر چلنے کا ہنر سیکھ سکیں۔ اگر ہم اس بات سے بے خبر ہیں کہ ایسا کیسے کریں تو پھر ہم گناہ پر غلبہ بھی نہیں پاسکیں گے۔

سپردگی کی اہمیت

باب نمبر24

سپردگی

سپردگی کے بغیر حقیقی توبہ یا بیداری یا حقیقی طور پر نئے سرے سے پیدا ہونا ممکن نہیں ہوتا۔ جی ہاں، ایمان ضروری ہے مگر خود کو مسیح کے سپرد کیے بغیر حقیقی طور پر ایمان رکھنا ناممکن ہے۔ سپردگی کے بغیر اپنے ایمان کا اظہار کرنا جھوٹ اور دھوکے پر مبنی ہوتا ہے۔ لوقا14:26،27،33 میں یسوع یوں فرماتا ہے:

''اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دُشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہوسکتا'' (لوقا14:26)

''پس اِسی طرح تُم میں سے جو کوئی اپنا سب کُچھ ترک نہ کرے وہ میرا شاگرد نہیں ہوسکتا'' (لوقا14:33)

''جو کوئی اپنی صلیب اُٹھا کر میرے پیچھے نہ آئے وہ میرا شاگرد نہیں ہوسکتا'' (لوقا14:27)

ان تینوں آیات میں ایک اہم اصطلاح استعمال ہوئی ہے یعنی ''نہیں ہوسکتا''۔ ''نہیں ہوسکتا'' اس اصطلاح کا عموماً یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایسا ناممکن ہے۔ جو انسان اوپر بیان کردہ شرائط کو پورا نہیں کرتا اُس کے لیے مسیح کا شاگرد بننا ناممکن ہوتا ہے۔ مسیح نے خود یہ شرائط مقرر کیں ہیں اور یہ فرمایا کہ اُس کے شاگرد بننے کے لیے ہم اِن کو لازماً پورا کریں۔

سب سے پہلے وہ فرماتا ہے کہ ہمیں ''دشمنی'' کرنی ہے، جی ہاں جس ہستی نے ہمیں اپنے دشمنوں سے بھی محبت کرنے کا درس دیا اُس کے کہنے کا یہ ہرگز مطلب نہیں تھا کہ ہم اپنے نزدیکی رشتہ داروں سے دشمنی کرنا شروع کردیں۔ یسوع نے ''دشمنی'' کے لفظ کا استعمال تو کیا مگر وہ یہاں پر نفرت انگیز جذبے یا رویے کی بات بالکل نہیں کررہا۔ لیکن درحقیقت وہ کیا کہہ رہا تھا؟

یسوع اُن چیزوں اور لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو ہمارے قریبی ہوتے ہیں اور وہ کہتا ہے ہمیں اُن سے ''دشمنی'' رکھنی چاہیے۔ کیا وہ یہ کہہ رہا ہے کہ مسیحی بننے کے لیے مجھے اپنا خاندان چھوڑنا پڑے گا؟ بالکل بھی نہیں! کچھ ایسے مسیحی ہوتے ہیں جنہیں غیر ملکی علاقوں میں بطورِ مشنری جانے کو کہا جاتا ہے اور یوں اُنہیں اپنے خاندانوں کو چھوڑنا پڑتا ہے مگر خدا ہم سب سے ایسا نہیں چاہتا۔ لیکن یسوع نے ''دشمنی'' کے لفظ استعمال کیوں کیا؟

آئیں غور کریں کہ یسوع نے کیا کچھ کیا ہے؛ اُس نے ہماری دُنیا کو اچھی چیزوں سے بھر دیا ہے یعنی ایسی چیزیں جو ہمیں پہچان مہیا کرتی ہیں۔ میری زندگی میں سب سے اہم اور لازمی چیزیں کونسی ہیں؟ مَیں اپنی بیوی، اپنے گھر، اپنے بچوں اور اپنے والدین کے بارے میں سوچتا ہوں۔ میری دُنیا اِنہی لوگوں پر مشتمل ہے، اُنہی کی وجہ سے مَیں صبح کو اُٹھتا اور رات کو سوتا ہوں۔ میری زندگی اِنہی لوگوں اور چیزوں پر مشتمل ہے۔

یسوع یہ کہہ رہا تھا کہ اُس کا شاگرد بننے کے لیے مجھے اپنی پہچان کو چھوڑ دینا چاہیے، مجھے اپنے آپ کو پہلے جیسا نہیں سمجھنا چاہیے۔ چونکہ میری پہچان اُن لوگوں اور چیزوں سے جُڑی ہوئی ہے جو میرے نزدیک ہوتی ہیں اس لیے یسوع نے کہا کہ اُن چیزوں سے ''دشمنی'' کرو یا اُنہیں چھوڑ دو۔ ہمیں ایسا کرنا پڑے گا ورنہ ہم مکمل طور پر خدا کے لوگ نہیں بن سکیں گے یعنی ہم اُس کی مرضی کے مطابق لوگ نہیں بن سکیں گے۔ وہ یہ کہہ رہا ہے کہ جب تُم میرے لوگ بن جاتے ہو تو تمہارے بیوی، بچے ہی تمہارا سب کچھ نہیں رہتے بلکہ تُم کو اُنہیں بھی چھوڑنا پڑ سکتا ہے، اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر تُم اُس کے شاگرد نہیں بن سکتے۔

خدا ہم سے ان چیزوں کو چھین نہ رہا بلکہ جب ہم اُس کے لوگ بن جاتے ہیں تو پھر خدا یوں کہتا ہے ''اچھا، اب اپنی بیوی سے محبت رکھو مگر اس مرتبہ تُم اپنی بیوی سے ایسی محبت رکھو جیسی یسوع نے دُنیا سے رکھی۔'' وہ کہتا ہے ''اب اپنے بچوں کو اپنے نہیں بلکہ مسیح کے بچے جان کر اُن کا خیال رکھو۔'' پھر آپ کا اُن سے رشتہ بدل جاتا ہے، اب صرف آپ کے بیوی بچے نہیں رہے بلکہ خدا کی ملکیت بن چکے ہیں کیونکہ اب وہی (مسیح) آپ کی زندگی ہے۔

اگر ہم اپنے رشتہ داروں کو صرف اپنے تک ہی محدود رکھیں تو مسیح ہم میں کام نہیں کر سکتا۔ ہم اور ہماری خواہشات اور ہماری دُنیاوی چاہت اُس کی راہ میں رکاوٹ حائل کر دیتی ہیں۔ ایک شخص نے یسوع سے کہا ''اے خداوند! مجھے اجازت دے کہ پہلے جا کر اپنے باپ کو دفن کروں'' کیا ایسا شخص مسیح کا شاگرد بن سکتا ہے؟ یسوع نے اُسے جواب دیا ''مُردوں کو اپنے مُردے دفن کرنے دے لیکن تُو جا کر خدا کی بادشاہی کی خبر پھیلا'' (لوقا 9:60)۔ اگر ہم وہ سب کچھ چھوڑ نہیں دیتے جو ہمیں مسیح تک پہنچنے میں رکاوٹ کا سبب بنتا ہو تو پھر یسوع ہمیں مکمل طور پر تبدیل کیسے کر سکتا ہے؟ اگر ہم اپنا سب کچھ چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہیں تب ہم اُس کی مرضی کے مطابق اُس کے شاگرد بن سکیں گے۔

رضا کارانہ خدمت

ایک اور آیت میں یسوع نے یوں کہا،

''کیونکہ تُم میں ایسا کون ہے کہ جب وہ ایک بُرج بنانا چاہے تو پہلے بیٹھ کر لاگت کا حساب نہ کر لے کہ آیا میرے پاس اُس کے تیار کرنے کا سامان ہے یا نہیں؟'' (لوقا 14:28)

مسیح کے زمانے میں اگر کسی شخص نے صلیب اُٹھائی ہوتی تو یہ سمجھا جاتا کہ یہ مرنے کے لیے جا رہا ہے۔ یسوع یہ کہہ رہا ہے کہ ہمیں صرف مرنا نہیں بلکہ رضا کارانہ طور پر مرنا ہے۔ آپ کو اپنی مرضی سے رضا کارانہ طور پر اپنی صلیب اُٹھانی پڑے گی۔ جب ہم بائبل مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ سپردگی کے لیے خود کو مارنے کی مثالیں استعمال ہوئیں ہیں۔ کچھ لوگ اس موت کو تخیلاتی تجربہ سمجھتے ہیں، کیونکہ چاہے بائبل مقدس میں موت کی بات کی جاتی ہے مگر ہم سب پھر بھی زندہ ہی رہتے ہیں۔ مَیں مر کر بھی کیسے زندہ رہ سکتا ہوں؟ جب ہم بائبل مقدس کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ اس میں سپردگی کی بات ہو رہی ہے اور یہ اتنی اہم ہے کہ اِسے موت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ تو بڑی خوفناک بات ہے! جب تک ہم مسیح پر بھروسہ نہ رکھیں تب تک یہ بات خوفناک ہی رہتی ہے۔ اپنے آپ کو کسی دوسرے کے ہاتھ میں اس حد تک سونپ دینا کہ ہماری اپنی کوئی مرضی نہ رہے، یہ بڑی خوفناک بات لگتی ہے۔ دراصل یوں ہم رضا کارانہ طور پر خود کو کسی دوسرے کا غلام بناتے ہیں۔ اگر آپ کو اُس شخص پر مکمل اعتماد اور بھروسہ نہ ہو تو ایسا کرنا انتہائی خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

یسوع نے فرمایا کہ ہمیں اپنی ''صلیب'' اُٹھانی چاہیے، اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب ہم مسیحی بن جاتے ہیں تو پھر ہم خود کار انداز میں نہیں چلتے بلکہ مسیح کے ساتھ ہمارے اس تعلق کی تجدید روزانہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ چونکہ ہم انسانی بدن میں انسانی مخلوق ہیں اس لیے کسی دن تو ہم بڑے جوشیلے اور خوش باش دکھائی دیتے ہیں جبکہ اگلے ہی دن ہم مایوس اور پس ہمت دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں مسلسل اُن چیزوں کو فروغ دیتے رہنا چاہیے جن سے ایمان کو تقویت ملتی ہے۔ ہمیں ہر روز مرنا چاہیے اور مسیح کے ساتھ ہماری وفاداری کی تجدید روزانہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔

کیا یہ سپردگی ہوگی کہ اگر مَیں یہ کہوں کہ ''مَیں ٹیلی ویژن دیکھنے اور اپنی کسی خواہش کو اُس کے سپرد کرتا ہوں'' لیکن اگر میرے ہیر سٹائل کی بات آئے تو مَیں یہ کہوں کہ ''اے خداوند میرا ہیئر سٹائل ایسا ہی رہنے دے کیونکہ مَیں اس کے بغیر رہ نہیں سکوں گا۔'' جزوی سپردگی حقیقی سپردگی نہیں ہوتی، جزوی سپردگی میں ہم خدا سے یوں کہہ رہے ہوتے ہیں ''مَیں اپنی مرضی کروں گا مگر پھر بھی تیرے کنٹرول میں رہوں گا۔'' اگر کوئی خود کو مکمل طور پر سپرد نہیں کرتا تو وہ سپردگی کا بالکل دعویٰ نہیں کر سکتا! وہ اپنی مرضی کا مالک ہی رہتا ہے، وہ اپنی مرضی کے معاملات میں خدا کا چناؤ کرتا ہے

اور وہ یہ سوچتا ہے کہ اگر وہ اپنا تھوڑا سا حصہ بھی اُس کے سپرد کر دے گا تب بھی خدا کو خوشی ہوگی مگر وہ اپنے ہی دائرہ اختیار میں رہتا ہے۔ مگر ایسا انسان بالکل بھی خدا کی ملکیت نہیں ہوتا۔ جب تک وہ انسان اپنے آپ کو مکمل طور پر اُس کے سپرد نہیں کر دیتا خدا اُس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ حقیقی سپردگی میں خود کو مکمل طور پر اُس کے سپرد کرنا پڑتا ہے، یہ بے حد ضروری ہے اور یسوع بھی آیت نمبر 28 اور 33 میں اِسی کی بات کرتا ہے۔

''کیونکہ تُم میں ایسا کون ہے کہ جب وہ ایک بُرج بنانا چاہے تو پہلے بیٹھ کر لاگت کا حساب نہ کر لے کہ آیا میرے پاس اُس کے تیار کرنے کا سامان ہے یا نہیں؟'' (لوقا 28:14)

''پس اِسی طرح تُم میں سے جو کوئی اپنا سب کُچھ ترک نہ کرے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا'' لوقا 33:14

بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یسوع اپنے شاگردوں کی حوصلہ شکنی کر رہا تھا۔ ایک شخص اُس کے پاس آیا اور اُس سے کہا ''جہاں کہیں تُو جائے مَیں تیرے پیچھے چلوں گا''۔ تو یسوع نے اُسے جواب دیا،

''لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے مگر ابنِ آدم کے لیے سر دھرنے کی بھی جگہ نہیں'' (لوقا 58:9)

وہ اُس شخص کو بتا رہا تھا کہ ''میرے پیچھے چلنے سے پہلے سوچ لو، یعنی تمہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔'' ایک نوجوان امیر شخص یسوع کے پاس آیا اور یسوع سے کہا ''مَیں نیک بننا چاہتا ہوں اس کے لیے مجھے کیا کرنے کی ضرورت ہے؟'' یسوع نے اُسے مشکل ترین کام کرنے کو کہا۔ وہ شخص سوچ رہا تھا کہ اُس نے تو خود کو خدا کے سپرد کیا ہوا ہے کیونکہ وہ سبت کو پاک مانتا تھا، جھوٹ نہیں بولتا تھا، چوری نہیں کرتا تھا، قتل نہیں کرتا تھا اور وہ اپنے ماں باپ کی عزت بھی کیا کرتا تھا۔ مگر یسوع نے اُسے سب سے مشکل کام کرنے کو کہا۔ یسوع نے اُس انسان کے خدا (دیوتا) کی نشاندہی کی! حقیقت میں اُس شخص نے خود کو خدا کے سپرد نہیں کیا تھا کیونکہ اُس کی زندگی اُس کے اپنے ہی دائرہ اختیار میں تھی۔ جس خدا کی وہ پوجا کرتا تھا وہ اُس کا پیسہ تھا یہی تو اُس میں مسئلہ تھا، دراصل اُس میں اصل مسئلہ یہ تھا کہ اُس کی زندگی کا دارومدار پیسے پر تھا اور اِسی وجہ سے یسوع نے اُس کے اصل مسئلے کی نشاندہی کی اور اُسے بتایا کہ اُس کی زندگی غلط باتوں سے جُڑی ہوئی ہے۔ خدا کے احکام ماننے کے باوجود بھی وہ حقیقی طور پر خدا کا نہیں تھا۔

ہمیں اِس بات کو سمجھنا چاہیے یعنی ہمیں سب کچھ چھوڑ دینا چاہیے۔ ایسا کیے بغیر مسیح کی خدمت کرنا ناممکن ہے۔ جب بائبل مقدس میں خود کو خدا کے سپرد کرنے کی بات آتی ہے تو اس کے لیے بار بار موت کا لفظ استعمال کیا جاتا

ہے۔رومیوں چھ باب میں بھی ہمیں یہ مثال ملتی ہے۔اس باب کے آغاز میں پولس یوں لکھتا ہے،

''پس ہم کیا کہیں؟ کیا گُناہ کرتے رہیں تا کہ فضل زیادہ ہو؟ ہرگز نہیں۔ہم جو گُناہ کے اِعتبار سے مر گئے کیوں کر اُس میں آیندہ کو زندگی گذاریں؟'' (رومیوں6:1-2)

مَیں جو کچھ بھی کرتا ہوں وہ اس وجہ سے غلط ہوتا ہے کیونکہ اُس کا دارومدار میری اپنی دُنیا پر ہوتا ہے۔کیا کئی مرتبہ مَیں ایسی چیزیں کھاتا ہوں جو میری صحت کے لیے مفید نہیں ہوتیں؟ مَیں ایسا کیوں کرتا ہوں؟ کیونکہ اس سے مجھے خوشی ملتی ہے۔لیکن اگر مَیں اپنی اِس دُنیا کے مطابق زندگی نہ گزاروں تو کیا پھر بھی مَیں اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لیے زندگی گزاروں گا؟ کیا مَیں دُنیاوی انداز سے لباس پہنوں گا؟ اگر مَیں اس دُنیا کے مطابق زندگی نہ گزاروں تو کیا مجھے اس بات کی پرواہ ہوگی کہ دُنیا میرے لباس کے بارے میں کیا سوچتی ہے؟ تو کیا مجھ میں خودی رہے گی؟ یہ بالکل نہیں رہے گی۔ہم میں گناہ کی وجہ ہماری خودی ہی ہے۔جس شخص کی خودی مر جاتی ہے اُس میں گناہ کا نام ونشان بھی نہیں رہتا۔اگر ہم بھی اُس مقام پر پہنچ جائیں جہاں ہماری خودی کا نام ونشان نہ رہے تو پھر ہماری زندگیوں سے بھی گناہ کا خاتمہ ہو جائے گا۔یہاں پولس اِسی بات کو بیان کر رہا تھا یعنی اگر پہلے ہی مر چکے ہیں تو آپ گناہ کیسے کر سکتے ہیں؟ پولس اپنی بات کو یوں جاری رکھتا ہے:

''کیا تُم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسُوع میں شامِل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اُس کی موت میں شامِل ہونے کا بپتسمہ لیا؟'' (رومیوں6:3)

کیا ہم کسی ایسی بات کو جان سکتے ہیں جو حقیقت پر مبنی نہ ہو؟ ہم کسی غیر حقیقی بات کو جاننے کا دعویٰ تو کر سکتے ہیں مگر ''جاننا'' اس لفظ کا تعلق کسی ایسی بات سے ہے جو حقیقی ہو۔''جاننا'' لفظ کا یہ مطلب ہے کہ کوئی چیز واقعی موجود ہے۔پولس یوں کہتا ہے ''کیا تُم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسُوع میں شامِل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اُس کی موت میں شامِل ہونے کا بپتسمہ لیا؟'' لیکن کیا اس بات کو لغوی طور پر سمجھنا چاہیے؟ مَیں نے تو پانی سے بپتسمہ لیا تھا اور مَیں نے پانی میں غوطہ لگایا تھا۔کیا ایسا کرنے سے مَیں حقیقی طور پر مسیح میں مر گیا تھا؟ کچھ لوگ اِسے ذہن سے متعلقہ بات سمجھتے ہیں، وہ سوچتے ہیں ''میرے ذہن میں یہ بات ہونی چاہیے کہ جب مَیں پانی میں غوطہ لگاتا ہوں تو مَیں حقیقی طور پر نہیں بلکہ علامتی طور پر مسیح میں مر گیا ہوں، اور اِسی طرح سے جب مَیں غوطہ لگانے کے بعد اوپر آتا ہوں تو یہ بھی علامتی ہے کہ مَیں جی اُٹھا ہوں، لہٰذا مسیح اور اُس کی موت میں شامل ہونے کا مطلب بھی علامتی ہے۔'' مسیحی لوگ یوں

سوچتے ہیں۔تاہم مسیح میں شامل ہونے کا بپتسمہ پانی میں نہیں ملتا۔1 کرنتھیوں13:12 میں یوں لکھا ہے،

''کیونکہ ہم سب نے خواہ یہُودی ہوں خواہ یُونانی۔خواہ غلام خواہ آزاد۔ایک ہی رُوح کے وسیلہ سے ایک بدن ہونے کے لئے بپتسمہ لیا اور ہم سب کو ایک ہی رُوح پلایا گیا''(1 کرنتھیوں13:12)

غور کریں کہ اس میں پانی کے بپتسمے کی بات نہیں ہو رہی۔یہ خدا کے پاک رُوح کا بپتسمہ ہے جو ہم سب کو ملا ہے۔اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا واقعی ایسا ہوا؟ کیا واقعی یہ وقوع پذیر ہوا تھا؟ کیا یہ علامتی تجربہ ہے یا حقیقی تجربہ ہے؟ کیا خدا نے کوئی مافوق الفطرت کام کیا ہے؟ کیا اُس کے رُوح نے مجھے مسیح کے بدن میں پیوست کر دیا ہے؟ ان سب باتوں کو سمجھا نہیں جا سکتا۔ہم نے مسیح کے بدن میں شامل ہونے کا بپتسمہ پایا ہے اور ہم سب کو ایک ہی رُوح پلایا گیا جو کہ مسیح کی زندگی ہے۔اب آیئے اس بات کو پولس کے ان الفاظ پر لاگو کرتے ہیں:

''کیا تُم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسُوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اُس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا؟''(رومیوں3:6)

رُوح القدس کا بپتسمہ لینے سے ہم مسیح میں پیوست ہو چکے ہیں اور اُس کے ذریعے گناہ پہلے ہی مر چکا ہے۔مسیح میں شامل ہونے سے مجھے اُس کی مصلوب زندگی حاصل ہوتی ہے۔مَیں مسیح کے ساتھ مواء یہ اُس کی مصلوبیت اور اُس کی مصلوب شدہ زندگی ہے جو اب میری ہو چکی ہے اور پولس ہمیں کہتا ہے کہ ہم اس بات کو دھیان میں رکھیں کہ ایسا ہو چکا ہے۔یہ کوئی تصوراتی یا علامتی تجربہ نہیں ہے بلکہ یہ حقیقی ہے۔جب ہم مسیح میں شامل ہو جاتے ہیں تو خودی پر مبنی زندگی کو مکمل طور پر اُتار پھینکا جاتا ہے، اِسے ختم کر دیا جاتا ہے اور اِسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔آیت نمبر6 میں یوں مرقوم ہے:

''چُنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پُرانی اِنسانیت اُس کے ساتھ اِس لئے مصلُوب کی گئی کہ گُناہ کا بدن بے کار ہو جائے تا کہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں''(رومیوں6:6)

بقول پولس''اِس لئے مصلُوب کی گئی کہ گُناہ کا بدن بے کار ہو جائے تا کہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں''۔وہ آیت نمبر7 میں اِس بات پر زور دیتا ہے۔

''کیونکہ جو مُوا وہ گناہ سے بری ہُوا''(رومیوں7:6)

مرنے کی بدولت ہی ہمیں آزادی حاصل ہوتی ہے۔مگر شاندار بات یہ ہے کہ ہم صرف گناہ میں مرنے نہیں بلکہ ہم راستبازی میں زندہ بھی ہوئے ہیں۔اور یوں پولس ہمیں کہتا ہے کہ''اپنے آپ کو گناہ کے اعتبار سے مُردہ سمجھو''۔کیا یہ

جھوٹی بات نہیں ہے کہ زندہ ہوتے ہوئے بھی ہم خود کو مردہ سمجھتے ہیں؟ پولس ہمیں یہ نہیں کہہ رہا کہ ہم خود کو بچوں کی مانند ظاہر کریں، وہ ہمیں کسی جھوٹی بات پر ایمان رکھنے کو نہیں کہتا بلکہ وہ کہہ رہا ہے کہ ''ان حقائق کو سچ مانو اور خود کو گناہ کے اعتبار سے مُردہ سمجھو مگر خدا کے اعتبار سے زندہ سمجھو۔ اِس بات کو سچ مانو کیونکہ یہ سچی بات ہے۔'' یہ بات یاد رکھیں کہ ایسا ہم ایمان کے ذریعے ہی کر سکتے ہیں۔ یسوع نے ہماری خاطر اِسے ممکن کیا ہے، چاہے ہم اِسے مانیں یا نہ مانیں یہ ہے، اگر نہ مانیں تو ہم اِس کا تجربہ نہیں کر سکیں گے۔ کسی بات کو اس طرح سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم حقائق کو مانتے اور اِن حقائق کو اپنی عملی زندگیوں میں لاگو کرتے ہیں۔

ہمیں خدا کا کلام قبول کرنا چاہیے کہ ہم واقعی گناہ کے اعتبار سے مردہ اور خدا کے اعتبار سے زندہ ہیں۔ جب ہم اِس سچائی کو مانتے ہیں تو ہم نُور میں زندگی گزارنے کا انتخاب کرتے ہیں۔ امیر نوجوان نے خطرناک چناؤ کیا مگر ہم اُس کی یہ بات سراہتے ہیں کہ وہ ایماندار تھا، اُس نے ایمان پر مبنی چناؤ کیا۔ اِسی کی وجہ سے وہ ہمیشہ کی زندگی گنوانے والا تھا مگر اُس نے یسوع کی طرف دیکھا اور اُس نے اپنی امیری کی طرف بھی دیکھا اور تب اُس نے فیصلہ کیا۔ اُس نے اپنی امیری کا انتخاب کیا اور وہاں سے چلا گیا۔ یسوع کو اُس پر افسوس ہوا مگر یسوع نے اُسے یوں نہ کہا ''آؤ، مَیں تمہارے لئے اِسے تھوڑا آسان کر دیتا ہوں۔''

ہمارے خیال میں شاید یسوع کو یوں کہنا چاہیے تھا ''تُم مجھے پچاس فیصد یا ننانوے فیصد دے دو، اگر تُم مجھے ایک فیصد بھی دے دو گے تو مَیں رکھ لوں گا۔'' میرے پاس آزادی ہونی چاہیے تاکہ مَیں اپنی زندگی کے اہم فیصلے کر سکوں۔ کسی بھی موقع پر مَیں خدا سے یہ کہہ سکوں کہ ''مجھے تھوڑا اور دے دو۔'' کیونکہ خدا کے پاس تو سب کچھ ہے، اگر وہ مجھے نہ دے تو پھر مَیں اُس کی مرضی کے مطابق نہیں بن سکوں گا۔ اِسی وجہ سے بائبل مقدس سپردگی کی بات کرتی ہے، یعنی مرنے کو کہتی ہے کیونکہ تب ہی خدا کی مرضی پوری ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ مسیح کو قبول کرنے سے ہم اُس مقام پر آ جاتے ہیں جہاں پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''مَیں مکمل طور پر تیرا ہی ہوں اور مَیں زندہ نہ رہوں بلکہ تُو مجھ میں زندہ رہ''۔

ہماری جدوجہد

اگرچہ خدا ہمارے ساتھ کام کرتا ہے اور رُوح القدس ہمیں اُس مقام پر لانے کی کوشش کرتا ہے جہاں ہم سچائی پر ایمان رکھنا شروع کر دیتے ہیں، تاہم یہ بات سچ ہے کہ یہی ہماری اصل جدوجہد ہے۔ خدا نے ہم سے چناؤ کا

حق نہیں چھینا۔ فیصلہ ہم ہی کر سکتے ہیں۔ رُوح ہمارے ساتھ مل کر دُعا کرتا ہے، خدا ہمارے راستے میں اچھی چیزیں رکھ دے گا مگر اُس کی زندگی اور موت کو قبول کرنے کا فیصلہ ہمیں ہی کرنا پڑتا ہے اور جب ہم یہ فیصلہ کرتے ہیں تو ہماری یہ جدوجہد اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔ ایک معقولہ یوں ہے ''مرنے کے بعد جینا آسان ہو جاتا ہے۔'' جب تک ہم جیتے ہیں لڑائی اور جدوجہد کا یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کبھی ہم ہارتے ہیں اور کبھی ہم جیت جاتے ہیں۔ مگر خدا کبھی نہیں ہارتا، مسیح کو کبھی بھی شکست نہیں ملتی، گناہ مسیح کا شکست خوردہ دشمن ہے۔ اگر وہ ہم میں زندہ ہے تو پھر گناہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔

منشیات اور تمباکو نوشی کو ترک کرنے والے پروگراموں میں اور ''گناہ پر غلبہ'' پانے سے متعلقہ چرچ کے پروگراموں میں ہمیں ''خود پر قابو پانا'' سکھایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے مشورے دیئے جاتے ہیں اور نفسیاتی تربیت کی جاتی ہے مگر اس کا اصل حل ''خود پر قابو پانا'' نہیں ہے۔ یہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے، ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اپنی خودی کا انکار کریں کیونکہ ہماری خودی اب بھی موجود ہے۔ جب ہماری خودی مسیح کے ساتھ مصلوب ہو جاتی ہے تو پھر گناہ ہمارا مسئلہ نہیں رہتا۔

جب بالآخر جمیکا کے غلاموں کو آزادی ملی تو انگلینڈ سے اُس جزیرے پر آزادی کا پروانہ بھیجا گیا۔ چاہے غلاموں کو آزادی مل چکی تھی مگر اُن کے لیے ایک تجرباتی وقت مقرر کیا گیا تھا اور اُنہیں اس بارے میں نہیں بتایا گیا تھا۔ اُن کے مالک اِس وقت کو جانتے تھے مگر غلاموں کو نہیں پتا تھا کیونکہ اُن کے مالکوں کو ایک وقت دیا گیا تھا تاکہ وہ غلاموں کے بغیر رہنا سیکھ لیں اور خود کو اُس وقت کے لیے تیار کر لیں جب اُن کے غلام اُن کے لیے بالکل بھی کام نہیں کریں گے۔ مگر غلام اس بات پر حیران تھے کہ اُن کے ساتھ کیا ہوا ہے اور وہاں پر یہ افواہ گردش کرنے لگی کہ ''آزادی کا پروانہ'' آچکا ہے اور مالکوں نے اُس ''آزادی کے پروانے'' کو آگ لگا دی تھی، یوں غلام تو آزاد ہو گئے مگر وہ پھر بھی غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور اس بارے میں وہاں پر کافی بے اطمینانی تھی۔

جب ہم اُس منظر پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ بات دیکھنے کو ملتی ہے کہ غلاموں کو آزادی تو مل گئی مگر وہ پھر بھی غلام ہی رہے۔ کیا مسیح نے بھی ہمارے ساتھ ایسا ہی کیا ہے؟ ہم کیسی زندگیاں بسر کر رہے ہیں؟ کیا ہم گناہ سے اتنے مغلوب ہیں کہ ہم دُنیا کو یہ تو بتا رہے ہیں کہ خدا نے ہمیں آزادی تو دے دی ہے مگر ہمیں غلامی کی حالت میں چھوڑ دیا؟ ہمیں اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ خدا کا کلام برحق ہے، ہمیں اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ خدا جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو یہ ہماری زندگیوں کا حصہ بن جائے گا۔

مسیحی لڑائی ایمان کی لڑائی ہے۔ ایمان اس رشتے کو قائم رکھتا اور ہمیں اُس میں جوڑے رکھتا ہے۔ ہماری لڑائی ایمان کی لڑائی ہے اور ہمیں یہی لڑائی لڑنی ہے۔

''اب خُدا اِطمینان کا چشمہ جو بھیڑوں کے بڑے چرواہے یعنی ہمارے خُداوند یسُوع کو ابدی عہد کے خُون کے باعث مُردوں سے زِندہ کر کے اُٹھالایا۔ تُم کو ہر نیک بات میں کامِل کرے تا کہ تُم اُس کی مرضی پُوری کرو اور جو کُچھ اُس کے نزدیک پسندیدہ ہے یسُوع مسیح کے وسیلہ سے ہم میں پیدا کرے۔ جس کی تمجید ابدُ الاباد ہوتی رہے۔ آمین'' (عبرانیوں 13:20,21)

مسیح آپ میں سرگرمِ عمل ہے تا کہ آپ خدا کی نظر میں پسندیدہ کام کر سکیں۔ وہ ہم سے کسی ناممکن بات کا مطالبہ نہیں کر رہا۔ رُسول اس بارے میں بات کر رہا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مسیح میں ہوتے ہوئے ایسی فتح مند زندگی حاصل ہوتی ہے۔ بائبل مقدس ہمیں خوابوں اور افسانوں پر مبنی دُنیا کے بارے میں نہیں بتاتی۔ بائبل مقدس سچائی کی بات کرتی ہے، ہم ہی جھوٹی دُنیا میں رہ رہے ہیں۔ اس دُنیا کے خدا نے ہماری آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے تا کہ ہم اُن برکات کو نہ جان سکیں جو ہمیں حاصل ہیں، یہ ہمیں یسوع مسیح کی بدولت ملتی ہیں۔ ہمیں خدا کے کلام میں بیان کردہ باتوں پر ایمان رکھنا اور اُن کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔

''تُمہارا بُلانے والا سچا ہے۔ وہ ایسا ہی کرے گا'' (1 تھسلنیکیوں 5:24)

اگر مجھے یہ احساس ہو کہ مجھ میں کچھ بھی اچھا نہیں ہے اور مَیں بے یار و مددگار ہوں اور مَیں تو صرف پورے دل سے خدا پر ایمان رکھ سکتا ہوں، تو پھر مَیں اُس راہ پر چل رہا ہوں جو واقعی اہم ہے۔ خدا اُس انسان کے ساتھ تھوڑا کام کر سکتا ہے جو یہ مانتا ہے کہ اُس کے پاس تھوڑا سا ہے، خدا اُس انسان کے ساتھ بہتر کام کر سکتا ہے جو خود کو کمزور مانتا ہے مگر خدا اُس شخص کے ساتھ بہترین طریقے سے کام کر سکتا ہے جو یہ مانتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ایسا انسان اپنا آپ مسیح کے سپرد کر دیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُس میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے جس پر وہ بھروسہ رکھ سکے۔

باب نمبر25

صلیب کا مطلب

''لیکن خُدا نہ کرے کہ میں کِسی چیز پر فخر کرُوں سِوا اپنے خُداوند یسُوع مسیح کی صلیب کے جس سے دُنیا میرے اِعتبار سے مصلوب ہُوئی اور مَیں دُنیا کے اِعتبار سے'' (گلتیوں 14:6)

اس آیت میں پولس یہ بیان کرتا ہے کہ اُسے مسیح کی صلیب کے علاوہ اور کسی چیز پر فخر نہیں ہے۔لیکن جب وہ صلیب کی بات کرتا ہے تو اُس کے کہنے کا کیا مطلب ہے؟ وہ کس بارے میں بات کر رہا ہے؟ کیا وہ محض لکڑی کی صلیب کی بات کرتا ہے؟ کیا یہ مسیح کی موت کی تاریخی یادگاری ہے؟ وہ یہاں کیا بتا رہا ہے؟

ہم دیکھتے ہیں کہ صلیب پر جو کچھ ہوا ہے اُس کی وجہ سے پولس صلیب پر فخر کرتا ہے۔

(ا) صلیب کے ذریعے دُنیا اُس کے اِعتبار سے مصلوب ہُوئی

(ب) صلیب نے اُسے دُنیا کے اِعتبار سے مصلوب کر دیا۔

اس کا کیا مطلب ہے؟ مصلوبیت کا مطلب موت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ پولس یہ کہہ رہا تھا کہ صلیب کے ذریعے دُنیا کے ساتھ اُس کا رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ دُنیا کی نظر میں اور دُنیا اُس کی نظر میں مر چکی تھی۔ ایسا کیسے ہوا؟ ایسا مسیح کی صلیب کے ذریعے ہوا۔

صلیب نہ صرف موت بلکہ رضا کارانہ موت کی نمائندگی کرتی ہے مثلاً خودی کی موت، گناہ کی موت، آدم کی زندگی کی موت، اس دُنیاوی زندگی اور دُنیاوی باتوں کی موت۔ مگر جس صلیب نے مسیح کو مارا وہ پولس اور میرے لیے بھی ایسا کیسے کر سکتی ہے؟ غور کریں کہ پولس کو کسی قسم کے نظم و نسق یا تابعداری نے نہیں بلکہ صلیب نے اُسے دُنیا سے آزاد کروایا تھا۔

آسان مگر شاندار سچائی یہی ہے کہ جس صلیب نے مسیح کو مارا اُس نے پولس کو رہائی دلائی کیونکہ اُس نے پولس کو بھی مارا تھا! یہ ایسا وسیلہ تھی جس نے مسیح کو مارا، یوں وہ بھی دُنیا، گناہ اور اپنے آپ سے آزاد ہو گیا۔

صلیب ہمیں آزادی دلاتی ہے، اس کی وجہ یہ نہیں کہ مسیح ہماری خاطر ہوا ہے بلکہ ہم مسیح میں موئے ہیں! صلیب کی قدرت ایسی قدرت ہے جو ہمیں اپنے ماضی، دُنیا، اپنے آپ اور جو کچھ ہم تھے اُس سے رہائی دلاتی ہے۔ لیکن یہ قدرت صرف اُسی صورت میں ملتی ہے جب ہم مسیح کے ساتھ متحد ہو جاتے ہیں یعنی جب ہم اُس کی زندگی

میں شامل ہو کر اُس کے وجود کا حصہ بنتے ہیں۔

مسئلہ

مسئلہ یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ یہ سوچتے ہیں کہ جو کچھ مسیح نے 2000 سال قبل کیا تھا صلیب (باقی چیزوں کی مانند) اُس کی علامت بن چکی ہے، یعنی ایسے تجربے کی علامت جس سے مَیں متحرک ہوتا ہوں اور اس سے مجھے للکار ملتی ہے مگر اس کا میری شخصی زندگی سے کوئی تعلق بالکل نہیں ہے (جب تک مَیں اس للکار کے بارے میں ردِعمل کا مظاہرہ نہ کروں)۔

پولس صلیب کے بارے میں یہ بات نہیں کرتا۔ اُس کی نظر میں مسیح کی صلیب مسیح کا حقیقی تجربہ ہے یعنی اُس پر مسیح نے موت سہی۔ مرنے والے کی کوشش نے نہیں بلکہ صلیب نے ہی اُس کی موت والے کام کو پورا کیا تھا۔ یہی حقیقت ہے کہ پولس مسیح کے ساتھ مصلوب ہوا اور مسیح پر ایمان رکھنے کی بدولت اُسے یہ مصلوبیت حاصل ہوئی۔

اب مسیحیت میں مسئلہ یہ ہے کہ ہم دوبارہ سے وہی کچھ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو مسیح پہلے ہی کر چکا ہے۔ ہم مسیحیت کو تکمیل شدہ حقیقت سمجھنے کی بجائے اِسے بطورِ للکار سمجھتے ہیں۔ ہم اِس پر ایمان رکھنے اور اس پر مطمئن ہونے کی بجائے اِس بارے میں اپنی طرف سے کام اور محنت کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہماری نظر میں توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم تکمیل شدہ کام پر بھروسہ رکھنے کی بجائے اِس بارے میں خود سے کام کرنا شروع کر دیں۔ ہم مسیح اور اُس کی طرف سے کیے جانے والے کام پر توجہ مرکوز رکھنے کی بجائے اپنے اوپر توجہ مرکوز رکھتے ہیں یعنی ہماری نظر میں زندگی فتح کی بجائے جدوجہد کرنے کا نام ہے۔

پولس کو صلیب پر اس وجہ سے فخر ہے کیونکہ اِس نے پولس کو نجات دلائی تھی۔ بے شک ایسی نجات صرف اور صرف مسیح پر ایمان رکھنے کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے یعنی اُس نے یہ ایمان رکھا کہ وہ اور مسیح ایک ہیں اور آپس میں حصے دار بن چکے ہیں تاکہ جو کچھ مسیح نے کیا وہ اسکے لیے بھی یقینی بن جائے۔

اُس نے مسیح کی زندگی گزاری۔ اُس کی وساطت سے مسیح نے دوبارہ زمین پر زندگی گزاری۔ جو کچھ مسیح تھا، پولس بھی ویسا ہی تھا، جو کچھ مسیح نے کیا وہی کچھ پولس نے بھی کیا۔ پس اُس نے ایسی زندگی حاصل کی اور گزاری جس میں خودی کو مصلوب کر دیا گیا اور دُنیا کی قدرت کو تباہ و برباد کر دیا گیا۔ پس وہ صلیب پر فخر کرتا ہے کیونکہ اِس کی وجہ سے پولس کو نجات حاصل ہوئی ہے۔

مسیحی لوگ اِسے دوسری باتوں کی مانند علامتی حیثیت سے مانتے ہیں، مثلاً بپتسمہ، عشائے ربانی، نئے

سرے سے پیدا ہونا اور دُعا بھی)۔ وہ علامتوں سے نکل کر حقیقت میں داخل نہیں ہوتے۔ اُن کی نظر میں یہ علامتیں محض ایسی رسومات ہیں جو متحرک اور قائل کرتی ہیں۔ وہ اُن حقائق پر ایمان نہیں رکھتے جن کی نشاندہی یہ علامتیں کرتی ہیں۔

اپنی تحریروں میں پولس خصوصی طور پر ان دو باتوں پر زور دیتا ہے:

(ا) مسیح کی صلیب (ب) مسیح کی قیامت

یہ دونوں باتیں ہی ایماندار کی زندگی کا اہم حصہ ہیں۔ صلیب ایمانداروں کو گناہ کے تسلط سے آزاد کرتی ہے جبکہ مسیح کی قیامت اُن کی رہنمائی مسیح کی زندگی، قدرت اور حضوری کی طرف کرتی ہے یعنی وہ خدا کی مرضی کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

''چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری پُرانی اِنسانیت اُس کے ساتھ اِس لئے مصلوب کی گئی کہ گناہ کا بدن بے کار ہو جائے تا کہ ہم آگے کو گناہ کی غلامی میں نہ رہیں۔ کیونکہ جو مُوا وہ گُناہ سے بری ہُوا'' (رومیوں6:6-7)

پولس کہتا ہے کہ پرانی انسانیت مصلوب ہوگئی۔ یہ ''پرانی انسانیت'' کیا ہے؟ آسان الفاظ میں اس کا مطلب ہے کہ یہ مسیحی بننے سے پہلے والی میری انسانیت ہے۔ وہ انسانیت مرگئی اور اُس کا خاتمہ ہوگیا اور میرے وجود کا حصہ نہ رہی۔

اس بات پر غور فرمائیں، یوں کہا گیا ہے کہ پرانی انسانیت اُس کے ذریعے نہیں بلکہ اُس کے ساتھ مصلوب ہوگئی۔ اس میں 2000 سال قبل رونما ہونے والے واقعے پر زور دیا گیا ہے۔ اس بات کو یوں کہا گیا ہوگا ''مَیں اُسکے ساتھ مصلوب ہوا۔'' چونکہ مسیح تو 2000 سال قبل مصلوب ہوا مگر مَیں نے اُسے ابھی قبول کیا ہے تو پھر مَیں اُس کے ساتھ کیسے مصلوب ہوا؟ یہ بات سچ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مَیں نے اُسکی مصلوبیت کو قبول کیا ہے۔ رُوح القدس کے ذریعے اُس کی موت میرے لیے مفید ثابت ہوئی اور یوں مَیں نے اُس میں شامل ہونے کا بپتسمہ پایا (1 کرنتھیوں12:13؛2 کرنتھیوں4:10،11)۔

''کیا تم نہیں جانتے کہ ہم جتنوں نے مسیح یسُوع میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا تو اُس کی موت میں شامل ہونے کا بپتسمہ لیا؟'' (رومیوں6:3، گلتیوں3:27)

غور کریں کہ اب گناہ کا بدن بیکار ہو چکا ہے۔ اِسی کی وجہ سے تو مَیں گناہ کیا کرتا تھا، میرا یہ حصہ لاچار، غلام اور گناہ کے ہاتھوں بکا ہوا تھا۔ یہاں پر اِسے ''بدن'' کے طور پر بیان کیا گیا ہے (رومیوں7:24 میں بھی) مگر اس کا مطلب ''جسمانی نیت'' ہے (رومیوں8:7،8)۔

لوگ گناہ کیوں کرتے ہیں اس کی اصل وجہ گنہگار بدن (حیاتیاتی عنصر) نہیں ہے بلکہ اس کی اصل وجہ گنہگار نیت (رُوحانی نیت) ہے۔ آیئے یاد کریں کہ آدم اور حوا سمیت لوسیفر اور گرائے جانے والے فرشتوں نے بے گناہ بدن رکھتے ہوئے بھی گناہ کیا۔ لوسیفر کے نقشِ قدم پر چلنے والے لاکھوں فرشتوں کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔ جبکہ دوسری طرف یسوع نے گنہگار بدن میں رہتے ہوئے بھی بے گناہ زندگی گزاری، یعنی اُس نے اِسی بدن میں بے گناہ زندگی گزاری جو کافی نسلوں سے گناہ کے ہاتھ بکا ہوا تھا۔

یہ بات سچ ہے کہ گناہ کی اصل وجہ ہمارا گنہگار بدن نہیں ہے بلکہ بذاتِ خود گناہ ہے جس کا ہدف ہماری نیت ہوتی ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ ہماری انسانیت میں صرف ایک حصہ ایسا ہے جسے مرنا چاہیے تاکہ ہم گناہ پر غلبہ پاسکیں۔ وہ حصہ میرا جسم یا بدن نہیں بلکہ گنہگار نیت ہے۔

مسیح میں شامل ہونے کا بپتسمہ لینے کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہوتا ہے اس بارے میں پولس بڑے سخت الفاظ استعمال کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہم مسیح کے ساتھ مصلوب ہوجاتے ہیں تاکہ گناہ کا بدن بے کار ہوجائے۔ ''بے کار'' یونانی کے لفظ ''کیٹارجیو'' سے اخذ کیا گیا ہے اور اس کا مطلب ہے، دُور کرنا، ختم کرنا، ترک کرنا۔ پولس اس بات کو بیان کرنے کے لیے بڑے سخت اور واضح الفاظ کا استعمال کرتا ہے کہ جب ہم مسیح میں شامل ہوجاتے ہیں تو ہمارے گنہگار بدن کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ یہ بے کار ہوجاتا ہے یعنی مصلوب ہوجاتا ہے۔ پولس بیان کرتا ہے کہ وہ بے کار ہوگیا۔ اُس نے ایسے الفاظ کا انتخاب کیوں کیا؟ وہ اپنے قارئین کو کونسا پیغام دینا چاہتا تھا؟ اُس نے ایسا کیوں نہ کہا کہ گناہ کا بدن کمزور، لاچار یا شکست خوردہ ہوگیا ہے۔ کیا وجہ تھی؟

وہ یہ چاہتا تھا کہ اُس کے قارئین اس بات کو سمجھ جائیں کہ جب وہ مسیح میں شامل ہوجاتے ہیں تو گناہ کا مکمل خاتمہ ہوجاتا ہے یعنی ہمارا گناہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ اگر کوئی چیز تباہ کردی جاتی ہے تو اُس کا نام ونشان ہی باقی نہیں رہتا اور پولس کے بقول یہی کچھ گناہ کے بدن (گنہگار نیت) کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ اس کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔ کیوں بے شمار مسیحی لوگ پولس کی طرف سے بتائی جانے والی اس واضح حقیقت کی مخالفت کرتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے مسیح میں اپنی موت کو قبول ہی نہیں کیا ہوتا، وہ خود کو ایسا نہیں سمجھتے (رومیوں 6:11)، اور وہ اس بات کو مانتے ہی نہیں۔

پولس کہتا ہے کہ یہ تجربہ اس وجہ سے ہے تاکہ آئندہ بھی یہی ہمارا تجربہ رہے۔ تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے۔ پھر

آئندہ سے ہماری زندگی گناہ کے ماتحت یا گناہ سے مغلوب نہیں ہوتی۔ یہاں پر ہم اختتام اور آغاز کو دیکھتے ہیں۔ پھر گناہ کا خاتمہ اور راستبازی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ یہ انقلاب کیسے آتا ہے؟ پرانی انسانیت یعنی گناہ کے بدن کی مصلوبیت، موت، تباہی کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

اگر گناہ کے بدن پر فتح پانے یا گناہ کے بدن کے خلاف مزاحمت کرنے سے ایسا ہوتا تو گناہ دوبارہ سے سرزد ہو جاتا اور یوں گناہ سے بچنے کی کوشش جاری وساری رہتی۔ لیکن چونکہ یہ تبدیلی موت، مصلوبیت اور تباہی کی بدولت آتی ہے اس لیے دوبارہ سے گناہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (ہمیں گلتیوں 2:17، 18 کے بیان کو بھی یاد رکھنا چاہیے)۔

گناہ کے بدن کی مصلوبیت، موت کا مقصد صرف اور صرف یہی تھا کہ ہم گناہ کی غلامی میں نہ رہیں، ہم گناہ کے بندھن سے آزاد ہو جائیں اور گناہ پر ہمارا اختیار نہ رہے۔ اگر ہم پھر بھی گناہ کرتے رہتے ہیں تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم پر خوشخبری کا اثر نہیں ہوا یا پھر ہم نے خوشخبری پر کامل بھروسہ ہی نہیں کیا۔

باب نمبر 26

کلامِ خدا کی اہمیت

صدیوں سے وقتاً فوقتاً ایسی بے شمار تحریکوں نے جنم لیا جن میں اس بات پر زور دیا گیا کہ نجات صرف اور صرف مسیح کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔ عموماً جہاں پر انسان بلکہ انسانی کاموں اور شرائط وضوابط کو نجات کی بنیاد سمجھا جاتا ہے وہاں پر اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے سب سے اہم تحریک جو ہمارے ذہن میں آتی ہے وہ سولہویں صدی میں چلنے والی اصلاحی تحریک ہے۔

دو قسم کے لوگ

ایسی تحریکوں کے ساتھ جُڑے رہنا میں ہمیشہ یہ خطرہ محسوس ہوتا ہے۔ یہ خطرہ ہمیشہ سے تھا اور شاید ہمیشہ رہے گا۔ خطرہ یہ ہے کہ جب اِن تحریکوں میں مسیح اور ہم میں موجود اُس کی زندگی پر زور دیا جاتا ہے تو لوگ پھر یہ سوچنا شروع کر دیتے ہیں کہ اب خدا کے تحریری کلام کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اب ہم میں مسیح کی زندگی ہے اور ہم اُسی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ایسی کٹر سوچ لوتھر کے دور میں پائی جاتی تھی۔ وہ ''رُوح القدس، رُوح القدس'' ہی کہتے تھے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ چونکہ اب وہ مسیح میں ہیں اس لیے اب اُنہیں خدا کے تحریری کلام کی بالکل بھی ضرورت نہیں ہے اور اب یسوع ہی اپنے رُوح القدس کے ذریعے اُن کی رہنمائی کرے گا کہ اُنہیں کیا کرنا ہے اور وہی نیکی کرنے میں اُن کی رہنمائی کرے گا۔ خدا کے کلام کو نظر انداز کرتے ہوئے اُنہوں نے اپنے جذبات پر انحصار کیا اور اِس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن میں انتہائی جذباتی اور غیر مناسب رویہ پیدا ہو گیا۔ آج یہی بات ہمیں پینتی کاسٹل تحریک میں ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

جبکہ دوسری طرف، ایسے بے شمار لوگ بھی ہیں جو مسیح کے ذریعے راستبازی حاصل کرنے کی بات کرتے ہیں اور جو مسیح کی زندگی کو اپنے اندر ہونے کی حقیقت کو رد کرتے ہیں۔ اُن کا زیادہ زور اس بات پر ہوتا ہے کہ مسیح نے میرے لیے کیا کیا ہے، مگر مسیح اُن میں کیا کرتا ہے وہ اِس بارے میں بہت کم بات کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایسا مذہب جنم لیتا ہے جس میں زیادہ تر مسیح اور اُس کی راستبازی کی بات کی جاتی ہے مگر اُن میں مسیح کی زندگی بہت کم دکھائی دیتی ہے۔

مسیح میں راستبازی ایک شاندار حقیقت ہے۔ دراصل اِسی سچائی کے ساتھ باقی تمام سچائیاں جُڑی ہوئی ہیں۔ جب ہم اس کو سمجھ لیتے ہیں تو پھر نہ صرف ہمیں انسان کی نجات آسان اور مکمل دکھائی دیتی ہے بلکہ ہم خدا اور اُس کے بیٹے کی محبت کی بھی قدر کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مگر سوال یہ پوچھا جانا چاہیے کہ ہم ان دو قسم کے لوگوں سے کیسے بچ سکتے ہیں، ان میں سے ایک قسم کے لوگ تو ہمیں کٹر پن کی آگ میں جھونک دیتے ہیں جبکہ دوسری قسم کے لوگ ہمیں قوانین کی برف پر کھڑا کر دیتے ہیں؟

دونوں معاملات میں کم علمی غلط عقائد کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یقیناً غلط عقائد پھر غلط تجربے کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم یہ بات جان سکتے ہیں کہ مسیحیت کی بنیاد دُرست علم پر ہے (رومیوں 14:10)۔ یہ بات سچ ہے کہ علم بذاتِ خود کسی کو نہیں بچا سکے گا مگر اس کے ساتھ ساتھ علم کے بغیر کسی قسم کی بہتری اور تبدیلی بھی نہیں آتی۔ اگر لوگ سچائی کو جان کر ایمان لاتے ہیں تو پھر اُن کی زندگیوں سے مسیح ظاہر ہوتا ہے۔ مسیح میں آگے بڑھتے ہوئے اس بات کو یقینی بنائیں کہ دُرست علم اور آگاہی کے ساتھ آگے بڑھا جائے۔ ہم اس بات کو بھی یقینی بنائیں کہ کہیں ایسے گڑھے میں نہ گر جائیں جس میں زیادہ تر لوگ گر پڑتے ہیں۔

حقیقت کے برعکس سچائی

مسیح بذاتِ خود ایمان میں سکونت کرتا ہے۔ یہ ایسی سچائی ہے جس کے بارے میں بائبل مقدس واضح طور پر، پُر زور اور بار بار سکھاتی ہے۔ ہم میں مسیح کی زندگی ہی ہمیں گناہ پر مکمل فتح مہیا کرتی ہے۔ اگر ہم بائبل مقدس کی تعلیم کو قبول کریں تو اس پر کسی قسم کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم ان حقائق کے باوجود بھی ہم بائبل مقدس کو بہت کم اہمیت دیتے ہیں۔ کیوں؟ کیا مسیح مجھے شخصی طور پر نہیں سکھائے گا؟ چونکہ مسیح مجھ میں ہے تو کیا مَیں خود بخود اس بات کو جان نہیں سکوں گا کہ اچھائی ہے؟ اگر مجھ میں زندہ کلام موجود ہے تو پھر مجھے اس تحریری کلام کی کیوں ضرورت ہے؟

اس طرح کے سوالات کی وجہ سے ہی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی مسیحیت میں کیا کچھ شامل ہے۔

پہلے نمبر پر، آیئے اس مسئلے کو حل کریں: وہ تمام چیزیں جن کی ہمیں ضرورت ہے یا کبھی ضرورت ہوگی وہ سب ہمیں پہلے ہی دی جا چکی ہیں۔ یہ تمام چیزیں پہلے ہی ہمیں مل چکی ہیں (1 کرنتھیوں 21:3، 23)۔ خدا نے انسانی ضرورت کی ہر چیز مثلاً حکمت، پاکیزگی، نجات، قدرت اور زندگی وغیرہ (1 کرنتھیوں 1 : 30؛ کلسیوں 3:2؛ 1 یوحنا 11:5) یسوع مسیح کو مہیا کر دیں تھیں۔ اُس میں یہ ساری باتیں حقیقی طور پر موجود ہیں۔ چاہے

ہم اُنہیں چاہیں یا نہ چاہیں، اُنہیں مانیں یا نہ مانیں، وہ یسوع میں موجود ہیں۔ جب کوئی انسان مسیح کو قبول کر لیتا ہے تو یہ ساری چیزیں اُس انسان کی ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ساری چیزیں مسیح کی ہیں اور یوں مسیح اور وہ شخص ایک ہی زندگی کے حصہ دار بن جاتے ہیں (1 کرنتھیوں 13:12) یسوع میں خدائے ثالوث رہتا ہے اور ہم مسیح میں مکمل ہوتے ہیں۔ ہم اُس کی مانند ہوتے ہیں اور جو کچھ اُس کا ہوتا ہے وہ سب ہمارا ہوتا ہے۔

مگر ایسا کیوں ہے کہ ہم بلکہ بہت سے وفادار اور ایماندار مسیحی بھی مسیح کی زندگی کو اتنی اہمیت نہیں دیتے؟ اگر اِن خوبیوں پر مشتمل ہم میں واقعی مسیح کی زندگی ہے تو پھر ہمارے قول اور فعل میں اتنا تضاد کیوں پایا جاتا ہے؟

تحریری اور زندہ کلام

اس سوال کا جواب دینے کے لیے ہمیں مسیحیت میں کلامِ خدا کی اہمیت کو سمجھنا پڑے گا۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور کریں:

''کیونکہ تُم فانی تُخم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خُدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زِندہ اور قائم ہے نئے سِرے سے پیدا ہُوئے ہو'' (1 پطرس 23:1)

''اُنہیں سچائی کے وسیلہ سے مُقدس کر۔ تیرا کلام سچائی ہے'' (یُوحنا 17:17)

کوئی بھی انسان اِن آیات کو پڑھ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ لفظ بذاتِ خود یعنی اصل جملوں اور آوازوں کے ذریعے ہم میں ایسی تبدیلی واقع ہوتی ہے مگر یہ بات اُن حوالوں کے خلاف ہوگی جو واضح طور پر یہ بتاتے ہیں کہ مسیح رُوح القدس کی بدولت ہماری زندگیوں میں رہتا ہے اور ہم میں کام کرتا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ہمیں مسیح کے کام، زندہ کلام اور تحریری لحاظ سے بائبل مقدس کے درمیان پائے جانے والے تعلق کو سمجھنا پڑے گا۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ خدا ہماری مرضی اور ضمیر کے خلاف ہم میں کام نہیں کرتا۔ ہم میں مسیح کی زندگی اپنے ضمیر اور اپنی سوچ کے مطابق اُس کی مرضی کی تابعداری کرنے کے ذریعے ظاہر ہوتی ہے۔ بالفاظ دیگر ہم پر ظاہر ہونے والی سچائیوں سے باہمی آہنگی کی بدولت ہم میں مسیح کی زندگی ظاہر ہوتی ہے۔ عموماً ایسا نہیں ہوتا کہ خدا انسان کے بدن یا سوچ کو اپنے قابو میں کر لے اور اُس کے ضمیر کو اپنی خاص مرضی کے مطابق استعمال کرنا شروع کر دے۔

علم سے ایمان کو تقویت ملتی ہے

جب ہم اس بات کو سمجھ جاتے ہیں تو پھر ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ خدا نے

ہمیں کس قدر مہیا کیا ہے بلکہ ہم اپنی سمجھ اور ایمان کے مطابق اور زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم بادشاہ ہوں مگر جہالت ہمیں نوکر بنا دیتی ہے۔

کلامِ خدا کی بدولت ہماری آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ کلامِ خدا کی بدولت زندگی کا رُوح جو کہ پہلے ہی ہمارا ہے، ہمیں اُس سے واقفیت ہو جاتی ہے اور یوں ہم اُس کا عملی تجربہ کر سکتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر ہم پہلے ہی ان تمام چیزوں کے وارث ہیں مگر ہم اس بات سے لاعلم ہوتے ہیں۔ چونکہ ہم تھوڑے کی توقع کرتے ہیں اس لیے ہمیں تھوڑا ملتا ہے۔

مَیں ایسے شخص کی بات کرنا چاہوں گا جسے اُس کے کروڑ پتی دوست نے ایک کتاب دی اور اُس میں حیرت انگیز کوڈ لکھے ہوئے ہیں۔ اُسے تو بس اتنا ہی پتا تھا کہ اُسے ایک کتاب وارثتی طور پر ملی ہوئی ہے۔ لیکن جب وہ ہر روز یہ کتاب پڑھتا رہا تو پھر آہستہ آہستہ اُن کوڈز کو بھی سمجھنے لگا۔ پھر ایک اہم ترین صفحے پر پہنچا اور اُس پر کوئی مخصوص بنک اکاؤنٹ نمبر لکھا ہوا تھا جو اِسی کے نام پر تھا اور اُس میں لاکھوں ڈالر موجود تھے! وہ پہلے ہی کروڑ پتی تھا مگر اُسے اس بات کی خبر نہیں تھی۔ اب چونکہ وہ یہ بات جان گیا تھا اس لیے اب وہ اُن پیسوں کو خرچ کر سکتا تھا۔ مگر اُس میں یہ تجسس تھا کہ وہ اگلے صفحے پر جائے کیونکہ کیا خبر اُس پر بھی اس کے لیے کوئی بڑا خزانہ ہو!

بات یہ ہے کہ جب سے اُس کتاب میں اُس کے بارے میں وہ خفیہ کوڈ درج ہوا تب سے وہ امیر ہی تھا مگر اُسے اس بات کی خبر ہی نہ تھی، اس لیے وہ اِس دولت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ ہمارے اور خدا کے کلام کے بارے میں بھی یہی بات ہے۔ ہمیں پہلے سے سب کچھ دیا جا چکا ہے اس کے باوجود بھی ہمیں اُن کو جاننا اور ماننا ہے۔ ''پس ایمان سُننے سے پیدا ہوتا ہے اور سُننا مسیح کے کلام سے'' (رُومیوں 17:10)۔

میرے اندر موجود مسیح کی زندگی میری فطرت کو تبدیل کر دیتی ہے مگر اہم بات یہ ہے کہ وہ زندگی ہمیں مافوق الفطرت انداز سے تبدیل نہیں کرتی۔ مسیح اپنے کلام کے ذریعے ہی اپنی مرضی کو ہم پر آشکارہ کرتا ہے۔ پس اگرچہ مسیح میں ہوتے ہوئے ہمیں مجھ میں رُوحانی فطرت ہے یعنی مسیح کی فطرت ہے مگر میرے پاس علم ابھی بھی انسانی ہے اور مَیں اپنی سمجھ کے مطابق ہی اچھائی اپنا کر زندگی بسر کر سکتا ہوں۔ لہٰذا مسیح اپنے کلام اور اپنے رُوح القدس کی رہنمائی کے ذریعے مجھے تعلیم دیتا رہتا ہے تاکہ مَیں مسیح میں کامل ہوتے ہوئے بھی روز بروز مزید بالغ اور مسیح کی شبیہ کو اپنے رویے کے ذریعے ظاہر کرتا رہوں۔

پس مسیحیوں کو پہلے ہی تمام چیزیں دی جا چکی ہیں۔ دراصل بائبل مقدس یوں بیان کرتی ہے کہ خدا کا صرف

مسیحیوں کے ساتھ نہیں بلکہ پوری ''دُنیا'' کے ساتھ میل ملاپ ہو چکا ہے (2 کرنتھیوں 19:5)! مگر ہم صرف کلامِ خدا کے ذریعے ہی اپنی وراثت کو میراث میں لے سکتے ہیں۔ کلامِ خدا کے بغیر تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں، کیونکہ ہمیں پتا ہی نہیں تو پھر ہم ایمان کیسے لا سکتے ہیں؟ (رومیوں 10:14)۔ اور اگر ہم ایمان نہیں رکھتے تو پھر ہم حاصل بھی نہیں کر سکتے۔ لہٰذا پولس ہمیں یہ بتاتا ہے کہ غیر اقوام والے لوگ ''اپنے دِلوں کی سختی کے باعث خدا کی زندگی سے خارج ہیں'' (افسیوں 18:4)۔

تحریری کلام سچائی کو بناتا نہیں بلکہ سچائی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ مسیح کو ظاہر کرتا ہے جو کہ سچائی، زندہ کلام، جو خدا کے کلام کی تکمیل ہے، اُس کے تمام وعدے اور مطالبات اِسی میں پائے جاتے ہیں۔

''کیونکہ خُدا کے جتنے وعدے ہیں وہ سب اُس میں ہاں کے ساتھ ہیں۔ اِسی لئے اُس کے ذریعہ سے آمین بھی ہُوئی تا کہ ہمارے وسیلہ سے خُدا کا جلال ظاہر ہو'' (2 کرنتھیوں 20:1)

ایمان زندگی حاصل کرتا ہے

مگر ایمان کے ساتھ قبول کیا گیا تحریری کلام کلیدی بات ہے۔ اگرچہ مسیح کی بدولت سب کچھ پہلے سے ہی ہمارا ہے مگر مسیحی زندگی صرف ایمان کی بدولت ہی گزاری جاتی ہے۔ ایمان کے ذریعے خدا کی عطا کردہ تمام چیزوں کو حاصل کیا جاتا ہے مگر بے اعتقادی سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ جو شخص ایمان نہیں رکھتا اُس کے لیے خدا کی ساری قدرت، ساری برکات، سارا زور اور فضل کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ ایمان ایسی چابی ہے جس کے ذریعے خدا کی تمام برکات کو کھولا جا سکتا ہے جو ہمیں مسیح کے ذریعے پہلے ہی دی جا چکی ہیں مگر ہم اُن سے لاعلم ہیں۔ تحریری کلامِ خدا ایمان پیدا کرتا ہے (رومیوں 14:10) اور اِسی کی بدولت زندہ کلام حاصل ہوتا ہے۔ مگر ہم زندہ کلام کس حد تک وصول کرتے ہیں؟ جس حد تک ہم توقع کر سکتے ہیں اُس حد تک ہم زندہ کلام وصول کر سکتے ہیں۔ مگر ایسا خدا کے تحریری کلام پر ایمان رکھنے کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔

لہٰذا یہ بات تو واضح ہے کہ خدا کے کلام کے بارے میں ہم جتنا زیادہ جانتے ہیں اور اِس کلام پر ایمان بھی رکھتے ہیں تو مسیح جو کہ زندہ کلام ہے اُس کے ساتھ ہمارا تعلق اُتنا ہی مضبوط ہوتا جاتا ہے۔ مگر آیئے اس بات کو یاد رکھیں کہ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ مسیح میں ہمیں یہ تمام چیزیں بنای عالم سے پیشتر نہیں ملیں۔ جی نہیں، بلکہ ہم اپنی محدود سوچ اور ایمان کی وجہ سے اُن سے لاعلم ہیں اور آہستہ آہستہ ہمیں خدا کے کلام کی بدولت اُن کا تمام چیزوں کا علم ہوا ہے۔

اِسی وجہ سے پولس رُسول نے افسیوں کی کلیسیا کے لیے دُعا کی تا کہ اُن کی حکمت کی آنکھیں روشن ہو جائیں اور وہ یہ بات جان سکیں کہ مسیح کی بدولت اُنہیں کیا کچھ ملا ہے (افسیوں 1:15-23)۔

جدعون کی کہانی

جدعون کی کہانی اس بات کو بہتر طور پر بیان کرتی ہے۔ جدعون کے زمانے میں اسرائیل کے بہت بُرے حالات تھے۔ اُس وقت اُنہیں مدیانیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور اُن کی غلامی میں چلے گئے۔ اُن کی حالت اس قدر مایوس کُن ہو چکی تھی کہ جب بھی اُن کی فصلیں پک کر تیار ہو جاتیں تو مدیانی لوگ آتے اور اُن کے کھیتوں کی پیداوار لے جاتے اور وہ اس بارے میں مکمل طور پر لاچار اور بے بس تھے۔

ایک روز جدعون اپنی گندم کی فصل کو جھاڑ رہا تھا۔ وہ اپنی فصل زمین پر نہیں بلکہ مَے تیار کرنے والی جگہ پر گیہوں کو جھاڑ رہا ہے، اِس اُمید کے ساتھ کہ مدیانیوں کو اس بات کا علم نہ ہوگا اور یوں اُن کے لیے کچھ فصل بچ جائے گی۔ جدعون مایوس اور شکست خوردہ لوگوں میں رہتا تھا۔ وہ بھی اُنہی جیسا تھا یعنی اُسے بھی کسی قسم کی کوئی اُمید نہ تھی۔ مگر اُس نے اپنے طریقہ کار کو تبدیل کیا اور اُس نے سوچا کہ وہ مدیانیوں کے ہاتھ سے کچھ فصل بچا لے تا کہ اِن کے کھانے کے لیے بچ جائے۔

اچانک سے اُس نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سنی،

''اَے زبردست سُورما! خُداوند تیرے ساتھ ہے۔...تُو اپنے اِسی زور میں جا اور بنی اِسرائیل کو مِدیانیوں کے ہاتھ سے چھُڑا۔ کیا میں نے تُجھے نہیں بھیجا؟'' (قُضاۃ 6:12-14)

جدعون نے بڑی حیرانگی سے پیچھے مُڑ کر دیکھا یہ کون شخص ہے جو اِس سے بات کر رہا ہے۔ یقیناً یہ بات اُس کے بارے میں تو نہیں کہی جا رہی کیونکہ وہ تو سورما نہیں تھا! لیکن جب اُس نے دیکھا کہ فرشتہ اُسی سے مخاطب ہے تو اُس نے یوں جواب دیا،

''اُس نے اُس سے کہا اَے مالک! میں کِس طرح بنی اِسرائیل کو بچاؤں؟ میرا گھرانا منسی میں سب سے غریب ہے اور میں اپنے باپ کے گھر میں سب سے چھوٹا ہُوں'' (قُضاۃ 6:15)

دراصل جدعون یہ کہہ رہا تھا کہ ''اے میرے مالک، آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ مَیں تو سورما نہیں ہوں۔ میرا گھرانہ تو منسی (اسرائیل کا سب سے چھوٹا قبیلہ) میں سب سے غریب ہے اور مَیں بھی کمزور اور ناتواں ہوں، اور

میں اپنے باپ کے گھرانے میں سب سے چھوٹا ہوں۔ پس اس لحاظ سے مَیں تو بہت چھوٹا ہوں اور مجھے میں اتنی قوت نہیں اور نہ ہی مَیں سورما ہوں!''

اب کون سچ کہہ رہا تھا؟ کیا فرشتہ سچ بول رہا تھا یا جدعون سچ بول رہا تھا؟ اگر خدا نے یہ فرمایا تھا کہ جدعون زبردست سورما ہے تو کیا جدعون واقعی زبردست سورما تھا؟ یقیناً وہ تھا! خدا جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اگرچہ یہ بات اُس وقت سچ معلوم نہیں ہو رہی تھی مگر جب خدا نے یہ کہہ دیا تو پھر یہ بات سچ ہوگئی۔ تاہم حقیقت تو یہ ہے کہ جدعون زورآور اور زبردست سورما تھا لیکن پھر بھی وہ کمزور اور ناتواں حالت میں زندگی بسر کر رہا تھا کیونکہ وہ اپنے بارے میں یہی کچھ جانتا تھا! اُس کی طاقت اُس وقت تک بے کار تھی جب تک اُس نے اِسے مان نہ لیا! لہٰذا اُس کے ایمان کو مضبوط کرنے (اُس کی پہلے سے موجود قوت کو بڑھانے) کے لیے خدا کو کچھ کرنا پڑا۔ پس خدا نے اُسے ایک نشان دیا تاکہ وہ جان سکے کہ واقعی خدا اُس کے ساتھ ہے۔ جدعون نے خدا کی تصدیق کرنے کے لیے دو راتوں تک بھیڑ کی کھال باہر رکھی۔ ایک رات بھیڑ کی کھال بالکل سوکھی رہی جبکہ اُس کے اردگرد کی ساری زمین بھیگی ہوئی تھی جبکہ اگلی رات وہ کھال بھیگی ہوئی تھی جبکہ اردگرد کی زمین بالکل خشک تھی (قضاۃ 6:36-40)۔

بالآخر جدعون خدا کے کلام پر ایمان لایا کیونکہ خدا نے اُس پر فضل کیا اور اُسے چند ثبوت مہیا کیے۔ لیکن ان شواہد کو وصول کرنے سے قبل ہی جدعون زبردست سورما تھا، صرف مسئلہ یہ تھا کہ اُسے اس بات کا علم ہی نہیں تھا۔ جب وہ اس بات کو مان گیا تو پھر خدا نے اُس کے ساتھ کوئی نیا کام نہ کیا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اب جدعون اُس بات کو مان گیا تھا اور چونکہ اب وہ مان گیا تھا اس لیے وہ طاقتور اور سورما کے طور پر زندگی گزارنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ تین سو سپاہی کے ساتھ باہر گیا اور اُنہوں نے ہزاروں سپاہیوں پر مشتمل مدیانی فوج کو تہس نہس کر دیا۔ ایسا اُس کے ماننے کی وجہ سے ہوا۔

جب کوئی انسان ایمان لے آتا ہے تو پھر نجات کے معاملے میں خدا کو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا کیونکہ وہ تو پہلے ہی سب کر چکا ہوتا ہے۔ اُس انسان کے ایمان لانے سے قبل ہی یہ سب کچھ ہو چکا ہوتا ہے لیکن اب چونکہ وہ انسان ایمان لے آتا ہے اس لیے وہ اُس حقیقت کو ماننے، محسوس کرنے اور اُس کا تجربہ کرنے کے قابل بن جاتا ہے جو کہ اِس کے ایمان لانے سے پہلے بھی موجود تھی۔

یوں ہم اس جملے کے اصل مطلب کو جان سکتے ہیں کہ ''مسیح میں بڑھتے جاؤ۔'' اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ ہمیں مسیح کی مانند بننا چاہیے بلکہ ہمیں مسیح پر زیادہ سے زیادہ ایمان رکھتے ہوئے اُس سے زیادہ سے زیادہ (جہاں تک

کلام ہمیں مہیا کرے) حاصل کرنا چاہیے۔ جب کلام ہماری رہنمائی ایمان کی جانب کرتا ہے تو ہم مسیح کی زندگی، برکات، اختیار اور قدرت بڑھتے اور ترقی کرتے جاتے ہیں (رومیوں 1:17)۔

اچھائی اور بُرائی کا رہبر

جیسے کلامِ خدا ہم پر مسیح کی زندگی اور زندگی میں پائی جانے والی تمام برکات جو ہمیں مسیح کے ذریعے حاصل ہوئی ہیں، اُن کو ظاہر کرتا ہے اُسی طرح سے یہ بہتر انداز میں خدا کا کردار اور راستبازی کے معیار کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ اگرچہ ہم مسیح میں مکمل، اُس کی راستباز فطرت کے حصہ دار، گناہ پر فاتح ہیں مگر پھر بھی اس بات پر زور دیا جانا چاہیے کہ ہمیں مکمل آگاہی نہیں ہے۔ ایسا ممکن ہے کہ ہم سو فیصد خدا کے وفادار ہوں اور اس کے باوجود ہم کچھ ایسا کر رہے ہوں جو مکمل طور پر خدا کی رضا کے مطابق نہ ہو! حقیقی مسیحی کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ خدا کو خوش کرے۔ چونکہ اُس میں مسیح کی فطرت ہوتی ہے اس وجہ سے وہ صرف اچھائی ہی کرنا چاہتا ہے اور مسیح کی فطرت اِسی انداز میں ظاہر ہوتی ہے یعنی صرف اچھائی کرنے کی خواہش کی بدولت۔ اگر اُس کے پاس مسیح کے متعلق مکمل علم نہ ہو تو اچھائی اور بُرائی کے حوالے سے اُس کا نظریہ غلط بھی ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی کام غلط ہو مگر وہ اِسے اچھا مان کر کر رہا ہو۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ مسیح اُس میں نہیں ہے بلکہ حقیقت بات یہ ہے کہ وہ ابھی تک مسیح میں بچہ ہی ہے۔ ایک بچے میں فطرت اور زندگی ہوتی ہے مگر اُس میں بالغ انسان کی مانند علم نہیں ہوتا۔

خدا ایسے لاعلمی پر مشتمل مسیحی رویے کو گناہ قرار نہیں دیتا، اِسی طرح سے اگر کوئی دو سال کا بچہ کسی بالغ شخص کو دیکھتے ہوئے کوئی بُری بات کہتا ہے یا بتوں کے سامنے جھکتا ہے تو ہم اِسے گناہ نہیں کہہ سکتے۔ تاہم اِس قسم کے رویے سے یقیناً خدا کے کردار کو غلط انداز سے پیش کیا جاتا ہے اور خدا یہ نہیں چاہتا کہ وہ اپنے بچوں کو ایسی حالت میں چھوڑ دے۔ پس ہم دیکھ سکتے ہیں کہ خدا کے کلام کا اہم کام ہمیں تعلیم دینا ہے، خدا کے کردار کو ظاہر کرنا اور ہمارے بارے میں خدا کی مرضی کو عیاں کرنا ہے تاکہ ہم وفاداری سے مسیح کی زندگی گزار سکیں مگر ہمیں اِس کو کامل انداز سے بھی گزارنا چاہیے۔

تحریری اور زندہ کلام میں ایک کامل توازن، باہمی ہم آہنگی اور باہمی انحصار پایا جاتا ہے۔ عموماً ہم ایک طرف یا دوسری طرف ہو جاتے ہیں اور ہم اِن دونوں کو ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر دیتے ہیں۔ ہم یوں کہتے ہیں ''رُوح القدس صرف رُوح القدس'' یا ''کلام مقدس صرف کلام مقدس''۔ مگر ان دونوں کو بہتر انداز میں سمجھنے سے بہت اچھا لگتا ہے اور ہمیں پتا چلتا ہے کہ خدا کے کام میں مختلف اجزا باہمی طور پر متحد ہیں۔

پاکیزگی

باب نمبر 27

زندگی بھر جاری رہنے والا کام

پاکیزگی کیا ہے؟ عموماً پاکیزگی کے بارے میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ یہ ایسا مرحلہ ہے جس کے ذریعے ہم آسمان (ہمیشہ کی زندگی) کے لیے موزوں ٹھہرتے ہیں۔ زیادہ تر اِس کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے کہ یہ ایسا مرحلہ ہے جس کی بدولت ہم آہستہ آہستہ پاک سے پاک تر ہوتے جاتے ہیں اور مسیح کی مانند بنتے جاتے ہیں جب تک ہم مکمل طور پر اُس کی مانند نہ بن جائیں۔ یہ بات قابلِ دلچسپ ہے کہ بائبل مقدس میں پاکیزگی کا مطلب اس سے ہٹ کر ہے اور اِس میں اِسے تقریباً تکمیل شدہ کام کے طور پر بیان کیا جاتا ہے۔ مثلاً ''خدا نے ساتویں دن کو برکت دی اور اُسے مقدس ٹھہرایا'' (پیدایش 2:3)۔ پولس کرنتھس کے ایمانداروں سے یوں کہتا ہے ''...اور ہمارے خدا کے رُوح سے دُھل گئے اور پاک ہوئے اور راستباز بھی ٹھہرے'' (1 کرنتھیوں 6:11)۔ وہ مزید یوں کہتا ہے ''کیونکہ اُس نے ایک ہی قربانی چڑھانے سے اُن کو ہمیشہ کے لئے کامل کردیا ہے جو پاک کئے جاتے ہیں'' (عبرانیوں 10:14)۔ یہاں پر اس لفظ کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ کسی پاک مقصد کے تحت مخصوص کرنا اور اِس میں موجودہ وقت کی بات ہوتی ہے۔ لیکن بے شک یہ لفظ آج بھی ایسے مرحلے کو بیان کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان پاکیزگی کے مرحلے میں ترقی کرتا جاتا ہے۔

آیئے اس پر تفصیلاً بات کرتے ہیں: جب ہم یہ کہتے ہیں کہ پاکیزگی ''زندگی بھر جاری رہنے والا کام'' ہے تو ہم یہاں کسی کی زندگی کی بات کر رہے ہیں؟ کیا ہم متوسلح کی زندگی کی بات کر رہے ہیں جس کی عمر 969 برس ہوئی، حنوک کی زندگی کی (365 برس)، موسیٰ کی زندگی (120 برس) یا آج کے انسان کی زندگی کی بات کر رہے ہیں (70-80 برس)؟ مگر اُن لوگوں کی زندگیوں کی بارے میں کیا خیال ہے جن کی زندگیاں کسی بیماری یا حادثے کی وجہ سے انتہائی کم ہوگئیں؟ پاکیزگی کے لیے کتنا وقت درکار ہوتا ہے؟ شاید اس کے لیے ہمیں طویل عمر چاہیے۔ شاید ہم سب کو حنوک کی مانند 365 سالوں کی زندگی چاہیے مگر متوسلح کی عمر حنوک سے تین گنا زیادہ تھی مگر پھر بھی وہ خدا کے ساتھ چلنے والے حنوک کی مانند خدا کے نزدیک نہ ہوسکا۔

اگر پاکیزگی ہمیں آسمان (ہمیشہ کی زندگی) کے قابل بناتی ہے تو پھر یہ صلیب پر لٹکے ہوئے ڈاکو کی زندگی

میں اتنی تیزی سے کیسے آ گئی اور سینکڑوں سال زندگی گزارنے والوں کی زندگیوں میں اتنی آہستہ کیوں آتی ہے؟

عبرانیوں4:9-11 میں پولس ہمیں بتاتا ہے کہ خدا کے لوگ کے لیے ایک آرام ہے۔ وہ وضاحت کرتا ہے کہ جو شخص خدا کے آرام میں داخل ہو جاتا ہے وہ خدا کی مانند اپنے کاموں سے بھی آرام حاصل کرتا ہے کیونکہ خدا نے تخلیق کے بعد آرام کیا۔ اگر ہم اپنے کاموں سے آرام کرتے ہیں تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اب ہمیں مزید کوئی کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ بالکل بھی ایسا نہیں ہے! کیوں پولس یوں کہتا ہے ''کیونکہ جو تُم میں نیت اور عمل دونوں کو اپنے نیک ارادہ کو انجام دینے کے لئے پیدا کرتا ہے وہ خدا ہے'' (فلپیوں2:13)۔ غور کریں کہ ایماندار کی زندگی میں بھی کرنے کے لیے کام ہوتے ہیں مگر وہ کام اِس کے اپنے نہیں ہوتے بلکہ وہ مسیح کے کام ہوتے ہیں۔ پولس ہمیں اس حوالے میں بڑے موثر انداز میں یوں بتاتا ہے،

''پس آؤ ہم اُس آرام میں داخِل ہونے کی کوشش کریں تا کہ اُن کی طرح نافرمانی کر کے کوئی شخص گِر نہ پڑے'' (عبرانیوں4:11)

جب مَیں پولس کی اس بات پر غور کرتا ہوں تو مُسکرا اُٹھتا ہوں۔ یہاں پر وہ یوں کہتا ہے کہ ہمیں ''کوشش'' کرنی چاہیے یعنی ہمیں کام کرنا چاہیے۔ لیکن کس مقصد کے لیے؟ تا کہ ہم آرام کر سکیں! ہمیں کوشش کرنی چاہیے تا کہ ہم آرام کر سکیں! کیا یہ بات متضاد محسوس نہیں ہوتی؟ بالکل بھی نہیں، یہاں پر ہم پاکیزگی سے متعلقہ دونوں خیالات میں ہم آہنگی کو دیکھتے ہیں یعنی ''زندگی بھر جاری رہنے والا کام'' اور خدا کے لیے کامل طور پر مخصوص ہونے میں۔

پولس رُسول ہمیں عبرانیوں 4 باب میں نافرمانی کے خطرے سے آگاہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمیں کوشش کرنی چاہیے تا کہ ہم خدا کے آرام میں شامل ہو سکیں، مگر ہم اُس میں کیسے داخل ہوتے ہیں؟ ہم ایمان کی بدولت اُس میں داخل ہوتے ہیں! پس یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہمیں کوئی کام نہیں کرتے رہنا بلکہ ایمان میں قائم رہنے کے لیے کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اگر کاموں کی بات کریں تو ہم آرام بلکہ خدا کے آرام میں شامل ہو جائیں گے۔ ہمارا کام اختتام پذیر ہو چکا ہے۔ اب ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ کہیں نافرمانی ہمیں اُس آرام سے محروم نہ کر دے اور اسی وجہ سے ہمیں محنت کرنی چاہیے، یعنی ہمیں ایمان میں قائم رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مسیحی کاوش کا یہی خلاصہ ہے یعنی ایمان کو بحال رکھنے کی کوشش کیونکہ جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں ہر قسم کی لڑائی ختم ہو جاتی ہے، جہاں ایمان ہوتا ہے وہاں خدا کام کرتا ہے اور ہر طرح کی لڑائی اختتام پذیر ہو جاتی ہے۔

اگر مسیح پر ایمان رکھنے کی بدولت گناہ پر فتح مند زندگی ہماری ہے تب یہ بات تو واضح ہے کہ جونہی ہم مسیح پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ زندگی ہمیں فوری طور پر مل جاتی ہے۔ بہرحال یہ بات بھی واضح ہے کہ چونکہ ہمیں ایمان کی بدولت یہ فتح ملتی ہے تو پھر ایمان کو بحال رکھنے کے ذریعے یہ پتا چلتا ہے کہ کیا یہ ہمارے پاس ہے یا نہیں۔ خدا کا کام ہمیشہ سے کامل ہے مگر وہ ہمارے ایمان کی بدولت ہی ہم میں کام کرسکتا ہے۔ پس ہمیں صرف ایک لڑائی لڑنی ہے مگر یاد رکھیے کہ یہ لڑائی نیکی کرنے یا گناہ پر فتح پانے کی لڑائی نہیں ہے بلکہ یہ ''ایمان کی اچھی کشتی'' ہے۔ یہ اپنے ایمان کو بحال رکھنے کی جدوجہد ہے۔

اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پاکیزگی یعنی مسیح کے لیے مخصوص ٹھہرنے کا کام مسیح پر ایمان رکھتے ہی فوری طور پر ہوجاتا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ ایسا مرحلہ ہے جو زندگی بھر چلتا رہتا ہے۔ مسیح میں شامل ہونے والا شخص خدا کی نظر میں مقبول ٹھہرتا ہے اور ایسا شخص مسیح میں مکمل ہوجاتا ہے (کلسیوں 9:2)۔ وہ خدا کے لیے پاکیزگی یا مخصوص ٹھہرتا ہے۔ تاہم، اُس شخص کو زندگی بھر ایمان کی بدولت مسیح کے ساتھ قائم رہنے کو بحال رکھنا پڑتا ہے، چاہے اُس کی عمر 969 برس ہو یا 70 برس ہو۔ یہ کوئی ایسا خودکار مرحلہ نہیں ہوتا جس میں یہ تعلق خود بخود بحال رہ سکے۔ ایمان کی پرورش، نشوونما، مشق، محتاط انداز سے حفاظت کی جانی چاہیے اور ''ایمان کی یہ لڑائی'' زندگی بھر جاری رہتی ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے کہ پاک ٹھہرنے کے لیے پوری زندگی چاہیے!! بالکل نہیں، پاکیزگی کی جس حالت کو ہم نے شروع میں حاصل کیا تھا وہ ہمیں زندگی بھر قائم رکھنی چاہیے، چاہے ہماری عمر 2 سال ہو یا 969 سال ہو۔ یہ زندگی بھر جاری رہنے والا ''کام'' ہے۔

پس صلیب پر لٹکے ہوئے ڈاکو کی زندگی صرف چند گھنٹوں میں پاک ہوگئی اور اِسی طرح سے متوسلح جس نے 969 برس عمر پائی اُس کی زندگی بھی پاک ہوگئی۔ اِن کے زندگیوں میں یہ مرحلہ جاری وساری رہا۔ اُن کی زندگیوں میں کبھی بھی ایسا موقع نہ آیا جہاں پر وہ یوں کہہ سکتے کہ ''اب مَیں پاکیزہ ہوچکا ہوں اور آئندہ سے مجھے اس بارے میں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

یاد رکھیں کہ پاکیزگی ہم سے کام کا مطالبہ نہیں کرتی۔ یہ تو خدا کا کام تھا۔ ایمان کے ذریعے ہمیں پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور ہمیں اِس کو ''زندگی بھر'' قائم ودائم رکھنا چاہیے۔

باب نمبر28

ابدی آرام

''اَے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ میں تُم کو آرام دُوں گا۔ میرا جُوا اپنے اُوپر اُٹھا لو اور مُجھ سے سیکھو۔ کیونکہ میں حلیم ہُوں اور دِل کا فروتن۔ تو تُمہاری جانیں آرام پائیں گی۔ کیونکہ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا'' (متی11:28-30)

یہ یسوع کے الفاظ ہیں اور جب سے یسوع نے یہ الفاظ بولے ہیں تب سے بے شمار مشہور و معروف لوگ جو کہ انجیل کو بہتر طور پر نہیں سمجھتے وہ خود سے یہی سوال پوچھتے ہیں ''یسوع کے ان الفاظ کیا کیا مطلب ہے؟''

یسوع کا وعدہ یہ تھا کہ ''مَیں تُم کو آرام دُوں گا'' اور اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر چہ یسوع نے آرام دینے کا وعدہ کیا ہے تو ایسا کونسا مسئلہ ہے جس سے وہ ہمیں آرام دینا چاہتا ہے؟ بے شک ''آرام'' کے برعکس ''کام'' یا محنت مشقت ہے۔ آرام اور کام میں کیا فرق ہے؟

کام، کچھ کرنے کا نام ہے۔ کام کے لیے محنت اور قوت درکار ہوتی ہے۔ بعض اوقات ذہنی آرام کے ساتھ ساتھ جسمانی آرام کے لیے بھی۔ اور آرام کیا ہے؟

آرام، کام کے برعکس ہوتا ہے، کیا ایسا نہیں ہے؟ آرام کسی سرگرمی کا نام نہیں ہے بلکہ یہ آرام دہ حالت ہوتی ہے۔

آیئے ان تمام سوالات پر غور کرتے ہیں: کیا کوئی انسان کام کرتے ہوئے بھی آرام کر سکتا ہے؟

اگر واضح طور پر بات کی جائے تو ہم ایک ہی وقت میں کام اور آرام نہیں کر سکتے اور جو مسیحی یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کی خدمت کرنا مشکل کام اور جہدِ مسلسل ہے تو وہ یہ بات جان لیں کہ اُنہوں نے ابھی تک اُس وعدے کا تجربہ ہی نہیں کیا جس کا مسیح نے وعدہ کیا تھا اور وہ ابھی تک حقیقی خوشخبری سے بے خبر ہیں۔

یسوع اُن لوگوں سے اپیل کرتا ہے جو ''بوجھ سے دبے'' ہوئے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ بوجھ اُٹھائے ہوئے ہیں اور بے شک وہ لوگ تھک چکے ہیں! کیا یسوع اُن لوگوں کی بات کر رہا ہے جو کھیتوں میں آلو کی بوریاں اُٹھاتے ہیں؟ کیا اس قسم کے بوجھ کی بات کر رہا ہے؟ ایسی کیا بات ہے جس سے اِن لوگوں کو

بوجھ محسوس ہوتا ہے اور وہ ''بوجھ سے دبے'' ہوئے ہیں اور وہ کونسی مشقت کر رہے ہیں؟

یقیناً وہ راستباز بننے کے لیے محنت مشقت کر رہے ہیں؟ وہ اِسی بارے میں سخت محنت کر رہے ہوتے ہیں۔ اُن پر گناہوں اور قصوروں کا بوجھ ہے، وہ اپنے گنہگار اور نااہل علم کا بوجھ اُٹھائے پھرتے ہیں اور وہ اِس بوجھ کو اُتار پھینکنے کی کوشش میں رہتے ہیں مگر وہ راستبازی حاصل کرنے کے لیے بھی کوشاں رہتے ہیں۔

یسوع نے فرمایا ''اَے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ میں تُم کو آرام دُوں گا۔'' لہٰذا اگر آپ مسیحی ہونے کے دعوے دار ہیں مگر راستبازی حاصل کرنے کے لیے خود کو بوجھ تلے دبا ہوا محسوس کرتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ آپ نے ابھی تک وہ حاصل ہی نہیں کیا جس کی یسوع نے آپ کو پیشکش کی ہے!

پھر یسوع فرماتا ہے ''میرا جُوا اپنے اُوپر اُٹھا لو اور مُجھ سے سیکھو۔ کیونکہ میں حلیم ہُوں اور دِل کا فروتن۔ تو تُمہاری جانیں آرام پائیں گی۔'' اس سے یہ بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ ہماری رُوحیں بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں۔ اور ہمیں رُوحانی آرام کی ضرورت ہے۔ یسوع مسیح یوں فرماتا ہے ''کیونکہ میرا جوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا''۔

جوا ایسا آلہ ہوتا ہے جو دو لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ متحد رکھتا ہے اور یہ اُنہیں ایک ہی سمت میں چلنے پر مجبور کرتا ہے۔ جوا صرف بیلوں پر نہیں رکھا جاتا۔ غلامی کے دِنوں میں جب غلاموں کو کسی دوسری جگہ لے جانا ہوتا تھا تو اُنہیں ایک قطار میں کھڑا کیا جاتا اور اُن کی گردنوں پر جوا باندھ دیا جاتا تاکہ کوئی بھی غلام اُس قطار سے نکل نہ جائے۔ اُن سب کو اپنے رہبر کے پیچھے پیچھے چلنا پڑتا ہے۔ جوا باندھنے کا یہی مقصد ہوتا تھا یعنی اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ دو لوگوں کو آپس میں متحد رکھا جا سکے تاکہ جس طرف ایک چلے دوسرا بھی اُسی طرف چل سکے۔ یسوع فرماتا ہے ''تُم سخت محنت کر رہے ہو اور بھاری بوجھ اُٹھائے ہوئے ہو، تمہیں صرف میرا جوا اپنے اوپر لینا چاہیے، خود کو میرے ساتھ متحد رکھنا چاہیے کیونکہ میرا جوا تمہیں سکون دے گا اور میرا بوجھ ہلکا ہے اور اگر تم اِسے اُٹھا لو گے تو اِس سے تمہاری جانیں آرام پائیں گی۔''

یسعیاہ 10:11 میں یوں لکھا ہے،

''اور اُس وقت یُوں ہوگا کہ لوگ یسّی کی اُس جڑ کے طالِب ہوں گے جو لوگوں کے لئے ایک نِشان ہے اور اُس کی آرام گاہ جلالی ہوگی'' (یسعیاہ 10:11)

اُس کا آرام کیسا ہوگا؟ اُس کا آرام جلالی ہوگا! جو یسّی کی نسل سے ہوگا وہ لوگوں کو آرام مہیا کرے گا اور وہ آرام جلالی ہوگا۔

آرام کی راہ میں رکاوٹ

اب آیئے عبرانیوں کے خط کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اُس میں یسوع کی طرف سے مہیا کردہ آرام کے بارے میں کیا کہا گیا ہے۔

''پس جس طرح کہ رُوح القدس فرماتا ہے اگر آج تُم اُس کی آواز سُنو تو اپنے دِلوں کو سخت نہ کرو جس طرح غصہ دِلانے کے وقت آزمایش کے دن جنگل میں کیا تھا جہاں تُمہارے باپ دادا نے مجھے جانچا اور آزمایا اور چالیس برس تک میرے کام دیکھے۔ اِسی لئے میں اُس پُشت سے ناراض ہوا اور کہا کہ اِن کے دِل ہمیشہ گُمراہ ہوتے رہتے ہیں اور انہوں نے میری راہوں کو نہیں پہچانا۔ چنانچہ میں نے اپنے غضب میں قسم کھائی کہ یہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائیں گے'' (عبرانیوں 3:7-11)

خدا نے فرمایا کہ یہودی لوگ اُس کے آرام میں داخل نہ ہونے پائیں گے۔ یسوع نے جس آرام کا اُن سے وعدہ کیا تھا اُسے وہ اپنی سخت دلی کی وجہ سے حاصل نہ کر پائے۔

مزید 4:1-3 میں یوں بتایا گیا ہے،

''پس جب اُس کے آرام میں داخِل ہونے کا وعدہ باقی ہے تو ہمیں ڈرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ تُم میں سے کوئی رہا ہوا معلُوم ہو کیونکہ ہمیں بھی اُن ہی کی طرح خُوشخبری سُنائی گئی لیکن سُنے ہُوئے کلام نے اُن کو اِس لئے کُچھ فائدہ نہ دِیا کہ سُننے والوں کے دِلوں میں ایمان کے ساتھ نہ بیٹھا اور ہم جو ایمان لائے اُس آرام میں داخل ہوتے ہیں جس طرح اُس نے کہا کہ میں نے اپنے غضب میں قسم کھائی۔ کہ یہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائیں گے'' (عبرانیوں 4:1-3)

ایسی کونسی باتیں ہیں جو ہمیں مسیح کے وعدہ کردہ آرام میں داخل ہونے سے روک سکتی ہیں؟ یہ بات تو واضح ہے کہ اُن میں سے ایک بات تو نافرمانی ہے۔ مگر مَیں آپ کے سامنے ایک اور اہم رکاوٹ (یہ بھی نافرمانی سے متعلقہ ہے) کا ذکر کرنا چاہوں گا اور وہ ہے **محنت !!** کیا آپ آرام کے حصول کے لیے کام کر رہے ہیں؟ یقیناً سخت محنت مشقت کرتے ہوئے ہمیں وہ آرام حاصل نہیں ہوگا جس کا یسوع نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور ہم اس بات کو بھی دیکھ سکتے ہیں کہ نافرمانی کی اصل وجہ بھی محنت مشقت ہی ہے۔

آیات 9-10 میں یوں مرقوم ہے،

''پس خُدا کی اُمت کے لئے سبت کا آرام باقی ہے کیونکہ جو اُس کے آرام میں داخل ہُوا اُس نے بھی خُدا کی طرح اپنے کاموں کو پورا کر کے آرام کیا'' (عبرانیوں4:9-10)

جو لوگ اپنے کام کاج کرتے رہتے ہیں وہ خدا کے آرام کو حاصل نہیں کر سکتے۔ جو خدا کے آرام میں داخل ہوتا ہے وہ اپنے کاموں سے اجتناب کرتا ہے۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ تُم بالکل بھی کام نہ کرو، مگر تُم محض کام کرنے والے ہی نہ بنو۔ کوئی اور ہے جو تُم میں نیت اور عمل دونوں کو اپنے نیک ارادہ کو انجام دینے کے لئے پیدا کرتا ہے (فلپیوں2:13)۔ تُمہیں کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اِسی لیے تو تُم سے بوجھ کو اُتار دیا گیا ہے اور اِسی وجہ سے تو وہ جوا ہلکا ہے کیونکہ اب وہ تمہارا مسئلہ نہیں رہا۔ اب کوئی اور اس مسئلے کو حل کر رہا ہے اور اِسی وجہ سے تُم آرام کر سکتے ہیں۔

جدوجہد اختتام پذیر ہوگئی

جے۔ بی فلپس کی طرف سے کیے گئے نئے عہدنامے کے ترجمے میں رومیوں4:10 میں یوں لکھا ہوا ہے،

''کیونکہ ہر ایک ایمان لانے والے کی راست بازی کے لئے مسیح شریعت کا انجام ہے'' (رومیوں4:10)

ہیلیلویاہ! مسیح راست بازی کے لیے شریعت کا انجام ہے۔ جب آپ مسیح کے پاس آجاتے ہیں تو آپ کی جدوجہد ختم ہو جاتی ہے، مسیح اس کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

اب یہ بات دلچسپ ہے کہ عبرانیوں4:11 میں یوں کہا گیا ہے کہ ہمیں خدا کے آرام میں داخل ہونے کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ کیا اس بات میں اختلاف دکھائی نہیں دیتا ہے؟ اگر ہم پہلے ہی آرام کر رہے ہیں تو پھر ہم محنت کیسے کر سکتے ہیں؟ ہم اس طریقے سے کام کیسے کر سکتے ہیں تا کہ ہمیں مزید کام نہ کرنا پڑے؟ یہ بات تو سچ ہے کہ ''کوشش کرنے'' کا مطلب ''وفادار بننا''، ''سنجیدگی کی تلاش کرنا'' کیونکہ بائبل مقدس میں یوں لکھا ہے کہ جو ڈھونڈتا ہے اُسے ملتا ہے۔ مگر دُرست راستے کی تلاش اور غلط راستے کی تلاش کرنے میں بڑا فرق ہے۔ کیا ہم یہاں پر کیا تلاش کرنے کے لیے محنت کر رہے ہیں؟ ہم یہاں پر یسوع کو تلاش کرنے کے لیے محنت کر رہے ہیں جبکہ اس سے پہلے ہم اچھے کام جو کہ اِس سے بالکل ہی مختلف بات ہے اُنہیں کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچھائی کرنے کی کوشش کرنا اور اپنے کاموں کی بدولت راستباز ٹھہرانے کے لیے کی گئی ساری محنت بیکار ہے۔ مگر ہمیں مسیح کی تلاش کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ جب ہم مسیح کو پا لیتے ہیں تو پھر ہم اپنی ضرورت کی سب چیزیں مثلاً حکمت، راستبازی، پاکیزگی، ابدی زندگی، خدا کی معموری اور کاملیت بھی پا لیتے ہیں۔

پس مسیح کی بدولت ہمیں وہ سب کچھ مل جاتا ہے جس کے لیے ہم کوشش تو کر رہے ہوتے ہیں مگر ابھی تک حاصل نہیں کر سکے۔

صرف ایمان کے وسیلے

گلتیوں 3 باب میں پولس یوں کہتا ہے،

''اے نادان گلتیو! کس نے تُم پر افسُوں کر لیا؟ تمہاری تو گویا آنکھوں کے سامنے یسوع مسیح صلیب پر دکھایا گیا۔ مَیں تُم سے صرف یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ تُم نے شریعت کے اعمال سے رُوح کو پایا یا ایمان کے پیغام سے؟'' (گلتیوں 3:1-2)

پولس یہاں کیا کہہ رہا ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ رُوح القدس سے معمور تھے کیا یہ اچھی بات نہ تھی؟ پولس اُن سے پوچھ رہا تھا'' کہ تُم نے شریعت کے اعمال سے رُوح کو پایا یا ایمان کے پیغام سے؟'' اس کا دُرست جواب کیا ہے؟ بے شک، اُنہوں ایمان کے علاوہ اور کسی طریقے سے رُوح القدس کو حاصل نہیں کیا تھا۔ وہ کہتا ہے'' اے نادانو، تُم نے رُوح القدس کو کیسے حاصل کیا ہے؟'' اور یہی سوال مَیں آپ سب سے بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔ ہم کس ذریعے سے رُوح القدس کو حاصل کرنے کی توقع کرتے ہیں؟ کیا آہستہ آہستہ خود کو ٹھیک کرتے ہوئے یعنی روزے رکھنے اور دُعا کرنے اور دِنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں تک ایسے ہی کام کرتے رہنے سے یا ایمان کے وسیلے سے؟ ہم اِسے کیسے حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

آیت نمبر 3 میں وہ یوں کہتا ہے

''کیا تُم ایسے نادان ہو کہ رُوح کے طور پر شروع کر کے اب جسم کے طور پر کام پورا کرنا چاہتے ہو؟''

جب وہ یہاں پر'' جسم'' کا بیان کرتا ہے تو اِس کا کیا مطلب ہے؟ وہ کاموں کی بات کر رہا ہے! وہ کہتا ہے'' تُم نے ایمان سے شروعات کیں، اب دوبارہ تُم کاموں کی طرف کیوں جانا چاہتے ہو؟''

آیت نمبر 5 میں وہ مزید یوں کہتا ہے

''پس جو تمہیں رُوح بخشتا اور تُم میں معجزے ظاہر کرتا ہے کیا وہ شریعت کے اعمال سے ایسا کرتا ہے یا ایمان کے پیغام سے؟''

کوئی انسان معجزے کیسے کر لیتا ہے؟ زیادہ تر ہم یہ بحث و مباحثہ سُنتے ہیں: ''ہم نے تو کبھی کسی کو مُردوں کو

زندہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہم نے تو کبھی کسی کو کسی بیمار کو شفا دیتے ہوئے نہیں دیکھا، ہم نے کبھی کسی کو نبوت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اتنے راستباز نہیں ہیں، ہم اتنے پاک نہیں ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی ان کاموں کے لیے مخصوص نہیں ہے؟ پولس یوں کہتا ہے ''اے نادانو! کیا تُم نہیں جانتے کہ یہ سب کام تو ایمان کے ذریعے ہوتے ہیں؟ اے نادانو! ایسا ہمارے کاموں کی وجہ سے نہیں بلکہ ہمارے ایمان کی وجہ سے ہوتا ہے۔'' اور اب دو ہزار سال بعد بھی ہمیں یہی مسئلہ درپیش ہے! ہم خود کو اس قدر راستباز بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تا کہ ہم بھی کسی دن کوئی معجزہ کر سکیں اور خدا ہمیں استعمال کر سکے۔

مگر حیران کُن سچائی تو یہ ہے کہ ایمان کے وسیلے مسیح یسوع میں ہم انسانی عروج کو پہلے ہی حاصل کر چکے ہیں! خدا نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو کتنا شرف عطا فرمایا ہے، یہ جاننا کتنی بڑی بات ہے کہ ہم مسیح میں مکمل ہیں۔

اختتامیہ

خوشخبری کو کبھی بھی مکمل طور پر کسی ایک کتاب میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے کے کسی شاعر نے اس میں گیت میں یوں ذکر کیا ہے:

''اگر ہم سمندر کو سیاہی سے بھر دیں اور آسمان سے زمین پر کاغذ لٹکا دیں،
زمین کا ہر پتہ لکھنے والا پَر بن جائے اور ہر انسان مُصنف بن جائے،
خدا کی محبت کو لکھنے سے سمندر کی سیاہی بھی خشک ہو جائے گی،
اور وہ سارے کا سارا کاغذ بھی ختم ہو جائے گا جس پر اِس کو تحریر کیا جا سکے۔''

جی ہاں یہ بات سچ ہے، اگرچہ ہم نے اس حیرت انگیز کہانی کو بیان کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے مگر پھر بھی ایسی ہزاروں باتیں ہیں جن کے بارے میں ہم بیان نہیں کر سکے۔ ہمیں خدا کی محبت کی گہرائی اور اونچائی کا پتا چلتا رہتا ہے۔ اگر ہم ان ساری باتوں کو ایک کتاب میں لکھنا شروع کر دیں تو وہ کتاب کبھی بھی ختم نہیں ہو سکے گی۔ مگر اس کتاب میں ہم نے نجات کے منصوبے کی چند اہم باتوں کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے، اس میں ہم خدا کی محبت اور خدا کی طرف سے اُس کے بیٹے کی بدولت عطا کردہ عظیم برکات کی جھلکیاں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ جب آپ اس کتاب کو پڑھیں گے تو آپ خدا کی اہمیت اور قدر کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔ ہماری یہ دُعا ہے کہ خدا سے متعلقہ پائی جانے والی ایسی تمام غلط فہمیاں جن کی وجہ سے لوگ خدا سے ڈرتے ہیں، دُور ہو جائیں اور لوگ پورے دل سے خدا کو جانیں اور اُس کی خدمت کریں۔

کیا آپکو پتا چلا ہے کہ خدا آپ سے کتنی محبت رکھتا ہے؟ کیا آپ اس سچائی کی قدر کرتے ہیں کہ یسوع مسیح کے ذریعے خدا نے ہم سے میل ملاپ کر لیا ہے؟ کیا آپ کو اس بات کا احساس ہوا ہے کہ یسوع کے ذریعے آپ کو تمام برکات پہلے ہی مل چکی ہیں؟ کیا آپ اس حقیقت کو جان چکے ہیں کہ اب آپ کے گناہ اور غلطیاں آپ اور خدا کے درمیان حائل نہیں ہیں؟ کیا آپ کو اس سچائی کا پتا چلا ہے کہ مسیح کی بدولت آپ کو ایسی قوت ملی ہے جس کے ذریعے آپ ہر قسم کے گناہوں پر غلبہ پا سکتے ہیں اور آپ پاکیزہ اور قوت سے بھرپور زندگی گزار سکتے ہیں؟ اگر اس کتاب کو پڑھتے ہوئے آپ نے ان تمام سچائیوں کو جان لیا ہے تو پھر اِس کتاب کا مقصد پورا ہو گیا۔ اب سے آپ عام انسان کے طور پر زندگی نہیں گزاریں گے۔ مسیح کے وسیلے اب آپ خدا کے بچے بن چکے ہیں اور اب آپ کی زندگی عام نہیں رہی۔ آپ خدا کے جلال کو دیکھ چکے ہیں اور اب دُنیا آپ کے لیے اتنی اہمیت نہیں رکھتی۔ جو سچائیاں آپ نے اس کتاب میں سیکھی ہیں کاش کہ اُن کے وسیلے آپ کو مسیح میں ایسی برکات حاصل ہوں جن کی بدولت آپ دُنیا کو بھی برکت دے سکیں۔ آمین!